بے پر کی

آوارہ

کتب خانہ علم و ادب دھلی

(دائمی حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں)

طبع اول | سنہ ۱۹۴۴ء | قیمت عہ/ ۱۲

ٹوٹا برتن ٹھٹیرے کے سر!

یہ

دفترِ بے معنی

"اردو"

کی نذر ہے

باقی خیریت

فہرست مضامین

کچھ اِدھر اُدھر کی

سید صاحب اور ہیں علی گڑھ کالج کے اس زمانہ کی یادگار ہیں جب علی گڑھ کے طلبا پر پروفیسروں کا دھوکا ہوتا تھا اور پروفیسروں پر طلبا کا۔ سید صاحب عین بین ویسے ہی تھے جیسے آج کل ہیں۔ کئی سال ہوئے علی گڑھ میں ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ ان کی آن بان، کس بل اور سج دھج میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہی حرکات و سکنات جو پہلے تھے اب بھی تھے۔ یعنی جو منہ میں آیا کہہ بیٹھے اور جو چاہا کر گزرے۔ سید صاحب کے سامنے کسی کی ہمت نہ تھی کہ وہ فقرہ بازی یا کسی قسم کی سخن سرائی میں پہل کر سکے۔ ایسے کڑے تیور یا عاشقانہ فدویت سے جواب دیتے کہ حریف کو جائے پناہ نہ ملتی۔ سید صاحب کے سامنے کوئی شخص اپنے آپ کو محفوظ نہیں خیال کرتا تھا تاوقتیکہ سید صاحب خود تالیف قلب نہ فرما دیتے لیکن اس کے باوجود اطمینان نہ ہوتا کہ سید صاحب نے مکارم اخلاق کو دخل دیا ہے، یا ترکش سے ایک اور تیر خالی کیا۔

سید صاحب منٹو سرکل میں رہتے تھے، جہاں نیا نیا بورڈنگ ہاؤس کھلا تھا اور پکی بارک سے دور تھا۔ منٹو سرکل والوں کو پکی بارک یا "کواڈرینگل" کے

لوگ ٹاٹ باہر سمجھتے تھے۔ منٹو سرکل کا کوئی طالب علم بڑھ بڑھ کر باتیں کرتا اور حاضرین میں سے کوئی کہہ بیٹھتا "آپ کا دولت خانہ منٹو سرکل ہے!" تو یہ پھبتی ایسی ہوتی اور حاضرین ایسا فرمائشی قہقہہ لگاتے کہ بولنے والا دم بخود ہو جاتا اور پھر اس کی ایک پیش نہ جاتی یہ سید صاحب ہی کا رعب تھا کہ پی بارک والے بھی ان سے جری ہونے کی ہمت نہ کرتے۔

غالباً ۳۱ء کا زمانہ تھا، سید صاحب انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں شریک تھے۔ نتیجہ شائع ہوئے دو ہی چار دن ہوئے تھے، سید صاحب کا نتیجہ کچھ ایسا "گفتنی" نہ تھا کہ "درج گزٹ" ہوتا، لیکن تیور ایسے تھے انتہائی خلوص کے ساتھ بھی کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ سید صاحب سے ہمدردی کے کلمات کہہ سکے۔ ہم سب اسٹریچی ہال کے سامنے سید صاحب کو چھیڑ رہے تھے کہ اتنے میں ایک صاحب تشریف لائے، شکل کے اعتبار سے عجیب بھی تھے اور غریب بھی۔ آنکھیں بھینگی تھیں اور منہ کھلا ہوا۔ یہ سید صاحب کے کلاس فیلو تھے، بڑے تپاک سے سید صاحب کی طرف بڑھے، سید صاحب ان کو آتے دیکھ کر پہلے تو یک لخت تیور بدل کر "اٹینشن" ہو گئے۔ اس کے فوری بعد ہمہ شوق و شگفتگی بن کر ان کا پرجوش خیر مقدم کیا اور گلے لگا کر بولے "کیوں یار نتیجہ کیسا رہا؟" انھوں نے جواب دیا "آپ کی دعا سے کامیاب ہو گیا" یہ سننا تھا کہ سید صاحب چمک کر اس طرح دوست سے علیحدہ ہوئے جیسے بجلی کا تار چھو گیا ہو۔ دوست کی حیرت یا خجالت ختم نہیں ہوئی تھی کہ پھر نہایت سنجیدہ گرم جوشی کے ساتھ ان سے ہاتھ ملایا۔ اور جب دیکھا کہ دوست اظہار تبسم و نیاز مندی کے لئے تیار ہو رہے ہیں تو فرمایا "یار تمھارے پاس ہونے سے مجھ کیا کوفت ہوئی ہے"!

میں نے ایسے لوگ بہت کم دیکھے ہیں جن کو کم سے کم وقت میں اپنے آپ

پر متضاد کیفیت و حالت طاری کرنے پر اتنی قدرت ہو جتنی سید صاحب کو ہے۔ وہ اجنبی اور شناسا کی تفریق نہیں کرتے تھے۔ باتوں باتوں میں مخاطب کو یا تو اس زمانہ کے علی گڑھ کے معنوں میں "ڈانٹ" دیتے تھے۔ یا اس پر عاشق ہو جاتے، کبھی ڈانٹ پہلے دیتے تھے اور اظہار تعشق بعد میں فرماتے تھے اور کبھی اظہار تعشق پہلے کرتے اور ڈانٹتے بعد میں اور لطف یہ کہ ڈانٹ کو واقعتاً ڈانٹنے سے کوئی تعلق نہ ہوتا اور نہ عشق کو عشق سے سروکار۔

مجھے افسوس ہے کہ سید صاحب آفس کی دلدل میں پھنس گئے جس کا اثر میں ان کی انشا پردازی میں بھی دیکھ رہا ہوں، وہ سب سے زیادہ موزوں اسٹیج کے لیے تھے جس میں سوا عزت سادات کے جانے کے اور کوئی خطرہ نہ تھا یا پھر قلم سنبھالتے اور اپنی ہلکی پھلکی ظرافت اور طنز سے ہم کو زندگی کے بہت سے مکروہات سے نجات دلا سکتے یا کم سے کم خوش باش دمے کہ زندگانی این است، کے رمز سے آشنا کرا دیتے۔ مجھے خوب یاد ہے میری ہی فرمائش اور اصرار سے سید صاحب نے سب سے پہلے "علی گڑھ منتھلی" یا "میگزین کے لیے" "بے پر کی" لکھی تھی۔ اس طرح کی چیز لکھنے والے پہلے بھی گزرے ہیں اور اب بھی نظر آتے ہیں، لیکن زبان کا لطف، زبان پر قدرت اور پتے کی بات کہہ جانے کا جو ملکہ سید صاحب کو ہے وہ دوسرے کو نہیں۔

اس طرح کی چیز سرشار نے بھی لکھی ہے اور اردو ادب میں سرشار کا ایک درجہ بھی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سرشار نے اس انداز میں لکھنے کی پہل کی، لیکن سرشار کے پاس الفاظ کی رعایت اور "ملا نمے" کی بہتات اصل چیز پر غالب آ گئی ہے، وہ جملہ یا لطیفے پر ... اتنا زور دیتے ہیں اور اتنی دیر تک زور دیتے ہیں کہ پڑھنے والا اکتا جاتا ہے، وہ بہت زیادہ بولتے ہیں اور بڑے

زور سے بولتے ہیں۔ وہ آواز اور ہڑبونگ سے اپنی بعض کوتاہیوں کو چھپانا چاہتے ہیں۔ سید صاحب کا انداز جدا ہے، وہ ایک ہی بات کو رٹتے نہیں جاتے اور نہ لفاظی کی آڑ پکڑتے ہیں۔ اس مجموعہ میں ان کا سب سے اچھا مضمون، "بے پر کی" ہے۔ اس کا بیشتر حصہ ان کی طالب علمی کے زمانہ میں تصنیف ہوا۔ اس میں آپ کسی قسم کے حشو و زوائد نہ پائیے گا۔ ہر چیز نپی تلی، ہلکی اور سادہ ہے، زبان لکھنؤ کے عوام کی زبان ہے، جس میں شروع سے آخر تک آمد ہی آمد ہے، اس زبان کو شروع سے آخر تک بڑے بڑے غواص بھی ...... نباہ نہیں سکے۔ اس زبان پر جو قدرت سید صاحب کو ہے وہ کسی اور کو نصیب نہیں۔ وہ اس زمانہ کے لکھنؤ کے عوام کی اسپرٹ سے آشنا ہیں اور اس اسپرٹ کو عوام کی زبان سے مصور کرنے میں اوستادی کا ثبوت دیتے ہیں۔ یہی حال آغا حیدر حسین کا ہے۔ جو کم و بیش سید صاحب ہی کے زمانہ میں علی گڑھ میں تھے اور جنھوں نے سید صاحب ہی کی طرح علی گڑھ منتھلی میں لکھنے کی ابتدا کی اور مجھے یہ کہنے میں اب بھی مسرت و افتخار سا محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے میرے ہی اصرار پر مضامین لکھنے شروع کئے، ان کا مجموعہ "پس پردہ" کے نام سے عرصہ ہوا شائع ہو چکا ہے۔ آغا حیدر حسن صاحب کی دہلی کی بیگماتی زبان لکھنے اور اس حلقہ کی فضا کو اپنے تجربے سے محسوس و مرئی کرنے پر جو قدرت حاصل ہے وہی قدرت سید صاحب کو لکھنؤ کے عوام کی زبان لکھنے پر ہے، ان دونوں کو میں علی گڑھ کا کارنامہ سمجھتا ہوں۔ یہ عجیب اتفاق ہے اور خوشی کی بات ہے کہ دونوں حیدر آباد میں ہیں۔ حیدر آباد جس کا علی گڑھ کے بنانے بڑھانے میں بڑا حصہ ہے اس کو حق بھی پہنچتا ہے کہ وہ علی گڑھ کے ناموروں سے خدمت لے اور ان کو اپنائے

سید صاحب کی ظرافت جیسا کہ میں بیان کر آیا ہوں، ہلکی، سادہ اور تفریحی

ہے، وہ کسی قسم کے اینچ پیچ کو دخل نہیں دیتے، اس لیے کہ اینچ پیچ کی باتیں بیان کرنا ان کا مقصد نہیں ہے، اس اعتبار سے "بے پرکی" ان کے رنگ کا سب سے اچھا ترجمان ہے، اور اسی رنگ میں سید صاحب سب سے زیادہ کامیاب ہیں۔ جس طرح بعضوں میں یہ کمزوری راہ پا جاتی ہے کہ وہ اپنے اصلی اور مخصوص رنگ کو چھوڑ کر دوسرے رنگ میں بھی طبع آزمائی شروع کر دیتے ہیں اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ کامیاب رہے گا اسی طرح بعض مضامین میں سید صاحب نے اپنے اصلی رنگ سے انحراف کیا ہے اور نتیجہ خاطر خواہ نہیں رہا ہے۔ اسٹائل ہر شخص کی ذات اور شخصیت ہوتی ہے، شخص کا شخصیت سے انحراف کرنا اپنے آپ کو مسخ کرنا ہے۔ گپوا کو گپوا ہی رہنا چاہیے، عبدالغفور خاں بننے سے کیا حاصل۔

سید صاحب کو میں یہ مشورہ دوں گا گو میں سمجھتا ہوں کہ وہ میرے مشورے سے پہلے اس رمز سے آشنا ہیں کہ سب سے اچھی ظرافت وہ ہے جو چھوٹے سے چھوٹے جملے میں جلد سے جلد مکمل ہو جائے، الفاظ اور عبارت کے پیچ وخم اور اشارات وکنایات کے پھول پھلوں میں ظرافت ظرافت نہیں کچھ اور بن جاتی ہے ظرافت میں کسی طرح کی "اداکاری" کو دخل نہ ہونا چاہیے۔ ورنہ "جھانپلزم" عائد ہونے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

"جھانپلزم ایکٹ" سے علی گڑھ کے پرانے گنہ گار واقف ہیں، مجھے امید ہے سید صاحب خود اس ایکٹ کی وضاحت چند کلمات میں کہیں کر دیں گے۔ اس سے بہتوں کا بھلا ہوگا!

مجھے بڑی خوشی ہے کہ سید صاحب نے مجھے یاد کیا، مجھے یقین ہے کہ ان اوراق کے شائع ہونے پر بے شمار لوگ سید صاحب کو یاد کریں گے!

رشید احمد صدیقی
مسلم یونیورسٹی علیگڑھ ۲ جنوری ۱۹۴۳ء

"آوارہ"

دلّی اجڑی تو لکھنؤ بسا، لکھنؤ اجڑا تو حیدرآباد بسا، خدا اس کو آباد رکھے کہ علم و ہنر
ے رسیا کو آج یہاں جینے کا سہارا ہے۔

یہیں آوارہ صاحب بھی نظر پڑے میانہ قد، پچاس عمر، کسرتی جسم، اس پہ
یدرآبادی شیروانی، ویسا ہی پیجامہ کبھی اجلا کبھی میلا۔ سر پر کشتی نما ٹوپی، ہات
ں ہنوٹ کی چمکتی لکڑی پان کھائے، ڈاڑھی منڈوائے، عینک لگائے، سر
ھکائے، کچھ سوچتے چلے آتے ہیں۔ آپ ملے۔ علیک سلیک کی، انھوں نے
ھی، تو اس طرح بات کی جیسے پتھر کھینچ مارا اور آگے ہو لیے۔ کبھی اس طرح ہنسے
ے جیسے لکھنؤ ہنسا بولا۔

لکھنے لکھانے میں بھی میں نے ان کے کچھ یہی ڈھنگ پائے، کبھی ہنسی
لگی کی باتیں بناتے ہیں، کبھی ہنستے ہنساتے تیوری بھرلاتے ہیں" ملک الرت کی
دربین" کے عنوان سے ان کا ایک مضمون ہے۔ اس میں لکھتے ہیں: "ایک رات
سویا تھا ——— کہ کسی نے دستک دی ——— بتی چاق کر کے دروازے کا ایک
ٹ کھولا ——— دیکھا کہ کوئی کھڑا ہے؛
"......... خاصا چھ فیٹ کا آدمی، گولے دار پگڑی بڑے

ر کا جامہ، جس کے گریبان پر سوپ سے بڑی سفید براق داڑھی، ہلکی ہواہیں ایسے
ارہی تھی جیسے صلح کے جھنڈے کا پھریرا
اور یہ سب کچھ مٹی، پانی، ہڈی، گوشت کا نہیں۔ بلکہ انسانی
پیکر میں آدمی کے سانچے میں ڈھلا ہوا دھواں، یا دھنکی ہوئی روئی
یا پھر بادل، یا غول بیابانی، ورنہ ——— بی ہوئی نظر"
"کون ہو" ؟
" تمہاری سطحی دنیا اپنی گڑھی ہوئی عرفیتوں سے مجھے زیادہ تر یاد کرتی
ہے۔ مثلاً دق، سل، ٹائیفائڈ، پلیگ، ہیضہ، کالا بخار وغیرہ۔ اسی
طرح کی اور ہزاروں، کہاں تک گناؤں"
"آدھی رات کو میٹھی نیند کی گود سے اٹھا کے مجھے امراض کی یہ طویل
فہرست سنانے آئے ہو، آدمی ہو یا قرابادین ؟
میں تمہارا نام پوچھتا ہوں ——— نام ؟"
"ملک الموت" !
"تو آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں ؟"
" تمھارا قبض روح !"
"کیا مجھ سے سینئر سب مر گئے۔ میں جوان ہوں، تنومند ہوں، یہ
جوانا مرگی نہایت بے تکی ہوگی اور آپ کی بدنامی کا باعث !"
چند لمحے باقی ہیں جتنی چاہو بکواس کر لو"
" مگر مرد خدا۔ یہ بھی تو دیکھو کہ کل دفتر کا دن ہے، صاحب کی میز پر مسلوں
کے انبار لگے ہیں، مجھے ان کا تصفیہ کرنا ہے۔ حقوق کا معاملہ ہے
ایک مہربان کے سو روپے لئے بیٹھا ہوں، آپ کے ہاں رشوت

میرے نزدیک حساب دوستاں یا حق المحنت - ان کی تاریخ ولادت کو دو چار سال گھٹا کر صاحب سے توثیق کرانا ہے - ایک دوست ہیں غریب سے سہواً تین سو روپے کا غبن ہو گیا ہے۔ وہ معاف کرانا ہے - اس کام ذ صرف پچاس روپے ملا ہے۔ صاحب نہایت شریف حاکم ہیں - منصف مزاج اور رحم دل ——— !"

غرض ہنسی ہنسی میں آوارہ صاحب نصیب دشمن مر گئے - مگر مرتے ہی ستم ظریف نے ایسی آنکھیں پھیریں کہ واہ وا! سنئے کس زہر خند سے کہا ہے :-

"........ پلنگ پر دوشالہ پڑی میت رکھی تھی - دو چار صبح خیز پڑوسی دروازے پر کھڑے تھے - دیوان خانے میں صف ماتم بچھائے سر جھکائے منہ سکھائے صاحب زادے آیندہ روندسے پر سالے رہے تھے - اتنے میں پڑوسی سعادت خاں آئے - عینک کے گول شیشے گرم آنسوؤں کی بھاپ سے ماند پڑ گئے تھے، لڑکے کے سر پہ ہات رکھا اور کہنے لگے :-

" خاں صاحب ——— ہونے والی بات تھی ہو چکی - بابا دیر نہ کرو - دفتر کا وقت ہے - لوگ شریک نہ ہو سکیں گے "

" صاحب زادے ——— ہاں خاں صاحب تیار ہوں دس بجے تک فراغت ہو جائے گی "

" مولوی فیروز علی ——— کیا کفن دفن آ گیا ؟ "

" صاحب زادے ——— مولوی صاحب ——— سنئے - مرگ ناگہاں مساوی ہے شہادت کے - شہید کفن سے متشنیٰ - لہٰذا تکفین نہ صرف فعل عبث اور اسراف - بلکہ غیر منطقی " !

" مولوی صاحب ——— ہاں بھیا۔ کوئی امر خلاف سنت نہ ہونا چاہیئے" صاحب زادے ——— "اے قبلہ' فرض اور سنت کا شمار اب تقویم پارینہ میں ہوتا ہے۔ زمانہ اپنا پرانا چولا بدل چکا۔ آپ۔ خطا معاف' اولڈ فش کے باقیات الصالحات ہیں۔ ان ہنوزی مسائل کو نہ سمجھیں گے۔ میں نے حکومت کو اس واقعہ فاجعہ کا تار دے دیا ہے۔ جواب کا انتظار ہے۔ آتے ہی....."

" خانصاحب ——— میاں میں سمجھا نہیں ——— حکومت کو کسی کے مرنے جینے سے واسطہ ؟ "

" مولوی صاحب ——— تار لاٹ صاحب کو دیا ہوگا ؟ "

" صاحب زادے ——— جی ہاں پھر حکومت لاٹ صاحب کا نام نہیں تو کس کا ہے' بات یہ ہے کہ مرحوم اوائل عمر ہی سے ایک خود ساختہ بلکہ بے ساختہ لیڈر تھے۔ اور ان کی ارواح سے معافی چاہ کر آج یہ راز فاش کرتا ہوں کہ حکومت کے ایما سے ہر مجسٹی کی آنے والی سال گرہ کے موقع پر بین الاقوامی لیڈر تسلیم کئے جانے والے تھے' "

" ان کی رحلت سرکاری نقصان ہے' اسی کا مجھے خیال ہے' اب آپ تشریف رکھیں میں دو لقمے ناشتہ کر لوں۔ شب کو سینما میں دیر ہو گئی تھی۔ یوں ہی آ کے پڑ گیا "

آوارہ صاحب کے یہ گنگا جمنی طور طریق بسو ے اس لئے بھی ہیں کہ معاشرے میں کچھ ناروائیاں ایسی ہوتی ہیں جن کو دور کرنے کے لئے ہمیں گدگدیوں کے بہانے چٹکیاں لینی پڑتی ہیں۔ ویسے بھی تو ہنسی کے ڈانڈے غصہ سے ملے

ہوئے ہیں، اور یہ قول حضرت عظمت اللہ خاں مرحوم "ہم اس لئے ہنستے ہیں کہ ہمیں غصہ آتا ہے" مگر آوارہ صاحب کچھ بھی لکھیں، کہیں بھی رہ کے لکھیں، آپ دیکھیں گے کہ کسی حال لکھنؤ سے دور نہیں ہوتے۔ یوں انھیں اودھ دیس کے ان جوہریوں میں سے سمجھئے جنھوں نے اردو کو ہیرے کی طرح پہل دار بنا کے اجالا ہے بلکہ زبان آوری کے معاملہ میں تو کبھی کبھی مجھے یہ ایسے ہٹیلے زرگر دکھائی دئے جو سونے کو آنچ دے دے کے اس طرح کندن بنائے کہ جھک سے ایک نیلا شعلہ بلند ہو اور نتیجہ میں کھوٹ رہے نہ کندن!

میں چاہتا ہوں اپنی صلاحیتوں کے ساتھ یہ شخص اردو کا مولیئر بن جائے اس میں ایک خاص مشاہدہ ہے، نیرنگ حیات کا تجربہ ہے، قوت آخذہ ہے، قدرت بیان ہے۔ چٹکیاں ہیں، گدگدیاں ہیں، مختصر یہ کہ بڑی آوارگی ہے دل پہ لے تو باتوں باتوں میں سوسائٹی کی وہ پول کھولے کہ چھوا دے، مگر آوارگی کا ایک حسن یہ بھی تو ہے کہ انسان بھاگا بھاگا پھرے، ہرجائی سا بنا رہے، وضع کے خلاف تھا کہ یہ بات یہاں نہ ہوتی۔ اس پر بھی مایوس نہیں ہوں، اپنے ڈھب پر لانے کی تاک میں ہوں۔ گرفت میں آ گیا تو خدا کی قسم نہیں چھوڑوں گا"

آرٹ کی تعریف میں شاید ہیگل نے کہیں کہا ہے کہ وہ "ایک ایسا مجسمہ ہے جس کے پیر تو زمین پر ٹکے ہوں اور منہ عرش کے روبرو عرفان سے دمکتا ہوا!" ادب بھی آرٹ ہے۔ ان معنوں مزاح کی سمت بھی نظر بلند رہنی چاہیئے۔ آپ ایسے ہنسیں جیسے "تارے مسکائیں"

کچھ دن ہوئے آوارہ صاحب نے بھی اپنی آوارگی کا ایسا ہی ایک ٹکڑا سنایا تھا جس میں ہنستے ہنستے زمین آسمان ایک کر دئے ہیں۔ اور جسے شاید آپ ان کے دوسرے حصہ میں دیکھیں۔ قصہ یہ تھا کہ ایک شخص ــــ رمضانی کو اللہ میاں

بلواتے ہیں۔ فرشتے آتے ہیں اور غلطی سے پورب کے ایک اور بڑے میاں کو جو اس
شخص کے ہم نام ہیں لے جاتے ہیں۔ رمضانی پرانی وضع کے آدمی، خرچی لیتے ہیں
ستو لیتے ہیں، گڑ لیتے ہیں، لٹھ لیتے ہیں، تمباکو لیتے ہیں، ناریل لیتے ہیں اور خیر
سے آسمانی سفر کو نکلتے ہیں، اور آسمان آسمان سیر کرتے چلے جاتے ہیں۔

ٹیپ کا بند قصہ کا وہ محل ہے جو حسن آوارگی کی جان ہے، اور جہاں رمضانی
یہ دیکھتے ہیں کہ ایک تخت بچھا ہے، جو ایسا دمکتا ہے جیسے سونے کا بنا ہو۔ اس میں ہیرے
موتی جگر جگر کر رہے ہیں۔ یہاں مخملی غالیچے پر "خدائے میاں" بیٹھے ہیں جن کی لانبی
داڑھی ہے۔ صورت آئینہ کہ مارے جوت کے آنکھ نہیں ٹھہرتی۔ ایک طرف روپوں
کے ڈھیر ہیں۔ دوسری طرف اناج کے کوٹھے بھرے ہیں، وہیں کہیں ایک پیڑھی
پر "بی خدائن" بھی بیٹھی ہیں — چندری کی اوڑھنی مشروع کا لہنگا، ہات میں
کڑے، پاؤں میں پیجن، ماتھے پہ بندی، مانگ میں سیندور، بھویں بھویں چرخہ
کات رہی ہیں، میاں رمضانی کو دیکھا تو گھونگھٹ نکال لیا اور جھٹ سے پیٹھ
موڑ لی"!!

۹ اسفندار ۱۳۵۳ ف — سید وزیر حسن دہلوی

دوچار باتیں

حضرت آوارہ کا ادبی ماحول لکھنؤ کا ہے۔ ان کے مضامین پر دلی والوں نے لکھا علی گڈھ والوں نے لکھا یہ معلوم نہ ہوسکا کہ مجھ سے کیوں لکھوایا جارہا ہے ؟ ویسے بھی مصنف سنے اپنی تحریروں میں اتنے صاف نظر آتے ہیں کہ ان سے زیادہ ان پر لکھنا فضول ہے۔ اب رہی یہ بات کہ ان کا لکھا ہوا کیا اثر رکھتا ہے اس پر لکھنا ہر پڑھنے والے کا حق ہے اس لئے دوچار باتیں عرض ہیں :۔

میں بسا اوقات یہ سوچتا رہتا ہوں کہ ادب کی دنیا میں انسان کا وہ دکھ درد کون سا ہے جسے وہ زبان کے چٹخارے لے کر یا کسی تشبیہہ اور تمثیل کی آڑ میں بہلانے کی کوشش کرتا ہے۔ سترھویں صدی عیسوی کے پہلے اہم مفکر ٹامس ہابس (Thomas Hobbs) سے لے کر بیسویں صدی کے ہنری برگسان (Henry Bargsan) اور ولیم میکڈوگل (W. Mac Dougall) خندہ کی نفسیات پر ہر بڑے مفکر نے غور کیا ہے اور یہ سمجھنے کی کوشش کی ہے کہ —— زخم جگر کے ٹانکے ٹوٹے ہنسی ہنسی میں —— تو کیونکر ؟ اور کس طرح ؟ مگر جتنا سوچتے رہیے اتنا ہی یہ ساگر اتھاہ ہوتا جاتا ہے۔

فرائیڈ نے اپنے انوکھے تجربات قلم بند کرتے ہوئے ایک بات خوب لکھی ہے

وہ کہتا ہے :-

"sense in nonsense transfarms nonsense into wit ..... the pleasure in nonsense, is in the seriausness of our life craunded back almost to the vanishing point"

(بے معنی میں معنی پیدا کئے جائیں تو بے معنی، ذہانت اور ظرافت میں مبدل ہو جاتا ہے، بے معنی میں جو لذت ہے وہ ہماری زندگی کی اسی سنجیدگی کی وجہ سے ہے جو گھٹ اور شدید ہوتے ہوتے نقطہ غیاب تک پہنچ گئی ہے) دوسری بات یہ ہے :-

"the thought which suints into the uncanscius far the purpase of wit-farmatian anly Revisits there the old homestead of the farmer playing with words the thought is put dack for the mament into the infantie state in arder to Rigain in this way childish pleasure sources"

(جو خیال تحت الشعور میں اس لئے ڈوب جاتا ہے کہ ظرافت بن جائے وہ الفاظ کا کھیل بن کر پھر اس کے ایوانوں میں واپس آتا ہے۔ خیال تھوڑی دیر کے لئے ایک طفلانہ حالت میں اس لئے لایا جاتا ہے کہ وہ طفولیت کی مسرت کے سرچشموں کو پھر سے حاصل کر لے)

حضرت آوارہ کی ہستی میں اسی انداز سے بے معنی کی معنویت اور خوابہائے

گم گشتہ کی طفلانہ یادداشت کی جھلک نظر آتی ہے۔

ہنری برگساں کا خیال ہے کہ جب انسان کے رجحانات، اشارے، اور حرکتیں مشین کی طرح ہو جاتی ہیں تو ان پر ہنسی آتی ہے۔ ایک جگہ وہ کہتا ہے :-

"any incidert is cawic that calls aur attention to the psychical in a per son when it is the maral side that is concerned"

(کوئی واقعہ اس وقت خندہ آور ہوتا ہے جب وہ کسی انسان کے اخلاقی پہلو سے متعلق ہو، لیکن ہماری توجہ کو اس کی لاشعوری اور نفسی کیفیت کی طرف منعطف کرے،

پھر وہ تکرار و تخالف پر بحث کرتا ہے یعنی جہاں باتیں اپنے فطری اصول سے ہٹ کر الٹ جاتی ہیں، اور اس کا اعادہ ہونے لگتا ہے اس وقت خندہ پیدا ہوتا ہے مثلاً ایک قیدی جج کے سامنے لیکچر دے یا بچہ ماں کو نصیحت کرنے لگے۔

حضرت آوارہ کی ظرافت میں انسانی مشین کا ذکر بھی ہے، لاشعوری کیفیت بھی ہے اور تکرار و تخالف بھی۔

ولیم میڈوگل نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ خندہ primitive یعنی ایسی ابتدائی ہم دردی پر مبنی ہے جو براہ راست نہ Passive Sympathy ہو، وہ صاف کہتا ہے -

"we laugh that we may not weep"

یعنی "ہم اس لئے ہنستے ہیں کہ ہم رو نہ سکیں" — میگڈوگل کا یہ نظریہ آوارہ صاحب کے ظریفانہ مضامین کی روح رواں معلوم ہوتا ہے، اصول کی جستجو کے ماسوا جب میں

من حیثیت الکل ان کے مضامین کو دیکھتا ہوں اور ان کی آوارگی کو ان کے دل کی چند آہوں میں ڈھونڈتا ہوں جو کتابی صورت میں آپ کے سامنے موجود ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چند ناکامیاں ہیں جو انھیں ہر آن بکھیرے رہتی ہیں اور ادب کی دنیا میں وہ ان سے تین طریقوں پر نمٹنے اور کھیلنے کی کوشش کرتے ہیں (۱) ہنستے ہیں اور ہنساتے ہیں (۲) منہ بناتے اور بہروپ لیتے ہیں (۳) ہنستے ہنستے بڑی زور سے چٹکی لیتے ہیں۔

نفسیات کا مسئلہ ہے کہ اور یہ تخیل اور اختراعی خیالات کا سرچشمہ انسان کی ناکامی اور کوئی نہ کوئی آرزوئے ناتمام ہوتی ہے۔ میں مصنف میں ایک قوت یہ دیکھتا ہوں کہ وہ کبھی بے ساختہ اور کبھی جان بوجھ کر بات میں سے بات پیدا کرتے چلے جاتے ہیں۔ پہلے ہی صفحے پر دیکھئے لکھتے ہیں۔

"رواج کہیے، یا قدرت کی وضعداری کہ برسات آئے تو ہیضہ پھوٹے، جاڑوں میں پلیگ سے پالا پڑے اور گرمی کے ساتھ ساتھ چیچک سے دو دو منہ ہوں۔

تقسیم عمل کے یہ کاروباری اصول برتتے ہوئے اپنی اپنی فصل پر یہ بیماریاں آتی ہیں اور انسانی آبادی سے حیثیت کے لائق اپنے حسن خدمت کا صلہ اصل معہ سود لے کر یتیم بچے، کچھ بیوائیں اور ان دونوں کے حاصل جمع کے مساوی مٹی کے چند تودے یادگار چھوڑ جاتی ہیں۔" (الکشن سے پہلے)

مصنف کی ہر جگہ یہی ادائیں ہیں اور اس لئے ہیں کہ ان کے پیچھے ایک آرزوئے ناتمام ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مزاح کے لئے یہ زبان سے بہت کھیلتے ہیں میں کہتا ہوں حشو و زوائد کو چھوڑیئے اور اس مقام کو دیکھئے جہاں ان کا دکھ درد دل

سے نکلے ہوئے الفاظ کی جلا پاتا ہے ــــ جھوٹ کے متعلق کہتے ہیں ــــ

"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عبرت کا مقام ہے کہ طوطن خامن کے مقبرے ادھڑے۔ گڑے مردے اکھڑے بال کی کھال نکلی، بلکہ کھال کے بال تک کھچ گئے اور ہم سوتے جاگوں اس کل جگ میں بھی کہ زمانہ سازگار اور گرد وپیش ہموار ہے، اسی نقطے پر گھوم رہے ہیں، جہاں سے چلے تھے اور جھوٹ سے عالم بنیدا انسٹی ٹیوشن کے بارے میں محض اتنی ہی منطقی دریافت کر سکے ہیں جتنی یادش بخیر حاجی لغلول نے اونٹ کی پیٹھ کے متعلق کی تھی یعنی "کچھ پیٹھ جو اونچی اونٹ کی، اونٹ کی اونچائی سے نہیں، ہئی پیٹھ اونچی اونٹ کی" اس افلاس اور نکمے پن کی دولت جو نہ ہونا تھا ہوا، یعنی جھوٹ کے پرانے حریف "سچ" نے موقعے سے فائدہ اٹھا کر ڈنکے کی چوٹ اولیت کا تاج اپنے سر پر اوندھا لیا، پھر جیسا کہ اس کی جنم گھٹی میں پڑا ہے کہ میٹھا میٹھا ہپ کڑوا کڑوا تھو" جھوٹ کو بھی شیطان کے سر تھوپ کر جلے دل کے پھپھولے پھوڑے اور ڈھول بجا بجا کے یہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ" میاں جھوٹ نفقے میں کیا دم درود تھا یہ تو یاروں کی ضد پر بلوایا گیا ہے اور بہروپیا ہے"

(یہ جھوٹ ہے)

دیکھا آپ نے؟ خیر و شر، کذب و حق کی آویزش کو کس دل جلے پن سے ادا کیا ہے؟ گوئٹے نے شیطان کی زبان سے کہلوایا تھا ــــ "نور ظلمت سے پیدا ہوا میرا وجود عدم محض ہے" سچ کے متعلق شاید سچ کہا گیا ہے ــــ

(Truth is a conspiracy of experts) (سچ ماہرین کی

ایک سازش ہے ! ""

آوارہ صاحب کا دکھ درد گہرا ہے، لیکن ان کی خوشی سطحی، ان کا خندہ ان کے دل کا چور ہے۔ اسی لیے میں انھیں ناکام کہنے پر مجبور ہوں، لیکن آوارہ صاحب ٹھانہ ہوں، ان کی یہ ناکامی ہے کام کی چیز! میں دیکھتا رہتا ہوں کہ یہ بسا اوقات آنکھیں بند کئے ہوئے چپ چاپ بیٹھے رہتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کوئی سادھو دھونی رمائے بیٹھا ہے اور کبھی کبھی ایک آنکھ کھول کر دنیا کو دیکھ لیتا ہے۔ گاہ گاہ یہ بھی دیکھتا ہوں کہ وہ ضرورت سے زیادہ چوکنے ہو کر چہکنے لگتے ہیں۔ یہ افراتفری کیا ہے؟ یہ ایک بے ساختگی ہے جو کسی گھٹے ہوئے جذبے کو آزاد کرنے کے لئے فطرتاً پیدا ہو جاتی ہے۔ آوارہ صاحب کے ایک علمی دوست کی حیثیت سے مجھے افسوس ہوتا ہے کہ یہ لکھنے کو تو بہت کچھ لکھ گئے ہیں، مگر وہ نہ لکھ سکے جو لکھنا چاہئے تھے، کبھی موسیقی کی چھیڑ کی۔ کبھی شعر و سخن کی بحثوں میں دخل در معقولات کئے، کبھی تمثیل نگار کی طرح قصہ کا ہلکا سا رنگ دے کر دلچسپ مکالمے قلم بند کئے، کبھی اپنی پچھلی زندگی کو دنیائے تخیل میں یاد کیا اور بے پر کی اڑائی۔ مگر ہر جگہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آسمان سے ایک تارہ ٹوٹا اور بجھ گیا،

اس ادبی کھیل کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ میرے نزدیک ایک تو یہ ہے کہ زندگی اور ستم ظریف زندگی نے انھیں آوارہ بنایا، دوسرے یہ کہ ان کی طبعی اپج بہ ہر حال اظہار اور نمود کا مناسب راستہ ڈھونڈتی رہی۔

شخصی طور پر مصنف کی دو ایک باتیں عجیب معلوم ہوتی ہیں، جو ان کی تحریروں میں بھی عجیب کا رنگ رکھتی ہیں ایک تو یہ کہ دنیا کی بڑی سی بڑی باتیں انکی ذات اور صفات میں اس طرح بیٹھ جاتی ہیں جس طرح کنوئیں کی تہ میں کنکر وہ ٹلچیال پی کر اس طرح گول ہو جاتے ہیں جیسے گونگے کا گڑ کھا لیا ہو، اور ان کا چہرہ بہ قول

ان کے "جذبات کی تعبیر بے نقط" معلوم ہونے لگتا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنی تحریر میں کبھی بے نقط سناتے ہیں، اور کبھی زہر خند کرنے لگتے ہیں۔ دوسرے ان میں ایک نسوانی محبت ہے جو ریجھتی اور رجھاتی ہے، یہ حسن کار کی ایک صفت ہے۔ وہ کبھی بڑی صاف دلی سے لوگوں کے قریب ہو جاتے ہیں اور کبھی "بھس میں چنگاری ڈال کے بی جمالو الگ کھڑی رہی" کے مصداق نظر آتے ہیں۔ ان میں ایک اضطراری کیفیت ہے۔ ذہین ہیں طباع ہیں، شوخ، بذلہ سنج اور صاف گو بھی ہیں، مگر پارے کی طرح غیر مستقل! معلوم نہیں قدرت نے انھیں اس قدر سیمابی کیوں بنایا ہے اور ادب میں وہ اتنے سہم کیوں جاتے ہیں؟

آوارہ صاحب کا کمال ان کی زبان ہے۔ یہ کہا گیا ہے کہ ان کی زبان لکھنؤ کی ٹکسالی زبان ہے۔ جدید ادبی ضرورت یہ سمجھتا ہوں کہ اس زمانے میں انشا پرداز مقامی رنگ، اور مخصوص زبان کے دائرے میں محصور نہ ہو، آوارہ صاحب محصور تو ہیں لیکن ان کی نگارش میں عالمگیریت کا ایک ہلکا سا عنصر ہے۔ ان کا ہر نقطہ و خیال زندگی کا ایک ادا کار ہے! شوخی بر جستگی، ترنم اور وضع داری ان کے الفاظ اور اسلوب تحریر میں لطف اٹھانے کی چیز ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آوارہ صاحب مولیئر کی کسی تمثیل میں کام کر رہے ہیں۔ گفتگو میں انھیں میں نے مصوری موسیقی، شاعری، رقص پر سلیقے کے ساتھ اظہار خیال کرتے ہوئے پایا۔ خصوصاً ان کا ذوق موسیقی پختہ نظر آیا۔ ان کی عربی فارسی کی قابلیت اچھی ہے، لیکن حضرت شاعر کی طرح اگر وہ شاعر نہیں، ہمیشہ ایسے چھپے ہوئے رہنا چاہتے ہیں جیسے اوڑھنی اوڑھے دبے پاؤں کوئی شام کے دھندلکے میں چلا آرہا ہو۔ وہ بظاہر ظرافت کی چاشنی اس طرح دیتے ہیں۔

.... اتنے میں دیوار کے ادھر سے ایک موٹے تازے

المست جنادری نے لال لال چقندر سامنے نکال کر نیچے جھانکا تو خالی میدان، آدمی نہ آدم زاد، ہو کا عالم ـــــ ناشتے کی فکر کچھ سیمابیت کا تقاضا۔ نہ رہا گیا، بدن کو تول آنگنی کو تھام، لٹکا ہی تھا جو تنے سے ایک بڑا سا پپڑا اکھڑا۔ گرفت چھوٹ گئی اور منو میاں بوکھلا کر گرتے ہیں تو گھڑونچی پر اڑڑڑ دھم!"

(بے پر کی)

لیکن یہ انکی نازک ساعتیں نہیں کمزور ساعتیں ہیں نہ نازک ساعتیں اس وقت پیدا ہوتی ہیں جب وہ ظرافت کے پردے میں طنز و تعریض کے نشتر سے چھبوتے ہیں۔ "گدھا کانفرنس پڑھ ڈالیے"، معلوم ہوگا کہ آوارہ صاحب نے کس شرارت کے ساتھ صدارتی تقریر فرمائی ہے۔ گدھوں کے سوانح بیان کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں:ـــــ

"غرض یہ تھے ہم، اور یوں ہی رہتے، اگر یہ آدمی کا بچہ ہمارے معاملات میں دخل در معقولات نہ بنتا، اور عقل کی لگائی بجھائی میں آکر ہم سے دشمنی نہ ٹھانتا، اس نے ہر چیز پر اپنا گر دا اٹھایا، جھاڑ پہاڑ کیڑے مکوڑوں تک اپنا گز سکہ چلایا، ہم گدھے تھے، ہم نے احتجاج کیا، اپنی پوری پوزیشن واضح کی، مگر آدمی جو آج تک خود نہ سمجھ سکا کہ "میں کیا ہوں" کیا جانتا کہ گدھے کون ہیں۔ پھر کیا ہوا ناگفتنی ہے۔ مختصراً ہم اڑے رہے کہ گدھے رہیں گے وہ مصر رہا کہ آدمیت سیکھنا ہوگی جدائی کی بنیادیں پڑ گئیں، علیحدگی کی دیواریں کھڑی ہو گئیں، رفتہ رفتہ ہم نے اپنی دنیا الگ بنالی اور اپنے رسم و رواج کو کلیجے سے لگائے ہوئے وہ کیا جو ایک گدھے کو کرنا چاہیئے تھا، یعنی آدمی اور اس کی گڑھی ہوئی آدمیت کو ـــــ "بھاری پتھر تھا چوم کر ـــــ چھوڑ دیا

اور ایسے ہو گئے کہ ؎

ان تلوں تیل ہی نہ تھا گویا　　　ہم سے کچھ میں ہی نہ تھا گویا

اس موقعہ پہ گدھا کانفرنس کے صدر کو شکسپیر کی زبان میں یہ کہنے کو جی چاہتا ہے

"Oh! a fool but what a wise fool!"

(آہ! بے وقوف، مگر کتنا عقل مند بے وقوف!)

سوال یہ ہے کہ آوارہ صاحب افسانہ لکھتے ہیں، یا مضمون؟ پلاٹ کی پیچیدگی، مسائل حیات کے الجھاؤ، تنوع۔ وحدت، ان سارے جھمیلوں سے الگ، سیدھے سادھے انداز سے اور آسانیوں کی راہ ڈھونڈتے ہوئے یہ اپنے دل کی بھڑاس نکالے جاتے ہیں۔ جھوٹ، آدمی، گدھا کانفرنس وغیرہ میں ان کا اسلوب کچھ ایسا ہی ہے۔ رہی کردار نگاری، وہ چند مخصوص نمونے پیش کرتے ہیں، جنھیں out of date کہئے تو غلط نہ ہوگا۔ مثلاً گیدا، مرزا، وغیرہ لیکن یہ زندہ نمونے ضرور ہیں، ان کے کامیاب مضمون "بے پر کی" میں جو مختلف وقتوں میں لکھا گیا، وقت اور زمانے کا دھارا ٹوٹتا گیا، لیکن خیال کا دھارا نہ ٹوٹ سکا۔ ادب کا طلسم ایسا ہی ہوتا ہے، اور ذوق ناکامی ایسا ہی دوامی

اس مضمون میں ہلکی سی داستان کا ایک ذخیرہ ہے، لیکن ان کے جملہ مضامین میں تکمیل اور مرکزیت کا رنگ کم ہے۔ وہ اپنے ادبی کارناموں کی مجہول وسعتوں کو چاروں طرف سے گھیرتے نہیں، سمیٹنے اور ترتیب دینے کی ان میں خو بو نہیں۔ ایک البیلے کی طرح وہ ادب کے وسیع میدان میں سیٹی بجاتے ہوئے چلے جاتے ہیں، لیکن ایسی سیٹی جس میں درد بھی ہو، اور طنز بھی۔ کون کہے گا کہ "آدمی" میں انھوں نے جو خاکے کھینچے ہیں وہ اس کی حماقتوں کے آئینے نہیں، لیکن ان میں ——— آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا ——— کا دل گداز نوحہ نہیں۔ میرا خیال ہے

کہ اگر خدا ان کی داستاں گوئی کی روح کو ایک تمثیل نگار کی روح میں مبدل کر دیتا تو اچھا ہوتا۔ لیکن ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا، کیونکہ ان کی خوشی، ان کی خوشی کب تھی جو وہ اسٹیج پر آ کر کھل کھیلنے کی ٹھان لیتے۔ اصل یہ ہے کہ آوارہ صاحب کے اندر خاموشی اور گویائی کی ایک عجیب کش مکش نظر آتی ہے۔ ان کا ایک کمال یہی ہے کہ وہ ادبی آنکھ مچولی کھیلتے رہیں۔ اور ساتھیوں سے کہتے رہیں "ابھی آنا نہیں"۔

۱۱ر اسفندار ۱۳۵۳ف ۶

محمد عبدالقیوم خاں باقی

نقد پر نقد

"جس طرح اصرار (یا .... ؟) کر کے میں آپ سے مضامین لکھوایا کرتا تھا، اسی طرح اب میرا اصرار ہے کہ آپ کے مضامین کو کتابی صورت میں بھی آپ سے مرتب کرا کے شائع کرا دوں۔ آوارگی گئی ایسی تیسی میں، آپ کا کیا ہے، کل کلاں کو رحلت فرما جائیں گے، تو اس ادبی اور قومی نقصان (؟) کا تاوان کون بھگتے گا، جلد از جلد مسودے روانہ کر دیجیے، تاکہ آپ کی ایک کتاب تو ہمارے ساتھ گور میں چلی جائے۔"

اللہ رکھے کچھ تو بی ملینڈ کی کو نعل بند ہونے کا شوق کچھ ـــــ کوڑھ میں کھاج ـــــ تابش دہلوی کی ستم کہ چڑھ جا بیٹا سولی پہ رام بھلی کرے گا، معنی یہ ہوئے کہ ایک بے معنی سا مجموعہ آپ کے پیش نظر ہے، دیکھیے، ادبی خرافات پر شاید آخری نفظ ہو،

ان بگارشات پر، اور ان کی لپیٹ میں خود مجھ پر یاران نکتہ داں اتنا لکھ چکے ہیں کہ اب تصنیف اور مصنف کے سلسلے میں میرا طبع آزمائی فرمانا "قوم" کی بولی میں.... جہانپلزم اور میرے نزدیک " دھیلے کی بڑھیا ٹکا سر منڈائی " ہے، رہا لمع کا روایتی

انکسار، اور ہیچ مدانی کا اظہار، اس سے کس کافر کو انکار ہے، البتہ بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اپنے نقاد اور ان کے پر خلوص فرمودات کا شکریہ نہ ادا کیا جائے۔ رشید صاحب جدید اردو ادب کے صناعوں میں اپنے لئے ایک امتیازی جگہ محفوظ کر چکے ہیں۔ اور اپنے انداز فکر و طرز نگارش کے بلا شرکت غیرے مالک ہیں، اور اگر میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں تو مجھے یہ کہنے کا قانونی حق حاصل ہے کہ علی گڑھ اسکول کی ادبی نمائندگی کا حق سب سے زیادہ انہی کو پہنچتا ہے، رابطہ ورسم کی بنا پر آج کی نہیں، ہمیشہ کی آرزو تھی کہ چاہے کچھ ہو، چڑیا جن گن ہی کی سہی، ہوگئی تو سب سے پہلے رشید کو چھیڑوں گا کہ لو بھئی پردیسی کی سوغات، دامن گل چیں میں کچھ کلیاں ہیں مرجھائی ہوئی۔ تمنا بر آئی اور رشید صاحب نے پچھلی گھورا گھاری کی یاد تازہ کر کے وہ دل چسپ پیش لفظ لکھا جو ابھی آپ نے پڑھا، حوصلہ افزائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں، کمزوریوں کا اعتراف ہے،

سید وزیر حسن دہلوی نے اپنی زبان آوری سے میری آوارگی پر دہ شوخ رنگ چڑھایا ہے کہ آوارگی آوارگی نہیں رہی آرٹ ہوگئی وہ بھی اس حد تک کہ اب اس کی سند سے میں اپنے کو سنگین ادبی جرم کے ارتکاب پر مجرمی پاتا ہوں،

سید صاحب "کھدائے میاں" پڑھ چکے ہیں، پھر جو اس کا حشر ہوا ان سے چھپا نہیں ہے کہ شاہد کے بہ قول خدانخواستہ " چھپ جاتا تو ناشر شہید ہو جاتا اس پر بھی مولئر بنانے کے دم داعیے ہیں تو بسم اللہ، قدرت بانجھ نہیں ہے "سانچے سلامت ہیں، مولئر بننا آسان، مگر قبلہ اتنا اور معلوم ہو جاتا کہ اس مہنگائی میں کھن توس والے " اے کلاس " کی سفارش کرنے والا سورما کون ہے؟!

اپنے فاضل دوست پروفیسر باقی کا تہ دل سے ممنون ہوں کہ انھوں نے

میری انشا کے خارجی اور داخلی دونوں پہلوؤں کو واضح کر کے ان نظریات کے تحت جانچا جن پر عصری تنقید کی بنیادیں قائم کی گئی ہیں اور جن پر کسے بغیر ادب کھوٹا اور ٹکسال باہر سمجھا جاتا ہے۔

علم و ادب کے معاملے میں باقیؔ صاحب فلاں ابن فلاں کے قائل نہیں، وہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر دینا جانتے ہیں اور اس بارے میں بڑے کٹر واقع ہوئے ہیں۔ زیرِ نظر مولفے ایک وقتی چیز اور خود میرے نزدیک کاغذ کے پھولوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے، ان پر دعوت تبصرہ دینا باقی کی قوت نظر کا منہ چڑانا تھا مگر آپ دیکھیں کہ انھوں نے کس خوب صورتی سے "بے معنی میں معنویت" پیدا کر دی وہ بھی محض لفاظی اور منہ زوری کے بل پر نہیں، بل کہ ان ضوابط کے تحت جو ادبی احتساب کے لئے اب بین الاقوامی طور پر تسلیم کئے جا چکے ہیں۔

جس طرح تل کی اوٹ پہاڑ ہوتا ہے اسی طرح باقیؔ صاحب کی "دو چار باتوں" کے پیچھے ایک آدھ بات ایسی پوشیدہ ہے جس کی وضاحت مجھ پر فرض تھی مگر چاہتا ہوں کہ ان کی اڑھائی ہوئی "اوڑھنی" میں کچھ دن اور گھونگھٹ کئے رہوں ابھی تو نامحرموں کی ڈھیٹ سے ڈر لگتا ہے!

باقی کی گوناگوں قابلیتوں میں سے ایک مصوری بھی ہے جس میں وہ (symbolic art) کے دلدادہ ہیں، ان کے حسن تخیل کا اثر آپ اس مجموعہ کے گرد پوش پر دیکھتے ہیں،

آرٹ ایک جذبہ ہے جس کا اظہار الفاظ کے ذریعہ کیا جائے تو شعر اور خطوط کے واسطے سے ہو تو تصویر، "بے پر کی" کا مفہوم شعر میں ممکن نہیں، خطوط کے ذریعہ بھی اتنا مشکل کہ آرٹسٹ پانی مانگے، باقیؔ کے خیال نے قیومؔ کے قلم سے وجود کا جامہ پہنا۔ سمجھنا اور داد دینا آپ کا کام ہے!

۱۱ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ

کردار

ملک الموت کی دُلہن

رات کے دس بجے، خدا خدا کر کے آخری جام، تیتر کے کباب، اور کل کے انتظار میں آج کا پروگرام ختم ...... گاڈ سیو دی کنگ !!

حواس گم تھا، تھک تھکے، پر عقل ناچ رہی تھی، جھومتا اٹھا، لڑکھڑاتا چلا اور فرش پر قدموں سے زنجیر سے بناتا ہوا پلنگ پر گرا تو دین دنیا سے غافل تھا۔

چونک پڑا،

جیسے کسی نے دستک دی ہو؟ پہلو کی کھڑکی کھلی تھی، نیم باز آنکھوں سے دیکھا پچھلے پہر کا نکھرا آسمان، جگمگاتے تارے، شبنمی فضا، اور کائنات کا ذرہ ذرہ محوِ خواب۔

پھر کسی نے دستک دی،

"اونہہ" بنی چاق کر کے دروازے کا ایک پٹ کھولا، مخروطی روشنی کے انتہائی خط پر کوئی کھڑا تھا،

کوئی کھڑا تھا، خاصا چھ فٹ کا آدمی، گولے دار پگڑی، بڑے گھیر کا جامہ،

جس کے گریبان پر سوپ سے بڑی سفید براق ڈاڑھی ہلکی ہوا میں ایسے لہرا رہی تھی جیسے صلیح کے جھنڈے کا پھریرا" اور یہ سب کچھ مٹی پانی، ہڈی گوشت کا نہیں بلکہ انسانی پیکر میں، آدمی کے سانچے میں ڈھلا ہوا دھواں، یا دھنکی ہوئی روئی یا پھر بادل .... غول بیابانی! ورنہ پی ہوئی نظر!

"کون ہو؟" میں نے جی کڑا کر کے کہا۔ "اور کیا چاہتے ہو؟" منہ پھیر کر کہا، چہرے کی ہر جنبش میں طعن تھا،

"غافل! زندگی کے نشے میں بھرپور ہے"۔ پھر متانت سے میری طرف دیکھا "تمھاری سطحی دنیا اپنی گڑھی ہوئی عرفیتوں سے مجھے زیادہ تر یاد کرتی ہے، مثلاً دق سل، ٹائیفائڈ، پلیگ، ہیضہ، کالا بخار وغیرہ، اسی طرح کی اور ہزاروں، کہاں تک گناؤں"۔

میں نے کہا اور طیش میں آکر کہا "آدھی رات کو، میٹھی نیند کی گود سے اٹھا کر مجھے امراض کی یہ طویل فہرست سنانے آئے ہو، تم آدمی ہو یا قرابادین؟ میں تمہارا نام پوچھتا ہوں نام"۔

بڈھے نے اپنا سیدھا ہاتھ میری طرف بڑھایا "آپ کی جلد بازی پر ماتم کرنا پڑا، یہ دیکھیے"۔ سفید اور چوڑی ہتھیلی پر تیز سیاہی سے نقش کیا ہوا ایک انسانی ڈھانچا! وہی ہڈیوں کی مالا، وہی ڈراؤنی بتیسی، وہی بے دیدوں کے خالی گڑھے!

"معاذاللہ" میں نے کہا "تمہارا تمسخر زیادہ سنجیدہ ہوتا جارہا ہے، اور میرے لئے ناقابل برداشت"۔

"اچھا نہ سہی، تو یہ لیجیے میرا تعارف نامہ" چکنے کارڈ پر جلی حرفوں میں لکھا

تھا، .... "ملک الموت"!

پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا اور ضبط امکان سے خارج سرہانے سے اٹھا کر چاہتا تھا کہ .... مگر چھڑی .... گرفت میں کھاپ سی نکلی اور ہوا میں جذب ہو کر رہ گئی،

نشہ کافور، خون منجمد، دم بند، ہات پاؤں شل، بڈھے کی آنکھوں میں بجلیاں کوندرہی تھیں، میں نے بیٹھی ہوئی آواز سے کہا " تو آپ ...... آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں ؟"

تین لفظوں کا روکھا جواب ملا " تمہارا قبض روح !"

" مگر جب کہ میں بھی اس پر تیار ہوں، کیا مجھ سے بہتر سب مر گئے ؟ میں جوان ہوں، تنومند ہوں، یہ جوانا مرگ نہایت بے تکی ہوگی اور آپ کی بدنامی کا باعث "۔

قابض ارواح نے کہا، فیصلہ کن لہجے میں کہا " چند لمحے باقی ہیں جتنی چاہو بکواس کر لو۔"

" مگر مردِ خدا، یہ بھی تو دیکھو کہ کل دفتر کا دن ہے، صاحب کی میز پر مسلوں کے انبار لگے ہیں، مجھے ان کا تصفیہ کرانا ہے، حقوق کا معاملہ ہے، ایک مہربان کے سو روپے لئے بیٹھا ہوں، آپ کے ہاں رشوت، میرے نزدیک حساب دوستاں یا حق المحنت ان کی تاریخ ولادت دو چار سال گھٹا کر صاحب سے توثیق کرانا ہے ایک دوست ہیں، غریب سے سہواً تین سو کا غبن ہو گیا ہے، وہ معاف کرانا ہے اس کام میں صرف پچاس روپے ملا ہے، صاحب نہایت شریف حاکم ہیں منصف مزاج اور رحم دل ......"

بات کاٹ دی گئی، قاطع ارواح نے کہا "اعمال صالح ہیں اور زادِ آخرت مناسب، چلو دیر ہوتی ہے" زچ ہو کر میں نے ایک تجویز پیش کی "اگر فی الحقیقت مجھے مرنا ہی ہے تو ایک شرط پہ راضی ہوں کہ پس مرگ زیادہ نہیں، تین دن کی جگ بیتی کا مشاہدہ کرنے دیجئے"۔

"کیا کہا تین دن؟ سنو ہم پابندِ رضا حکم کے بندے ہیں، اب عرض معروض کا وقت نہیں رہا" میں نے ذرا طنز سے کہا "سنتا ہوں خدائی کارخانے بہت اَپ ٹو ڈیٹ ہیں، کیا آپ کے ہاں لاسلکی نہیں ہے؟ اور ہاں آپ تو وہاں کے گزیٹیڈ آفیسر ہیں بکار سرکار پیغام بھیج سکتے ہیں"۔

"ہاں ہمارا لاسلکی تمہاری طرح برق و باد کا غلام نہیں، موجودات کا ہر ذرہ ہمارا پیامبر ہے۔ . . . . . چلو اجازت مبارک، جی بھر کے سیر کرنا" جامہ کی تہوں میں ٹٹول کر کچھ نکالا، "لو ہماری حدت کا ایک ادنیٰ سا کرشمہ دیکھو، یہ "ملک الموت کی دوربین" ہے اور سطحیات سے گزر کر تم کو حقائق کا مشاہدہ کرائے گی"۔ آخری الفاظ کانوں میں سنسنائے اور میرا وجود عدم سے بدل گیا، اب صبح تھی اور میں تعینات کی قیود سے آزاد!

پلنگ پہ دوشالہ پڑی میت رکھی تھی، دو چار صبح خیز پڑوسی دروازے پر کھڑے تھے، دیوان خانے میں صفِ ماتم بچھائے، سر جھکائے، منہ سکھائے، صاحبزادے آنید روندے پرسالے رہے تھے، اتنے میں پڑوسی سعادت خاں آئے، عینک کے گول شیشے گرم آنسوؤں کی بھاپ سے ماند پڑ گئے تھے، لڑکے کے سر پہ پیار سے ہات رکھا اور کہنے لگے "ہونیوالی بات تھی ہو چکی، بابا دیر نہ کرو، دفتر کا دن ہے لوگ شریک نہ ہو سکیں گے"۔

"ہاں خاں صاحب میں تیار ہوں، دس بجے تک فراغت ہو جائے گی۔"

مولوی فیروز علی بولے "کیا کفن دفن آگیا؟"

"مولوی صاحب سنئے مرگِ ناگہاں مساوی ہے شہادت کے، شہید کفن سے مستثنیٰ، لہٰذا تکفین نہ صرف فعلِ عبث اور اسراف، بلکہ غیر منطقی۔"

خاں صاحب نے یہ "مالا بد" سنی تو، گر سمجھے خاک "میاں یہ نئی روشنی کا علم ہے، ہم کیا جانیں، ہماری دوڑ تو سول سروس ریگولیشنز اور اکونٹنٹ جنرل کے گشتی احکام تک ہی ہے۔ ان مولوی صاحب سے کہو۔"

مولوی صاحب نے کہا "ہاں بھیا کوئی امر خلاف سنت نہ ہونا چاہیے۔"

"اے قبلہ، فرض و سنت کا اب تقوم پارینہ میں شمار ہوتا ہے، زمانہ اپنا پرانا چولا بدل چکا، آپ خطا معاف اولڈ فیشن کے باقیات الصالحات ہیں، ان مہوزی مسائل کو نہ سمجھیں گے،

میں نے حکومت کو اس واقعہ، فاجعہ کا تار دیدیا ہے جواب کا انتظار ہے، آتے ہی ...."

"میاں میں سمجھا نہیں، وہ تو کسی کے لئے دے میں نہ تھے، حکومت کو کسی کے مرنے جینے سے واسطہ؟" خاں صاحب نے کہا۔

مولوی صاحب نے سوال کیا "لاٹ صاحب کو دیا ہوگا؟"

"جی ہاں، پھر حکومت لاٹ صاحب کا نام نہیں تو کس کا ہے؟ بات یہ ہے، مرحوم اوائل عمر ہی سے ایک خودساختہ بلکہ بے ساختہ لیڈر رہتے اور ان کی ارواح سے معافی چاہ کر آج یہ راز فاش کرتا ہوں کہ حکومت کے ایما سے ہز مجسٹی کی آنے والی سالگرہ کے موقعہ پر بین الاقوامی لیڈر تسلیم کئے جانے والے تھے، ان کی رحلت سرکاری نقصان ہے، اسی کا مجھے خیال ہوا اب آپ تشریف رکھیں میں دو لقمے ناشتہ کرلوں تو کچھ

سینما میں دیر ہو گئی تھی، یوں ہی آ کے پڑ گیا۔"

میت اٹھی، اور پڑوس کے قبرستان میں اول منزل پہنچا دی گئی۔ ارادہ تھا کہ ذرا دم لے کر اس ڈیڑھ گزی کوٹھری سے نکلوں اور دور بین کی کرامات دیکھوں کہ خدا جانے کدھر سے دو بزرگوار دندناتے ہوئے اپنی کیٹ سے بالکل کورے، نہ دعا نہ سلام، خیریت نہ خیر سلا، حکمانہ انداز سے کہنے لگے "چلو اٹھو تم سے دو باتیں کرنا ہیں" میں نے کہا "دو نہیں چار" کڑک کر پوچھا "تمہارا معبود کون تھا؟" "عجیب سوال!"

"یہ میرے خانگی معاملات ہیں آپ کو سوال کا حق؟ کوئی بھی تھا، آپ کون؟"

کہنے لگے "کبھی نکیرین برادرز کا بھی نام سنا تھا؟"

"سنا تو تھا، اور اگر آپ ہی ہیں تو معاف کیجیے گا قائل نہ تھا۔"

"اب تو ہو گئے، بتاؤ تمہارا معبود کون تھا؟"

میں نے کہا "یار دراصل یہ ہے کہ ایک ہو تو بتاؤں، میں نے تو سینکڑوں کے آگے گردن جھکائی، ہزاروں کو سجدہ کیا۔"

اتنا ہی سنا کہ "دونوں جہان کا خسارہ" اور دونوں ناپید ہو گئے۔

یہ تو ایک ضمنی بات تھی، اب میں قبر کے سلیپنگ سوٹ میں برآمد ہوا اور سیدھا گھر آیا عجیب کیفیت تھی، بدھی، لٹ بکھری ساس، پوپلے منہ میں پن کٹی کا پان، دونوں ہاتھ بچھے ہوئے سے پیک بہتی ہوئی، دوپٹہ ندارد، اثاث البیت پھیلائے بیٹھی تھی گویا کہ آج میری گاڑھی کمائی کی نمائش کا پہلا روز تھا، کپڑے، زیور اور گرہستی کا سامان کیا پھیلا تھا ایک مینا بازار لگا تھا، بھاری جوڑوں میں سے ہلکے چھانٹے جا رہے تھے، جڑاؤ اور سادے زیور الگ کچھ پوٹلیوں میں کچھ صندوق میں بند ہو رہے تھے،

دوربین کا پٹیس منظر بدلا' بی گھربسی سامنے آگئیں' سفید دوپٹہ سر سے ڈھلکائے کرسی پر کھڑی پس دیوار کسی سے باتیں کر رہی تھیں' میں نے کہا "بیگم" پلٹ کر دیکھا آنکھیں پھٹ گئیں' منہ کھل گیا۔

"کون تم؟ لڑکے کے باپ!"

"ہاں میں ہوں۔"

"اوئی اللہ یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں؟"

"تم اسے دیکھ رہی ہو جس کو شرع نے قانون نے' تمہارے ماں باپ نے قاضی کی معرفت' ایک وکیل اور دو گواہوں کے بیان پر' ٹوکری بھر چھوہارے اور عمر بھر کے نان نفقے کے ساتھ میرے گلے باندھا تھا۔"

"تو تم سچ مچ زندہ ہو' تمہارے سر کی قسم جب میرا اچھا ہوا دھنک ٹکا گلابی دوپٹہ اتار اگیا اور یہ منڈی کا سفید جھنا اوڑھنے کو ملا' اور بنارسی چوڑیوں کا جوڑا پھوڑ کر ہاتھ ننگے بچے کئے گئے ناک کا پھول' گلے کا چندن ہار' بڑھایا گیا تو تمہارے سر کی قسم' میں نے تمہارے مرنے کو بہت کوسا۔"

"مگر یہ تو کہو" میں نے کہا "میرا یہ عاقبتی جوڑا میلا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ نامحرم گھر سے اس بے باکی سے مخاطب' پردے کا خیال نہ پوشیدے کا دھیان!"

بیگم کی آنکھیں جھکنے لگیں' ہر نگاہ میں ایک طعنہ تھا'

"پردہ! پوشیدہ؟ کیوں سناؤں کھری کھری؟ وہ دن یاد ہے جب موٹر میں چوک ہوتے ہوئے مجھے ناٹک لے گئے تھے' کھلے بندوں' مجھے دیکھ کر ایک شوخ چشم نے آنکھ ماری تھی' اور چھالی کوئی ٹھی' یاد ہے کہ تم سے شکوہ کرنے پر جواب ملا تھا کہ اس کو اپنے فعل کا اختیار ہے' وہ دن بھول گئے جب اس پچھل پیری کے جلسے میں لے گئے تھے جو بچے پیدا کرنے کے خلاف لکچر دیتی پھرتی تھی مجھے کوچ پہ بٹھا کر

خود کسی فرنگی سے باتیں کرنے چلے گئے تھے اور میرے برابر ایک گبرو نواب کو چھوڑ گئے تھے جو عینک لگائے مونچھیں چڑھائے بیٹھے تھے، تھانے سے تھانہ چھل رہا تھا، میں کسمسائی بھی تو تم نے چچا سعدی کا مصرع پڑھا تھا کہ "بنی آدم اعضائے یک دیگر اند" اور کہوں؟ میں نے پوچھا "صاحب زادے؟" بولیں "کہتے تھے کہ قرآن خوانی کے لیے باوا کے مزار پہ جاتا ہوں" .... میں بیگم کی نظروں سے نما ہو گیا۔

اخاہ! دو گہرے دوست!

"ارماں غضب ہو گیا، سنا خدا بخش میاں ...... صاحب گزر گئے؟"

ہاں گزر گئے اور ایکا ایکی مر گئے۔"

"میت میں گئے تھے؟"

"نہیں بھئی، جانتے ہو کہ درگاہ والوں سے کنکوے کا میدان بدا ہے دو روز سے لگدی پڑی سڑ رہی تھی، میں نے کہا دو چار ریل انچھا ہی سونت لوں اور یار اصل یہ ہے کہ زندہ اور مردے کا کیا ساتھ دوستی ساری سانس کی ہے، بندہ اس کا قائل ہے، یہ ضرور ہے کہ روز روز کی کشمیری چار اور نیم برشت انڈوں پہ فاتحہ پڑھ لی عجب لت تھی مرحوم کو کہ جب تک یار نہ ہوں کھانا پینا حرام سمجھتے تھے، سینما ہے تو میاں خدا بخش ساتھ ڈٹے ہوئے، ناٹک ہے تو میاں خدا بخش ہمراہ گٹھے ہوئے، ناک میں دم آجاتا تھا، واللہ، مگر نوازش، تم بھی تو شاید شریک نہیں ہوئے؟ بے مروت کہیں کے، یقین مانو جب میت گئی ہے آنکھیں آسمان پہ تھیں اور دل میت میں، تین چار نئے کبوتر گھٹے ہیں، ٹکڑی میں ملا رہا ہوں نہیں تو بھٹک جائیں گے۔"

منظر بدل گیا، شہر کے ایک مشہور وکیل کی کوٹھی، تخلیہ، میز پہ آمنے سامنے صاحبزادے

اور وکیل، بیچ میں میرا فولی نامہ، شیر سرٹیفکٹ، سیونگ بنک کی پاس بک، ضابطہ دیوانی امیر علی کا محمڈن لا، کھلا پڑا تھا، خود وکیل صاحب آئی گلاس سے ایک دستاویز دیکھ رہے تھے، میرا وصیت نامہ ایک طرف کانچ کی شیشی اور دو چار مو قلم پڑے تھے ناگہاں انھوں نے سر اٹھایا مسکرائے اور اطمینان کی گہری سانس لی، چہرہ سرخ ہو گیا۔

"زندہ باد کیمسٹری! پائندہ باد مغرب! دستاویز بن گئی، فن اور اس کا یہ خادم! یوروپ یوروپ! جناب کو دولت مبارک!"

صاحبزادے نے دستاویز لے لی،

"واقعی ہات چوم لے وکیل صاحب آپ کے بہت خوب! والدہ کے نام پانسو کے پچاس رہ گئے، کمال! کمال! غضب خدا کا چھوٹے کو برابر کا حصہ! اس سے بھی پچاس! بہت مناسب بالکل صحیح! اماں کے پاندان کا خرچ پچاس روپے؟ ہونہہ اب صرف پانچ، وہ بھی زیادہ! وکیل صاحب شکریہ شکریہ شکریہ!!"

اہوہ! دفتر! وہی روز کی چہل پہل، وہی روز کی گھماگھمی، میری میز خالی پڑی تھی، البتہ کرسی پر اردلی کا چپراسی بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا، چھوٹے صاحب حسب معمول پائپ دبائے کلرکوں کا پراسا منے جمائے انانیت کا ڈھول بجا رہے تھے،

بڑے صاحب کے روبرو میری اسامی کی خانہ پری کے لیے، درخواستوں کا ڈھیر لگا تھا۔ "فدوی کا نال اسی آفس میں گڑا تھا، لہذا . . . .

"خانہ زاد کے باپ، دادا، پردادا، سب اسی دفتر کے ملازم تھے، پس . . . . .

"غلام میٹرک نہیں ہے مگر، . . . .

"کمترین کے نانا غدر میں خیر خواہ سرکار رہے، اس لئے . . . . . ایک عرضی تھی، خارجاً" مسموع ہوا کہ . . . . صاحب نے بہ قضائے الہٰی، یا بہ ارادۂ خود، یا ہر دو، اس عالم فانی سے کوچ کیا، خاکسار کا تقرر فرمایا جائے"!!

صاحب نے تجویز لکھی "واقعۂ مرگ تازہ ہے، بعد فاتحہ سیوم پیش ہو۔"

پڑوس کی مسجد میں فاتحہ سیوم کا اہتمام تھا، پیش امام صاحب نے اس پبلک فنکشن کے سلسلے میں آج نمازِ فجر فل ڈریس میں ادا کی تھی اور اس وقت یتیم خانہ کے بچوں کی چنے خوانی میں رہنمائی کر رہے تھے، خود چنے یا تو مفشر ہو کر ہمراہ نقل بتیریں ہضم ثانی کی منازل طے کر رہے تھے، یا پھر بے کھٹکے ایک ایک گرہ کر چنے خوانوں کے آگے ڈھیر ہو رہے تھے دو تین حافظ جی، ایک قاری صاحب کی زیر کمان تھوڑے تھوڑے وقفے سے عُون، اون، کی کھینچ تان میں منہمک تھے، چند خوش پوش مسجد کے پشتے پر بیٹھے اس سوچ میں جمائیاں لے رہے تھے کہ یہ نقل کب ختم ہو، کب ڈراپ سین گرے اور ہم صبح کے ناشتہ سے کب فارغ ہوں دفعتًا دوربین ناپید ہو گئی اور چاروں طرف تاریکی چھا گئی، آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ٹائم پیس نے رات کے پورے بارہ بجائے ہیں اور وقت کی آہنی زبان کہہ رہی ہے کہ بس کر آوارہ بس کر،

"شعر بازی" موجودہ مشاعرہ نوازی پر نہایت لطیف طنز ہے"

"ساقی"

شعر بازی

کیا خیال ہے؟ یہ جو حکیم لوگ موتی مونگے کے نام سے کنکر پتھر کھلا کر ایک ہنگامہ برپا کرتے رہتے ہیں کہ دل کو یوں تفریح ہوتی ہے، دماغ میں وہ ولولہ جو جولانی آتی ہے، سچ پوچھئے تو ہم برملا کہہ دیں کہ قبلہ یہ ہیں سب رئیسوں کے چونچلے اور ان حکیم جیوں کے ڈھکوسلے۔ اپنے مزے سے کھائیے تر تراتا قورمہ اور گیہوں کی ورقی چپاتیاں پھر کلی غرارہ کر کے کلے میں گلوری دبا، بچھونے پہ دراز ہو، آنکھیں موند عظیم اللہ خاں کے گرما گرم اپنے دورے کے خمیرے کے چار چھ کش لیجیے پھر دیکھیے عقل شریف کیا کیا قلابیں مارتی ہے اور ذہن مبارک کیسی کیسی چوکڑیاں بھرتا ہے۔

چنانچہ اسی عالم میں یہ شگوفہ کھلا۔ دل نے کہا کہ اماں بہت دن سے شعر بازی نہیں ہوئی۔ کیا اب کی چاندنیاں یوں ہی کوری کٹ جائیں گی؟ فوراً دعوت نامے کا مضمون گانٹھا اور یاران طریقت کے نام چلتا کیا۔ اب آپ کی دعا سے شعر بازی ہے جس کی روداد تو بعد کو سنئے گا پہلے دعوت کا یہ بے تکلف رقعہ قبول فرمائیے۔

طرح ندارد، ردیف لقط قافیہ سوختہ دو تین شعر سنائیے اور مسند خالی کی، سرقے کی اجازت عام بشرطیکہ توارد کے نام سے ہو اور سرقہ لانے والا اتنا پابند وضع کہ روایت

درایت، سماعت، بصارت سب بالائے طاق۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈالے تو ارد کیے جائیے۔ خاکسار اپنی مالی کمزوری کے اعتبار سے اس بار وارد ین کرام کے خورونوش، زادِ راہ، یا دیگر حوائج ضروری کا انتظام نہ کر سکے گا۔ البتہ جوتیوں کا تا بہ امکان ذمہ دار ہو گا۔

گھر کے مختصر صحن میں پھرکاؤ، دری چاندنی کا فرش، صدر میں مسند اس پر ایک تکیے، صاحب قبلہ، خاصدان میں بسی ہوئی گلوریاں ہمراہ اگالدان، کوری صراحیاں ٹھنڈا پانی، یہ تھا ہماری "شعر بازی" کا اہتمام، ادھر آٹھ کا گجر بجا ادھر خوش فکرے ٹپکنے لگے۔

بساط بچھ چکی تھی، ہرے اپنے خانوں میں ڈٹے ہوئے تھے، فکر یہ تھی کہ شعر بازی شروع کہاں سے ہو۔ دفعتاً کھٹ پٹ کی صدا اور کسی کی آمد نے بزم کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

جل تو جلال تو! یاجوج ماجوج تو دو ہی عدد سے تھے، یہ ثالث بالخیر کون نازل ہوئے ماشاء اللہ سے چاروں ضلع برابر پورے چھ فٹ کے دیو ہیکل بزرگ، سر پہ شملہ بمقدار علم، نین سکھ کا سفید نیچا کرتہ، خدا جھوٹ نہ بلائے تو کوئی دس بارہ گز گاڑھے کا پٹکا کمر سے لپٹا ہوا۔ ہاتھ میں ایک الغربہ تنبیہ الغافلین، جسے دیکھ کر کٹر سے کٹر مولوی کو بھی تپ چڑھے یہ بڑی اور نہایت بے تحاشا داڑھی، آنکھوں پہ کمانی ٹوٹی بینی ٹیڑھی عینک، ایک شیشہ بھوں پہ چڑھا ہوا، دوسرا کھسک کر رخسار کی ہڈی پہ ٹکا ہوا، موٹے دھاگے کی پچھاڑی سے کانوں میں اٹکی ہوئی۔ پان کی مسلسل جگالی کرتے جس سے کوئی ایک چوتھائی محاسن شریف حنا آلود۔

گرج کر کہا" سلام علیکم۔ یہ شعروں کی بازی کدھر ہے، کب شروع ہوگی، شعر باں کون ہے؟ ایں۔

یہ" ایں" کچھ اس جھٹکے سے صادر ہوا کہ چلتے چلتے ہماری نبض نے ایک سکندری کھائی اور زندگی کے آثار جب دوبارہ نمودار ہوئے ہیں تو دکھائی دیا کہ مسند پہ حضرت ہی حضرت رکھے ہوئے ہیں ڈرتے ڈرتے عرض کیا" شعر بازی یہیں ہے قبلہ ہی اس کے بادی ہوں گے اور شعر باں بھی ہیچمدان ہے حضرت کا اسم گرامی؟"

" حاجی عبدالقدوس، تخلص حاجی، گاہے حاجی جی، بہر حال حسب ضرورت اور وزن و شعر کا لحاظ کرتے ہوئے۔ جی! اور۔ ہاں ساکن عظیم آباد۔"

یہ "جی" اور "ایں" گویا تکیہ کلام کا دونالا پستول تھا جو بار بار غریب مخاطب پہ فیر ہوتا رہتا، ساری بزم ابھی چہ کنم ہی میں تھی کہ حاجی جی نے نہایت بولشویک انداز سے فرمایا" شمع لاؤ ہم شعر پڑھیں گے اور دیکھو ہم شمس العلما بھی ہیں۔ خاص گورنمنٹی شمس العلما جی۔"

"قبلہ یہ سوسوبتی کے چار برقی قمقمے آپ کے ملاحظہ سے شاید نہیں گزرے؟"

بگڑ گئے اور فرمایا" بغیر شمع کے شاعری حرام ابن حرام ہے ایں!۔"

ان کے تیور اور قہقہہ سے مرعوب ہوکر پڑوسی بنیے کی دکان سے کاٹ کا ڈیوٹ منگوایا اور میٹھے تیل کا دیا جلا کر حاجی جی کے آگے رکھ دیا گیا۔

حاجی جی سنبھلے، کھنکارے اور ریش بیضا کے ٹھوس اور دو رخے گردے میں پنجے سے زیر و بالا خلال کرکے عینک کے اوپر سے چاروں طرف بزم کو دیکھا اور غزل شروع ہوگئی۔

"پڑھوں؟ دیکھو پہلے پہلا شعر پڑھتا ہوں۔ سنو۔

" تم۔ تم یعنی معشوق۔ جی۔ خطاب مجھ سے تو ہیں بھی علیٰ ہذا القیاس" گردن ہلا کر

"آپ کی خو ہے وہی میری علیٰ ہٰذا القیاس"۔ سلام لیکم، سلاما لیکم"۔

قافیہ پہ بزم میں ایک ہڑبونگ مچ گئی حاجی صاحب نے دوسرا شعر شر کیا :-

"تم جو کہتے ہو۔ کیا کہتے ہو؟ کہ تجھ سے کچھ غرض ہم کو نہیں" تو حاجی جی کہتے ہیں۔

"ہم کو کب پروا ہے اب تیری علیٰ ہٰذا القیاس"۔۔۔۔ جی"

"کون تو ہے۔ فاعلاتن، رامیں تیرا۔ فاعلاتن، کون جو تم۔ فاعلاتن، کہتے ہو فاعلن

دیکھو میں شمس العلماء بھی ہوں اور کیا جواب دیتا ہوں"۔

"کچھ مرے بھی دل میں اب سوجھی علیٰ ہٰذا القیاس، دیکھا؟ سلاما لیکم! کیوں بھائیو

میعاد باقی ہو تو ایک شعر معاملے کا اور ہے"۔

سب نے بیک زبان ہو کر کہا کہ "قبلہ آپ کو تو معافی دوام بہ عبور دریائے شعر

ہے۔ ارشاد"۔

"بیٹھتے ہیں جس طرح نزدیک تیرے آکے غیر، اب یہاں سے معاملہ شروع ہوتا

ہے"۔

"ہوگا" "آنکھ مار کے" "میرے پاس بھی کوئی علیٰ ہٰذا القیاس"۔ ہے کہ نہیں؟ ایں!

"مقطع لکھا ہے۔ پوچھتے کیا ہو۔ ارے۔ پوچھتے کیا ہو میاں حاجی نے دل کو

جس طرح، اس میں حاجی جی نہیں کہا تو وجہ کیا کہ وزن سے گرتا ہے، پھر سے سنو۔

پوچھتے کیا ہو میاں حاجی نے دل کو جس طرح" "کھو دیا تھا جان بھی کھو دی علیٰ ہٰذا القیاس"

غزل ختم ہوئی، محفل تہ و بالا تھی، حاجی جی نے ناس کی ایک موٹی چٹکی سے جبینِ

پاک کو ہلکا مسہل دیا اور مسند چھوڑ کر نہایت شمس العلمایانہ بردباری سے گویا کہ شعر،

مشاعرہ اور خود میر مشاعرہ سب پر ان کی یکساں حکومت تھی، بزم کا فرداً فرداً نظری جائزہ

لینا شروع کر دیا۔

اب ایک اور صاحب رونق مسند ہوئے۔ ورزش کا کمایا ہوا بدن، اس پہ نیچی چولی کا پھنسا پھنسا جامدانی کا انگرکھا، تنگ مہری کا شرعی پیجامہ، سر پہ عرق چیں کی قدِ جیا ٹوپی، دولت خانہ بقول تبرع :- ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے۔" دلی" گاؤ تکیہ کھینچ کہ پہلو میں لے لیا۔ اس پہ کہنی ٹیک کہ بہ صد تمکنت اہلِ بزم کی طرف دیکھا " تبرکاً حضرت استاد کا ایک شعر سناؤں گا۔ فرماتے ہیں اور ایمان کی تو یہ ہے کہ انھیں کا حصہ ہے۔

میں جھوٹا اور بات مری، تم سچے اور قاصد سچا، بزم نے مصرع اٹھایا :-

میں جھوٹا اور بات مری، تم سچے اور قاصد سچا،

" طنز ملاحظہ ہو اور ثبوت کتنا لاجواب کہ سبحان اللہ۔

میں جھوٹا اور بات مری، تم سچے اور قاصد سچا۔

پہ یہ لفافے حاضر ہیں خط جن جن کو ملفوف ہوئے "!

محفل میں کہرام مچ گیا، سبحان اللہ واہ وا کے دونگڑے برس گئے۔

" اس جواہر پارے کے بعد میرے شعر خذف ریزے معلوم ہوں گے۔ فقط تعمیل ارشاد ہے "!

پھر نہایت رس بھرے گلے سے مزے لے کر ؎

نہ رکھا پیرہن میں پنجۂ وحشت نے کچھ باقی

بس اک دامن کہ ہے آزردۂ مشقِ جنوں وہ بھی

دوسری زمین کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔ سادگی اور بلندی کی داد دیئے بغیر نہ رہوں گا ؎

ہر ایک جلوہ نظر فریبی ہے، وہ اگر دلنشیں نہیں ہیں، اور حضور کہیں نہیں جو یہاں نہیں وہ، یہاں نہیں تو کہیں نہیں ہیں۔

اس پہ لوگوں نے کہا کہ " حضرت خدا کے لئے اور۔ آپ نے تو دلوں میں آگ

لگا دی"۔ حاجی صاحب نے داد دی "شاعر ہیں کہ ارگن باجا۔ طبلے سارنگی کی سنگت ہو جائے تو بی اللہ باندی کے مجرے کا لطف آ جائے۔ جی! اور پڑھو میاں دلّی والے اور پڑھو"۔

"ذرہ نوازی ہے آپ کی۔ عرض کرتا ہوں"۔ دھن بدل کر ؎

کچھ اس قدر ہے مزاجِ دلِ حزیں نازک
کہ عشرتِ غمِ الفت بھی ناگوار ہوئی

ملاحظہ ہو۔ عرض کیا ہے ؎

متاعِ زیست ہی شاید دلِ حزیں کے لئے
وہ ایک خلش جو ہوئی اور بار بار ہوئی

اب تخفیف تصدیعہ کرتا ہوں، نواب مجن صاحب کو بھی سننا ہے دور سے تشریف لائے ہیں"۔

ایک مہین سریلی آواز آئی "آپ شوق سے فرمایئے، تخفیف کا وقت آپ پر سے صدقے"۔

اس پر تھوڑی دیر قبلہ قبلہ، ہونے کے بعد نواب مجن صاحب مسند پر تشریف لائے۔ دبلے پتلے نولوں ماشوں کی جان، شربتی ململ کا سنجا فدار انگرکھا، نیچے کیچلی جالی کا ہلکا پشتی کرتا، بنارسی مشروع کا ٹھسا ہوا پیجامہ، پیچی کی ٹکے دار ٹوپی گھونگھر والے پٹوں پر جمی ہوئی، ہاتوں میں مہندی، اور فیروزے کی انگوٹھیاں، شرمیلی نگاہوں سے اگالدان پر بائیں ہاتھ سے پردہ کرکے پان تھوکا۔ باریک رومال سے ہونٹ اور باچھیں پاک کیں اور مسند پر ذری کسمسا کر غزل کا کاغذ رکھا۔

"کیا عرض کروں، ژولیدہ زبانی سے محجوب ہوں۔ ملاحظہ ہو

ملاحظہ ہو ؎

جھلاتے ہوئے تارے کیسا ہیں
لگیجے پھول ترے بستر کے"

واہ واہ کا شور بلند ہوا، نواب مجن صاحب تسلیمیں کرتے کرتے دہرے ہو ہو گئے۔

"دوسرا شعر ملاحظہ ہو،

خار کو گل کے قریں دیکھ کے ہیں یہ سمجھا
چیختے چیختے بلبل کی زباں سوکھ گئی

بزم۔ "سبحان اللہ نواب صاحب پھر ارشاد ہو"۔ مجن صاحب نے مکرر شعر سنایا۔

"یہ آخری ہے۔ عرض کرتا ہوں :۔

فرش مخمل پہ مرے پاؤں چھلے جاتے ہیں
ناز کی ختم ہے ان پر جو یہ فرماتے ہیں"

پھر تسلیمیں بجاتے ہوئے پسینہ پونچھتے خس کی پنکھیا جھلتے مسند سے اپنی نشست پہ آگئے۔

کیا حاجی صاحب خاموش تھے؟ استغفراللہ! کہنے لگے "آپ شعر کیا پڑھتے تھے معلوم ہوتا تھا ادوائن پہ طوطا تو کہتا جا رہا ہے، جی ——"

مجن صاحب کا کلام ابھی کانوں میں گونج ہی رہا تھا کہ ایک گوشے سے صدا آئی:۔
"صاحبو! اب ہم کیا نہ سنائے پائیں گے؟ دو ایک تین تو کلہم اشعار رہے ہیں، دھوبا سہی ہوئے جا رہے ہیں"۔

سب نے کہا "آئیے بسم اللہ ضرور ضرور!" دیکھا تو چکن کے کرتے اور باریک دھوتی میں ایک لالہ صاحب بندگی عرض کورنش کرتے ہوئے مسند پہ آئے۔

دریافت کیا گیا "اسم گرامی؟"
"صاحب۔ اسم گرامی تو دیکھیے .... ہے لالہ ہزاری لال، قوم کا سیٹھ

سری بالیست دوسرے۔ فرزندِ نرینہ منشی بہاری لال صاحب آنجہانی مدظلہ العالی ساکن وزمینداران قصبہ پالی پرگنہ وتحصیل شاہ آباد ضلع ہردوئی، شاگردِ خاص استادِ خود مد فیوضہ"
"آپ کا نام ہے یا چورن والے کی بانی؟ اور یہ آنجہانی اسپہ مدظلہ العالی! جی! ہیں!"

حاجی صاحب کا ڈبل بیرل جو چلا تو لالہ صاحب ذری بوکھلائے مگر ہم نے یہ کہہ کر معاملہ مختصر کر دیا کہ "ہاں منشی جی ارشاد"

"بس صاحب ہم گھر سے جلدی کے مارے ایک ہی مطلع لائے پائے ہیں۔ مگر یہ ہے کہ ہے مطلع آفتاب، بہ سببِ استعجال قلم سے نکل پڑا۔ کہا ہے ؎

مقراض موج دامنِ دریا کتر گئی۔ اور صاحب
کشتی کا بادبان مشتر یا کتر گئی

دوسرے قافیہ پہ قہقہہ پڑا۔

"منشی جی مطلع تو در حقیقت نایاب ہے مگر یہ مُشریا کیا بلا ہے ——— ؟"

"لے اب کیا بتا دیں، ارے صاحب چوہے کو فارسی میں موش کہتے ہیں کہ نہیں پھر اس کی مادہ مشریا ہوئی کہ اور کوئی۔ اب تازہ فکر اور سماعت ہوئے جائے۔ شعر قابلِ تسنید ن ہے۔

بتلا گئے داغ ہیں رخِ تاباں پہ اس طرح
مانو کہ کہکشاں ہے کھلی آسمان پہ

بزم تھی کہ ہنستے ہنستے لوٹی جا رہی تھی، لالہ صاحب نے فرمایا کہ "آپ تو ہم کو خارن میں کشید رہے ہیں۔ ملاحظہ ہوئے ؎

سن کے لیلیٰ آ رہا ہے دشت میں
ناقۂ مجنوں دِوانہ ہوئے گیا

"منشی جی واہ، مضمون تو خیر سبحان اللہ مگر لیلیٰ کا ناقہ سنا تھا، یہ مجنوں کا ناقہ آج تاریخ میں اضافہ ہوا۔"

"لے اب ہم تو شعر کہت ہیں تاریخ تو لکھت ناہیں ہیں۔"

"اور منشی صاحب یہ لیلیٰ کو آپ نے مذکر باندھ دیا، قبلہ یہ تو سماعی اور قیاسی دونوں طرح پہ مؤنث ہے۔"

"پھر اس میں ہم کیا غلطی کیا، آج تک اردو میں کوئی معشوق عورت بندھا ہو تو سنا لائیے، اب رہ گئی یہ عورت مرد کی لڑائی تو بھیا یہ تو دلی لکھنؤ والوں ہی کو مبارک ہوئے۔ عورت ہوئے کہ مرد ہم کا اچھا معلوم دیا اٹھائے کے شعر میں باندھ دیا۔"

اس مرتبہ تو حاجی صاحب بالیقین تنبیہہ الغافلین ہی سنبھالتے اور لالہ صاحب کا کچومر نکال دیتے۔ جو ہم نے کہا کہ "حضرات، تفریح ہو چکی، دو تین شعر یہاں بیٹھے بیٹھے ہو گئے ہیں، قافیہ حسب حال ہے ملاحظہ ہوں:۔

دستِ جاناں سے اڑا جاتا ہے۔ غالباً رنگ حنا پاگل ہے

دردمند تپ غم ہے خبطی جو کرے اس کی دوا پاگل ہے

قطعہ بند ہے۔

میں نے کل مادر لیلیٰ سے کہا۔ تیرا داماد سنا پاگل ہے۔

رو کے بولی کہ حسینوں کے نصیب۔ ان کی قسمت میں لکھا پاگل ہے"

حاجی صاحب بولے "اماں تم تو کوئی اسم بامسمیٰ معلوم ہوتے ہو، مگر یاد رکھو کہ ہم بھی شمس العلما ہیں۔"

فائدے کی بات:۔ اس مضمون میں کسی شعر کے متعلق اگر شبہ ہو کہ آپ کا ہے تو براہ کرم اپنا بیان حلفی اور صرف پانچ روپے چہرے شاہی "ساقی" کو بھیجکر راقم الحروف کا باز دعویٰ منگوا لیجے ورنہ خطا معاف آپ جانتے ہیں ع:۔ ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند۔

مکتب کی گزران

بچپن کے وہ دن، جب بہشت نصیب اماں باوا نے ہمیں حیوان سے آدمی، اور بن جائیں تو آدمی سے انسان بنانے کی فکر میں مکتب بٹھایا تھا، آج پچاس برس کے سن میں بھی یاد آتے ہیں تو اللہ جانتا ہے یہ "نالوچیٹ کھوپڑی" یہ ٹھنڈا ٹوٹی پیٹھ، یہ کفگیر سی ہتھیلیاں معاذ اللہ معاذ اللہ کرنے لگتی ہیں، ہڈی ہڈی الاماں پکارتی ہے! ہنسی کی بات نہیں، مکتب کی گزران کا اندازہ کچھ وہی کر سکتا ہے جس نے دودھ کے دانت گرنے سے عقل ڈاڑھ نکلنے تک مہینے کے چار جمعے، اور سال میں عید بقرعید کے دو دن چھوڑ کر کچھ اوپر ایک صدی کے بچے کھچے میاں جی کے آگے ٹاٹ کے پھٹے فرش پہ دو زانو بیٹھ کر قمچیوں کے سائے میں گزاری ہو اور منہ سے اف نہ کی ہو اور نہ خطا معاف، جس کے پیر نہیں بوائی، وہ کیا جانے پیر پرائی۔

آپ جانتے ہیں کہ مکتب کی پہلی سیڑھی بسم اللہ ہوتی ہے اور حیثیت کے مطابق امیر غریب سبھی یہ مبارک تقریب کرتے ہیں اور پرانے چلن پہ چلے تو خدارات سے چلتے ہیں، بلاوا جاتا ہے، شام ہوتے ہی ڈولی بھر بھر کے برادری کی بیویاں اترنے لگتی ہیں، ڈومنیوں کو کھچڑی جاتی ہے۔ کڑھائی چڑھتی ہے اور ڈھولک کی غٹر غوں غٹر غوں میں رات بھر گلگلے تلے جاتے ہیں اور یہ رت جگا مناکر تاروں کی چھاؤں

اور چونکہ کی روشنی میں اللہ میاں کا رحم اور گلگلوں کے طباق محلہ کی مسجد بھجوائے جاتے ہیں، جہاں طاق بھرنے اور چراغ چڑھانے کے بعد یہ زنانی رسم ختم ہو جاتی ہے۔ پھر دوپہر ڈھلے تک مہمانوں کے کھانے دانے سے نچنت ہو، بچے کو نہلا دھلا کے نوشہ بناتے ہیں اور اللہ دے تو باجے گاجے سے گھوڑے پہ بٹھا کے مسجد کے سلام کو بھجواتے ہیں، عصر کے قریب مہمانوں کے جھرمٹ میں گھر کا کوئی بزرگ بچے کی زبان سے بسم اللہ کہلوا دیتا ہے اور مبارک سلامت ہو کر لوگ آئے گئے ہو جاتے ہیں۔

یہی معمولات کم و بیش ہمارے ہاں بھی برتے گئے اور دولھا بننے کی خوشی میں ہم ایسے اترائے کہ گلدم کی طرح پھولے ہوئے جھم جھم کے کپڑوں اور چنبیلی کی بدبو میں مچل مچل کے جو سوئے تو ساری رات یہی خواب دیکھتے رہے کہ موتی چور کے لڈوؤں سے کھیل رہے ہیں، چار برس چار مہینے چار دن کی کھوپڑی کے وہم میں بھی یہ تعبیر نہ گزری کہ صبح کو باسی ہو کر جب بیدار ہوں گے تو میاں جی کے مکتب اور قاعدہ بغدادی کی بھول بھلیاں میں پھنسا ہوگا۔

گٹ پٹ کے یہ اسکول جو آج کل ٹکے دھڑی کے بھاؤ سے گلی گلی ملتے ہیں، ان دنوں تولے ماشے کے حساب سے بکتے تھے، عام رواج یہ تھا کہ کھاتی پیتی سرکاروں میں جہاں رتھ بہلی گھوڑے ہاتی —— یا ٹیم ٹام کے اور لوازمے ہوتے وہاں گھر کے بچوں کی تعلیم تربیت کے لیے ایک میاں جی کا اسم بھی ضرور ہوتا جو برکت کے پانچ روپے تنخواہ اور عیدی جمعراتی کی بالائی پر ٹکے ہوئے الف بے سے لے کر پنج رقعہ مینا بازار تک گھٹوانے میں مشاق ہوتے، ریز کرتے بچے مکتب کے پنجرے میں بند کیے جاتے اور زیادہ مدت نہ گزرتی کہ خاصے ہزار داستان کی طرح چہکتے ہوئے برآمد ہوتے۔

ایسا ہی ایک مکتب تھا جس میں بسم اللہ ہوتے ہی رونے دھونے اور

خوب خوب فیل مچانے کے باوجود ہمیں بٹھا ہی دیا گیا، میاںجی نے بڑی آؤ بھگت کی چمکارا، ناکند چھرے کی طرح پٹھے پہ شفقت کا ہاتھ پھیرا اور مٹھائی اور کھلونوں کے دانوں پر رکھ کے قاعدہ کا پہلا صفحہ چپت کیا اور "میاں بھیا" ہی کہتے کہتے "الف بے جیم" کے جنجال میں الجھا دیا، پیار کے بھرے پر پہلے دن کا سبق ازبر ہو گیا اور چھٹی بھی جلد مل گئی۔

اسی چہ غم میں "عین غین" تک پہنچنے پائے تھے کہ جمعرات آئی اور یہ سندیسا لائی کہ آموختہ سنانا ہوگا، جل تو جلال تو، اب آئی بلا کا خوف کہیے یا آنے والے جمعہ کی خوشی کہ اتنے دن کا کھایا پیا ہضم، معدہ خالی، یعنی ہفتے بھر کی محنت اکارت اول سے آخر تک پوری تقطیع ندارد، مطلع صاف، آگے عین غین، پیچھے عین غین، ناگہاں بڑے میاں کے تار بند تھے دانت نکلے، نچلا ہونٹ دبا، بھویں سکڑیں آنکھیں جھکیں، سیدھے ہاتھ سے کان کی لو پکڑ الٹے سے ایک دو انگشتا چٹکٹ، جو رسید فرماتے ہیں تو کلے پہ بیٹھا چٹ سے! معاً آنسو بھری آنکھوں سے جھل ل جھلمل کرتا دکھائی دیا کہ تاڑ کے جھاڑ برابر "الف" کھڑا ہے اس کے سامنے میں سیدھی سیدھی اور یہ موٹی "ب" پڑی ہے اور "جیم" کے پیٹ میں نقطہ کی جگہ ہم خود دبکے بیٹھے ہیں!

بہرحال کھونٹی اینٹھتے ہی چکارا بولا، بھولا ہوا آموختہ فر فر چلنے لگا، وہ بھی قرات سے صحیح صحیح مخرجوں کے ساتھ، چٹکی کی گرفت بھی ڈھیلی پڑ گئی اور کلے پہ جو لال لال "الف دو زبر آن" بن گئے تھے وہ بھی موٹے موٹے آنسوؤں نے دھو دیئے، اور ہلکا سا یہ اطمینان محسوس ہوا کہ بیٹے تو بلا سے کان ہیں منت کا جو در پڑا تھا اس نے میاںجی صاحب کے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کا زنبور بھی تھوڑی دیر کے لیے ضرور ہو نظر کر دیا ہوگا، طے کر لیا تھا کہ چھٹی ملتے ہی میاںجی کے خلاف گھر کی کچہری میں

استغاثہ دائر کر دیے گئے اور ایک چھوڑ دو دو جرموں کے ارتکاب پر سزائے برطرفی تو ضرور ہی تجویز کرا دی گئی۔ مگر قسمت جس پہ ازل سے مکتب کندہ تھا کھوٹی ٹھہری کراہ کراہ کے سسک سسک کے وقوعہ کا ثبوت کان کی لو کلّے کا درد ایک سے ایک بڑھ کر دیا مگر امی جان اور اباجان کے متفقہ اجلاس سے فیصلہ ہمارے خلاف ہی صادر ہوا گوشمالی اور حنکٹ بحال رہے، اباجان تو خیر ان میانجی کے پرانے زخم خوردہ اور شاید اب تک ہم سے زیادہ بڑے حضرت سے چکتے تھے، مگر یہ نانی اماں ؟ ان سے بڑی امیدیں تھیں، وہ بھی صرف "مُچ" برا ہو امیرے لال" کہہ کر ٹال گئیں، بوا نہیں نے بے شک میانجی کو بد ربد کوسا اور امرتی کا ٹکڑا دے کر شکایت مضمحل کر دی اس طرح ہماری مسل داخل دفتر ہو گئی،

مکتب کی گذران میں یہ بڑا وصف ہے۔ کہ پڑھائی کا کوئی نصاب مقرر نہیں ہوتا نہ مردوں کی چھ ماہی برسی کی طرح ششماہی سالانہ امتحان کی تیج، کتاب ختم ہوئی پانچ پیسے کے بتاشے آئے، مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی روح پہ فتوح کو پنج آیت کا ثواب بخشا گیا اور نئی کتاب شروع "یا فتاح، رب یسر ولا تعسر" بتاشوں کا حساب یہ کہ بڑے آدھے میانجی کے، باقی آدھے میں سے پاؤ خلیفہ کا حق، بچا چورا چارا، وہ سارے مکتب پہ تقسیم، ہاں جائز تھا کہ کتاب موٹی تگڑی ہو تو فاتحہ بھی سات پیسے حد ڈھائی آنے تک اور بتاشوں کی جگہ جلیبیاں،

حاضری کے باب میں بھی مکتب کی روایت مخصوص تھی، یعنی بستہ دبائے تختی لٹکائے آگئے تو خیریت اور جو کہیں رستے میں ہوا بیر جامن، امرود کا درخت، اور شروع کر دی بقول شخصے "کلوخ اندازی" اور ہو گئی دیر، پھر کیا تھا، چھوٹے چار سلنڈے اور ع پا بدست دگرے دست بدست دگرے لائے بھگوڑے کو نتھی کر کے،

ان ہی حالات اور واقعات کو جھیلتے جھالتے تھوڑے ہی دن میں مکتب کی

ہوا ہمارے اندر خوب سرایت کر گئی اور قاعدہ کے بعد "آنا پانا جانا' دل دے/سن لے' والی کتاب ختم کر کے اردو کی چوتھی پڑھنے اور "بڑی بے" تک تختی لکھنے لگے تھے کہ کیا گلے پڑی اور خلیفہ کی کمان میں بلیس تک پہاڑے اور پونے' سوئیے ڈھیے' بھی رٹنا قرار پائے' !

مکتب میں خلیفہ کا وہی رتبہ ہوتا ہے جو اسکول میں کلاس مانیٹر کا' فرق اتنا ہے کہ مانیٹر اپنا نام سبق اور جزوی جزوی اختیارات کا حامل ہوتا ہے' برخلاف اس کے خلیفہ مکتب کا سینیر شاگرد' چغلی کھانے میں طاق' مار کھلانے میں چاق' اور میاںجی کا پروڈکلیٹر ہوتا ہے' تل کے لڈو یہ پھسلالے' باجرے کی ٹکیاں آدھوں آدھ یہ بٹوالے مگر وقت پڑے پر جس کا کھائے اسی کو بے بونت پٹوائے' خلیفہ کی خطرناک پوزیشن کا اس سے اندازہ کیجیے کہ مکتب کے مبخوبین کے لیے آلات زدوکوب کی فراہمی اسی کے ذمہ ہوتی تھی' چھٹی کے دن باغ سے' جنگل سے' یا محلہ کی ٹال سے چن چن کے لانا اور میاںجی کو بھینٹ چڑھانا' چنانچہ بڑے خصت کے ہات کے دانوں قمچیوں کی ایک پوری پلٹن ہمیشہ فالن رہتی۔ قصور کی اہمیت کے لحاظ سے ان کا استعمال بھی الگ الگ تھا۔ شاید ہات میں دیدے جڑے تھے کہ بن دیکھے موزوں چھڑی ہی پہ پڑتا مثلاً "چھمو" وہ لپلپاتی چھڑی تھی جو صرف ہاتھیلی اور انگلیوں کے لئے مخصوص تھی اور اس وقت بکار آمد ہوتی جب تختی کی مشق کا "الف" نوکیں چھوڑ کر تین نقطے سے کم زیادہ ہو' یا "بے" کی کشش' ۷' ۹ یا ۱۱' نقطے سے گھٹ بڑھ جائے۔ یا جیم کا دائرہ آفتابی یا بیضادی ہونے کے بجائے' لٹک کر شہد کا چھتا بن جائے نہیں تو کسی کے چٹکی لی ہو' گدگدایا ہو' قلم توڑا ہو' یا دوات پھوڑی ہو' اس کی ضربیں تابڑتوڑ ہوتیں' اور ہتھیلی کی چکنی سطح پہ اس طرح پڑتیں جیسے تاشے پہ چوب !

تنفالو کی وہ بلغم مزاج چھڑی جو ہفتہ میں ایک آدھ دفعہ ہی برتنے میں

آتی "دھنو" تھی، یہ حملے سے پہلے میاںجی صاحب کے سر پہ گردش کرتی اور فضا جب اس کے سناٹے سے بولنے لگتی، تب شکرے کی طرح کندے تول کر شکار یا شاگرد کی پیٹھ پر گرتی اور اپنی آمد کی یادگار ایک نیلی بدھی چھوڑ کر اٹھ جاتی اور ایسے دوچار جھپٹوں میں پیٹھ پر اودا اگلہریا بن جاتا، جھوٹ بولنے، فحش بکنے، آموختہ بھولنے یا حاجت کے بہانے مکتب سے نادار د ہونے کی پاداش میں "دھنو" اس دنت بے پناہ ہو کر برستی، جب بہ نفس نفیس یا گونڈوں کے ذریعے بڑے میاں کو کسی موزوں طبع شاگرد کی بچکانہ افکار کا پتہ چلتا جس کے موضوع خود بدولت ہی ہوتے، جیسے "تختی پہ تختی، میاںجی کی آئی کم بختی" یا "کرم بخشا نے بھونے چنے کڑھائی میں ڈالے تو خوب ہی بنے، جو لڑکوں نے مانگے تو دو دو بٹے، میاںجی نے مانگے تو ڈنڈے پڑے"۔

ایک چیچک رو، خمدار لکڑی اور تھی، جو شاید کسی سابق خلیفہ نے پہاڑی علاقہ سے لاکر نذر پکڑی تھی، اس کی ہر ضرب میں چونکہ ضرر شدید پوشیدہ تھا، جس کا نتیجہ یقیناً کوتوالی چبوترہ اور کھلا ہوا جیل، اس لیے کم نکلتی، اس خاصیت کو بمصلحت راز میں رکھا جاتا، اور مکتب اتنا ہی جانتا کہ خدانخواستہ "کبڑی" کا نکلنا اور صور کا پھکنا ایک ہی معنی رکھتا ہے، البتہ مولابخش نام، ذات کے آبنوسی، قد کے لانبے تھکے بیل کی طرح تھان ہی پر بندھے رہتے، معتبر روایت ہے کہ میاںجی کی جوانی اور ان بزرگوار کی عمر لگ بھگ تھی، اب یہ اتنے جہاندیدہ ہو چکے تھے کہ کسی بڈھے کرنیل کی طرح زبانی ڈرانے دھمکانے اور جوانی کے کارنامے سنانے بھر کے رہ گئے تھے۔

مکتب میں ڈسپلن قائم رکھنے کا یہ ضابطہ بالواسطہ تھا، اس کے سوا "سلف پنشمنٹ" یا "خود بخود سزا" کے دو طریقے اور بھی رائج تھے یعنی "اٹھا بیٹھی" اور "مرغا بننا" اٹھا بیٹھی، اگر اکہری ہوتی تو ذرا نرم ہی چیز تھی" دہری" البتہ بڑی ٹیڑھی کھیر تھی، خصوصاً

اس وقت کہ دوگانے کی ایک فرد لمبی پوٹی کی ہوتی اور دوسری چھوٹی راس کی ،

"مرغا بنا" زیادہ تر ان کند ذہن بدشوقوں کے لئے تجویز ہوتا جو سب کچھ کرتے مگر سبق ہی نہ یاد کرتے، ان مرغوں کی سیر اس وقت زیادہ پرلطف ہوتی جب حسن اتفاق سے ایک چھوڑ کئی کئی بنائے جاتے، اپنے مزے سے ٹانگوں میں سے ہاتھ نکالے، کان پکڑے پیٹھ اچکائے سر جھکائے ایک قطار میں اکڑوں بیٹھے جھول رہے ہیں، گردن پہ ٹھیکری رکھی ہے، ہلے اور گری، گری اور ہوئے ضابطہ باہر اور بڑھی سزا کی میعاد، یہاں تک کہ منہ لال چقندر ہو گیا، دل کا بخار آنسو بن کر کچھ آنکھوں سے کچھ ناک سے ٹپکنے لگا، توبہ تلا ہوئی، تب جا کر آئندہ کے وعدے وعید پہ بخشے گئے ،

اکتا گئے ہو گے ؟ مکتب کی گزران کا یہ ایک شوشہ ہے ابھی خوش نویسی نقاشی، بیت بازی، ضمنا وغیرہ کے دلچسپ مشغلے، میاں جی کی طرز تعلیم اور اپنے ہم مکتبوں سے روشناس کرانا باقی ہے فرصت ہوئی تو پھر کسی ملاقات میں ورنہ آگے آیت "والسلام"

ہماری عید

ہماری عید کا لطف اٹھانا ہو تو رمضان سے چلیے، شہر کے ایک مشہور سینما گھر میں کسی فلم کا سترھواں شاندار ہفتہ کھل رہا تھا، بے فکرے شوقینوں کی وہ ریل پیل کہ ماں باپ سے اینٹھیں تو کشتم کشتا پر دم لے کر ڈیوڑھے دونے پہ ٹکٹ خریدیں اور تماشے پہ تماشا دیکھیں، کلمہ درود اللہ کا نام، مگر ڈرامے کا مکالمہ ازبر کیا مجال کہ از الف تا والسلام ایک مشابہ لگ جائے کوئی گانا، فل اسٹاپ چھوٹ جائے۔ اپنا شجرہ پوچھیے تو شمشیر ابن شمشیر، مگر ہیروئن کی سنئے تو ولدیت، قومیت، سکونت زبان کی نوک پر۔

شامت جو آئی تو آج ہم بھی ایک سیٹ کے لیے ریزرو ہو گئے، اور چراغ جلنے سے پہلے سے سنورے اور سگرٹ سلگا کر گھر سے نکلنے ہی کو تھے کہ گھن گرج کی آواز آئی دنانا نا! ایک اور دنانا! ہم نے کہا "سنتی ہیں آپ، جیسے توپیں چل رہی ہوں؟" کہنے لگیں "حضور کی سلامتی میں رمضان کا چاند مبارک ہو"۔ بیگم کا بیان اس پر توپ خانہ کی شہادت، ہم نے بھی اِدھر اُدھر دیکھ کر ایک ہوائی فیر کیا "امی جان آداب"۔ نہ جانے کدھر سے شاید باورچی خانے سے بوڑھی سانس کے پوپلے منہ سے جواب آیا "جیو امی کے لال، دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو، رمضان کا چاند ہے تم دونوں کو

منہ ضرور دیکھ لینا۔"

"ہاں تو" ہم نے کہا "آج کے چاند کا منشا یہ ہے کہ اب کے پورے تیس روزوں پر عید ہوگی۔ مناسب! مگر یہ تو کہیے سحری کا کیا انتظام ہے؟ بس انتیس کے چاند میں یہی علت ہے کہ نہ وقت پر تراویح کا پروگرام بن سکے، نہ سحری کا اہتمام ہو سکے خیر تراویح کا تو یہ ہے کہ اگر وقت ٹل جائے تو قضا سے فرصت ہے مگر سحری کے بغیر روزہ خلاف سنت ہے، بالفعل آپ اور کچھ نہ کریں، بس ایک جوڑے کا قورمہ دم ہو، بھنا بھنا شور باکم، دو تین شامی، مگر ہوں چٹ پٹے اور وقت پر گرم گرم ملیں شیر برنج تو ہو وے ہی گی کیوڑے میں بسایئے، ہوائیاں چھڑکیے اور قلعیوں میں جما دیجیے۔" اللہ اللہ خیر سلا۔"

سینما سے آئے اور گدگدے بستر پر کروٹیں اولتے بدلتے مشکل سے پل بھر آنکھ لگی ہو گی کہ محلے بھر میں ایک حشر ایاب اودھم! معلوم ہوا کہ "سحری بیداروں" کی روزے داروں پر یورش ہے، اصطلاح نئی ہے اور تراشت کا حق واضع کے لئے محفوظ، ہاں تو پہلی روند میں ایک نیز گوار ہم پر بھی نازل ہوئے اور کان پر ہاتھ رکھ لگا یا کڑکا۔" جاگو جاگنے میں بھلا ہوگا اس جاگنے میں خدا ملا ہوگا۔" اے سبحان اللہ سنا کہ جس مکتب موسیقی کے پیرو یہ موسیقار ہیں۔ ان کے سرِ فقس کی روایتی منقار کے بجائے صور اسرافیل سے لے رکھے ہیں، غالباً یہ مطلع تھا اور ہم سمجھے تھے کہ اس بحر ناپیدا کنار کی پوری غزل سے بہرہ اندوز ہونا پڑے گا، بارے ڈفلی کی کچھ مسلسل ضربوں نے اس نعمت سے محروم یا محفوظ رکھا۔

شعر کی معنویت تو ہم دنیا دار کیا سمجھتے البتہ صوری حیثیت کو دیکھتے ہوئے اب سے دور ستھرے میں پھر کوئی بے طرح یا طرح دار

مخلوط[۱] یا مخبوط مشاعرہ برپا ہو تو بانیئین یا بانیات مشاعرہ سے سفارش کی جاتی ہے کہ اس شعر کے کسی مصرعے پر ضرور منعقد ہوں۔

ڈفلی نوازی کی چھ ضربی گونج مغز پاشی کر ہی رہی تھی کہ اسی اسٹیشن پر لپے بنے پیشرو سے کم نہ زیادہ گر پڑے تحت اللفظ تھے یعنی "رمضان کے روزے دارو سحری کرو اٹھو" اور اس بارش بلا کی شدت کو ذری نرمانے کے لئے "روزے نماز عبادت سخاوت قبول، بارگاہِ رسول، چاندی کا چھلا زری کا پٹکا!!"

ان بلیات کے نزول اور مع الخیر دفع ہو جانے پر ہمیں یقین ہو چلا تھا کہ اگلے پچھلے سب معاف ہو گئے کہ سنائی دیا جیسے مینڈک کے گلے میں کسی نے کہرج پتنگ اتار دی ہو اور وہ ٹریمولو میں "اٹھو سونے والو سحر ہو گئی" الاپ رہا ہو۔

سرا دھیا کے ان بوقلموں مظاہرے کے بعد خیال ہوتا ہے کہ آنے والی شبرات کے پھلجھڑی پٹاخوں سے جی بچیں تو اپنی سرکردگی میں ہم چھٹے ہوئے عاقل بالغ شہریوں کا ایک وفد "پدرانِ شہر" کی خدمت میں باریاب کرائیں اور شہری برادری کے کمزور اعصاب کا واسطہ دے کر قانون بنوا دیں کہ "کوئی سحری بردار جو موزوں طبع نہ ہو، جو خوش گلو نہ ہو جو کم از کم غزل ٹھمری نہ گا سکتا ہو، بالذات یا بالواسطہ، یا بمدد، یا ذریعہ کسی، یا جملہ آلاتِ موسیقی روزہ داروں کو سحری کے لئے بالارادہ یا بلا ارادہ نہ اٹھائے گا یا نہ اٹھوائے گا۔ یا نہ اٹھا سکے گا، بصورت خلاف ورزی مرتکب، ایسے روزہ رکھنے یا روزہ دار کی صورت بنانے کا مستوجب ہوگا جو تحت قواعد اس کے لئے مناسب سمجھی یا تصور کی جائے"

---

[۱] شہر کا مشہور مشاعرہ جو شعر سے شروع ہو کر ٹیپوں پر ختم ہوا۔

خیر یہ تو جب "نو من تیل ہوگا تب رادھا ناچیگی"، ہوا یہ کہ دستر خوان کی صفائی
اور کلی غرارے سے بخنت ہو کہ ہم نے بطور حفظ ماتقدم بیگم کو مخاطب کیا "سنئے جناب
پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی۔ نیت تو اس وقت ہم تیسوں ہی روزوں کی باندھے لیتے
ہیں۔ مگر ایک اصولی مسئلہ سن بلکہ سمجھ رکھئے وہ یہ کہ اگر علی الصباح باورچی خانہ
کے اندر نعمت خانہ کے قریب، آپ ہم سے کوئی ایسا فعل سرزد ہوتے یا وقوع میں
آتے دیکھ پائیں، جسے عرف عام میں کھانے پینے سے تعبیر کرتے یا کر سکتے ہیں تو
آپ بھول کر نہ یاد دلائیں اور ہم بھی یاد کر کے بھول جائیں کہ روزہ دار ہیں"۔

چنانچہ بھول ہی بھول میں دن سرکنے لگے اور ہم بھی عادی ہو گئے کہ پابندی
کے ساتھ سحری سے شروع ہوں تو صبح کے ناشتے کو دیکھتے ہوئے دوپہر کے کھانے
پر دم لیں اور شام کے افطار کے بعد دوسری سحری کا انتظار ہو۔

رمضان شریف تو خیر ایک "خانگی حادثہ" تھے اور ان سے مع الخیر والعافیت
عہدہ برآ ہونے کے لئے "بقدر وسعت نفس" ہماری مساعی اگر کامیاب نہیں
تو کچھ ایسی ناکام بھی نہیں ہوئیں۔ مگر عید کا پبلک داخلہ ع

پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

ہمارے لئے نہایت صبر آزما تھا۔ یعنی ادھر خدا سے قطع نظر، خودی کی
سالانہ نمائش اور بیگم کے جوڑے کی فرمائش، ادھر افلاس کی فراوانی اور جیب
کی عریانی ڈر تھا کہ عید کے خلاف ہم کہیں ستیہ گرہ، بھوک ہڑتال یا سول نافرمانی
قسم کی کوئی چیز نہ کر ڈالیں اور یہ پرائیویٹ روزے بھی نہ رکھنے لگیں جو کبھی کا لیا دیا
کام آیا اور بیگم کی رہنمائی سے "سم سم" کی کنجی تک رسائی ہوگئی۔

تانگہ رکا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ابیڈو کی دکان اس وقت لین دین کا محشرستان بنی ہوئی تھی۔ دکان دار نے پہلے تو ہمیں اس چڑی مار کی نظر سے دیکھا جو جال بچھا چکا ہو، دانہ ڈال چکا ہو، پھر اس طرح تیور بدل لیے کہ ع۔

ان تلوں تیل ہی نہ تھا گویا،

یہ شاید اس لیے کہ ہم ان خوش دہندہ گاہکوں میں سے تھے جو دیوالی دیوالی نقد سے زیادہ ادھار کھاتے میں جمع ہوتے رہتے ہیں، جا نہیں کا سکوت ٹوٹا، فرمائشات کی فہرست سنائی گئی اور بقایا کے تقاضے، ادائی کے حلفی وعدے پر ہمیں پاگئی حلوائی کی دکان سے دادا جی کی فاتحہ کے بعد سامان سے لدے پھندے ہوئے ہم اٹھے ہیں تو بیگم کی مشکل کشائی پر ایمان لا چکے تھے۔

آج رمضان کی تیرھویں تھی اور کوئی رکھے تو کل منجھلا روزہ، دوپہر ڈھلے ہی سحری کی بخت کے آڈر نکلے اور تیسرے پہر تک چولھوں پہ چڑھ گئے، ادھر ہم نکلے تو شہر کا طواف کر کے رات گئے گھر میں داخل اور سحری کے فراق میں خالی پیٹ ہی سو گئے

آنکھ کھلی، آنتیں مچل رہی تھیں، دیکھا تو اندھیرا گھپ! "بیگم بیگم! امی جان امی جان! فخرو فخرو!" تو یہ کیا گھوڑے بیچ کر سوئے ہیں، برقی مشعل سے دیکھا سارا گھر ظلمات، گویا آسمان سے کاجل برس رہا تھا یہ کمرہ، وہ دالان، ہائیں چراغ گل، بیگم غائب، امی جان ندارد، ماما اڑنچھو! چاہا کہ منھ پہ پانی کے دو چلو مار کر حواس ہی ٹھیک کر لیں تو لوٹے، صراحیاں، مٹکے سب خالی پیٹ! یاد آیا کہ مودی خانہ باقی ہے کھولا، دیکھا تو ایک طرفہ تماشا! یعنی بچھونا بچھا ہے، بیگم چاروں خانے چت پڑی ہیں، نہ منھ سے بولتی ہیں نہ سر سے کھیلتی ہیں، آنکھیں بے شک کھلی ہیں اور ستم ظریفی یہ کہ مسکرا رہی ہیں، ایک طرف پہلو میں مسالا کوٹنے کا موسل رکھا ہے تو دوسری

طرف ایک کشتی میں ڈھائی تین گز سرخ شالباف کا تنہ کیا ہوا ٹکڑا، ایک سیب اور ہمارے کراکری سیٹ کی سب سے کٹیلی چھری، اور امی جان مراقب ہیں۔ "استغفراللہ یہ کیا سوانگ ہے، اٹھئے وقت جارہا ہے، پیٹ میں آنچ لگی ہے" ساس نے سر کی ڈگڈگی ہلا کر آسمان کی طرف اشارہ کیا پھر بیگم کو دکھایا اب ہمیں یاد آیا کہ آج چاند گرہن ہے اور بیگم صاحب کو جورو سے اماں بننے کے ابتدائی مراحل طے کرائے جارہے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے بڑی بی نے شالباف کا پارچہ کشتی سے لے کر بیگم کے شکم پہ رکھا اس کے سنٹر میں سیب جمایا، پھر اطمینان سے چھری سنبھالی،

"کاٹوں اوں اوں" ؟

"کاٹو او او" بیگم نے کہا، چھری تیار ہوئی

"کاٹوں اوں اوں" ؟

"کاٹو او او" بیگم بولیں، چھری اٹھی،

نسرا کے "کاٹوں" اور بیگم کے ترکی بہ ترکی "کاٹو" پر چھری تچ سے سیب پہ پڑی، دو ٹکڑے، دو کے چار، چار کے آٹھ، بے منھ کا بچارہ پھل قتلے قتلے ہو گیا۔

بڑی بی کی سپہ گری کے اس بے وقت مظاہرے پہ ہم نے جھنجھلا کر کہا "لاحول ولاقوۃ، یہ سب لال کتاب کے مسئلے ہیں، اٹھئے دسترخوان چنوائیے کیا آپ لوگ چاہتے ہیں کہ منجھلا روزہ بھی ہڑپ کر لیں اور پورے کافر ہو جائیں ؟"

لال کتاب کا نام آنا تھا کہ بڑی بی کا رواں رواں غصے کے مارے لال ہو گیا، تڑپ کر بولیں۔ "تم تو کول کے مدرسے میں جا کے نیچری ہو گئے، ہو نیچری، لال کتاب نہ ہوتی اور ماں کے پیٹ سے لے کر چھٹی چلا، شادی بیاہ کرنی کرتوت کیے کوئی تمہیں پروان چڑھا لیتا تو ہم دیکھتے بیٹا! سات قرآن درمیان اس حالت میں گہن کی چھاؤں مار جائے تو پیٹ کے معصوم کی کیا گت بنے"!

ہم نے کہا "بیت المعذورین کے دروازے کھلے ہیں اور داخلہ مفت! اب سحری ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

جملہ پورا نہ ہوا تھا کہ توپ گرجی دنانانا!!

صبح کو سنا کہ کھانا مسجد کے ملا کو گیا ہمارے اصیل مرغ کا جوڑا سحری بردار نے مارا، بیگم کا نیا بنارسی دوپٹہ خود ماما کے پسند آیا اور شالباف کا ٹکڑا شہر کے مشہور عملیات کے بیوپاری شیخ اچھو میاں کی نذر ہوا۔ تیلی راجہ البتہ گھاٹے میں رہے یعنی ان کی قسمت کا ایک انڈا، سوا سیر ماش اور کپی بھر تیل ہی نکلا!!۔

آپ نے دیکھا کہ جاڑوں کے سستے روزے کس اطمینان سے ہم نے رکھے اور کل مطلع پر کس شان سے گئے ہیں، کہ دوربین بھی ہے، بھری ہوئی قرابین بھی ہے ابر کے ٹکڑے ٹکڑے پر نظر ہے کیوں نہ ہو تیسویں افطار کی فکر ہے، ناگہاں ع :۔

ہلالِ عید بر اوجِ فلک ہویدا شد مبارک!

آج عید ہے! اور ہماری عید ہے، منہ اندھیرے اٹھے نہائے دھوئے جمی ہوئی کائی کو اپ کے برق دم استرے سے کھرچ کر گلوں پر شباب کی آب چڑھائی اور مونچھوں کو کاسمیٹک کی بٹ دے کر تنا تاؤ دیا کہ "بقول شخصے نیک نیتی ثابت ہونے پر بھی بعض انسانی کمزوریوں کے سلسلے میں فریق مخالف آلہ جارحہ سے ضرر شدید پہنچائے کا الزام ہم پر لگا سکے" کنگھی چوٹی سے فراغت کر کے کپڑے پہنے، پتلی نلی کی ٹانگوں چست مہری کا پیجامہ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا غلاف چڑھی طنبورے کی جوڑی اوندھی کھڑی ہے خوش وضع جامہ دار کی شروانی کا دامن بار

بار محض اس لئے اٹھا دیا جاتا ہے کہ چکن کے بیل دار کرتے میں سے سرخ ریشم کا کمر بند جھلکتا رہے، پاؤں میں وصلی کی نازک بدن جوتی ہے جس کی وجہ سے چال ایسی کہ بتاشہ نہ ٹوٹے۔ المختصر آج ہماری عید ہے اور سر سے پاؤں تک عطر حنا میں بسکر جب ہم اتراتے ہوئے عید گاہ کو چلے ہیں تو بجائے تکبیر پڑھنے کے ؎

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
رہیں منت تر ضم ز لطف ساہوکار

ورد زبان تھا۔

"ملاحظہ ہو!"

گنگا جمنا کے بیچ ایک چھوٹے سے قصبے میں جون کی گرمیاں! "اے معاذ اللہ کی پناہ!" لو چل رہی تھی، خاک اڑ رہی تھی، بھوبل برس رہی تھی، مختصر یہ کہ دوزخ کا لطف آ رہا تھا۔ امیر امرا منصوری یا نینی تال پر اور ہم ننگ دھڑنگ بہ یک دھوتی سفید کہ از تار عنکبوت ہم باریک تر بود پیچیدہ در ملفوف گھر کے ایک نمناک گوشہ میں بانس کی کھری کھاٹ پر نیم خفتہ و نیم بیدار افتادہ بودیم۔

"صبح بنارس، شام اودھ دیکھ چکے ہو آؤ تمہیں شب مالوہ بھی دکھا دیں گھر سے ٹکٹ لو اور بیک گردش لیل و نہار سیدھے جھانسی، وہاں سے ریل تمہیں بدلے یا تم ریل کو، انک پوئین کے پانچویں اسٹیشن پر اترو، یہاں بھاڑے کے ٹٹو ملیں گے ڈیڑھ روپے میں ایک راس یابو اور تین چار گھنٹے تین چار گھنٹے میں تبدیل کھنڈ کے اتار چڑھاؤ، ندی نالے پہاڑ جنگل طے کر لو گے تو مجھے دیدہ و دل فرش راہ، اپنا منتظر پاؤ گے۔ کالے تیتر اور چکارے کا شکار، تھو بہ کے خستہ بھرے بھرے پان اور مالوے کی سہانی رات تمہارا انعام ہے۔ اپنا ۲۲ = ۰بم ونچسٹر رائفل ساتھ لائیو اور تھوڑا سا نوزنتن کا اچار۔ اور ہاں بستر و ستر کی ضرورت نہیں نقد دم آنا۔ اشیاء ایحتاج سب مہیا ہوں گی۔"

انبار ، ایجتاج کی ترکیب پر معنی اور الفاظ خط زدہ تھے اور یہ تھا اللہ جانے کس وجہ کی ایک دیسی ریاست کے ایک آدھ جھوڑ ۔ باقی خانوں کے واحد مہتمم ہمارے کرم فرما مرزا عسکری بی اے ناکام کے طویل خط کا نچوڑ ، ڈاکیہ لایا ، ہم نے پڑھا ، ساتھ ہی محسوس ہوا کہ جیسے تلوے کھجا رہے ہوں اور پاؤں میں چکر ہو ۔

اب لازماً سوال پیدا ہوا زادِ راہ کا اور سچ پوچھتے ہیں آپ تو ایک ذری پیچیدہ ہی تھا ، یوں کہ خادم نے اپنے خانگی بجٹ کا توازن کچھ اس حساب سے قائم کیا ہے کہ آپ کی دعا سے مداخل سے مخارج ہمیشہ المضاعف ہی رہتے ہیں ۔ قریب تھا کہ حالات اندوہناک صورت اختیار کریں سکون وانجماد کے ساتھ ارادہ بھی بہ فصل آئندہ فسخ کرنا پڑے کہ ع مردے از غیب بروں آید وکارے بکند ، گتھی سلجھ گئی اور قبلہ گاہی کی اجازت کے علاوہ زادِ راہ کے پچاس اور امام ضامن کے نام سے ایک روپیہ کی منظوری صادر ہوئی ۔ اسباب سفر میں ایک تو وہی میان میں کیا ہوا رفل ، ایک مرتبان چٹنی کا اور ایک مختصر سا سوٹ کیس ، یہ تیسرا عدد البتہ عمرو عیار کی زنبیل یا مداری کی پٹاری سے کم نہ تھا دو جوڑ کپڑے ، پانوں کا ڈبہ ۔ چھالیہ تمباکو کا الفربہ بٹوہ ، ڈبیہ دیا سلائی کی ، سوئی دھاگا ، ٹنچر آیوڈین ، نمک سلیمانی ، جلاب کی گولیاں ، منجن کی پڑیا اور اعادہ شباب کا ضروری سامان ۔ مثلاً کنگھا آئینہ ، برش ، سیفٹی ریزر ، ہیز لین ، پوماد ، روژ وغیرہ حسن اتفاق سے ہم واقع ہوئے ہیں اماں باوا کے لاڈلے اور شاید بلا شرکت غیرے افزائش نسل کے تنہا ذمہ دار ، امام ضامن کے علاوہ جس کے متعلق پہلے ہی سوچ لیا تھا کہ متھرا پہ ملائی کی کھرچن اور آگرہ کی دال موٹھ کا کفیل ہوگا ہم پہ از فرق تا بہ قدم کئی قسم کی آیتیں اور منتر پڑھ کر دم کیے گئے اور گھر والوں کی یہ

مجموعی دعا لیتے ہوئے کہ جاؤ سدھارو، جیسے پیٹھ دکھائی ہے منہ بھی دکھانا برآمد ہوئے تو اسٹیشن۔

وقت تھا آنے والی ٹرین کا انجن افق بعید پہ ایک کالے دھبے کی طرح نظر آرہا تھا۔

چونکہ دیسی ناداری کے تحقیقاتی کمیشن کو ابھی آخری اعداد و شمار کا انتظار ہے اور چوتھے درجہ کا رواج معرض التوا میں ہے بدرجہ مجبوری "تھرڈ کلاس" کا ٹکٹ کٹوایا اور بسم اللہ مجریہا کہتے ہوئے جا ڈٹے ایک ڈبہ میں تو اب جدھر دیکھیے ع کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست۔

تریل کا دھواں، سلفوں کی مہک، مٹھائی پوری کے خالی دونے، متھرا جی کے جاتری، دھوتی، شبد ذکوریہ اور لہنگے پوش مذکورات اور ان کے حوائج ضروری کے سلسلہ میں ننگے بچے اور بلا ترتیب حروف تہجی ان کے سیالات و متعلقات اب ہنکے تو چھوڑ لیں، بالا خرج، زیر نشین پہ متھرا تک بغیر کسی حادثہ یا ماجرے کے مع الخیر والعافیہ پہنچ گئے۔

یہاں سے جی، آئی، پی تھی،

یہ زمانہ وہ تھا کہ سمندر پار کی ساری پیٹ بھری دنیا میں جوتی دال بٹ رہی تھی اور ہندوستانی دساور سے بھی امدادی فرائض لیے جا رہے تھے جدھر دیکھو رنگروٹ نگری تھی۔ ہمارے درجہ میں بھی ایک حوالدار قسم کے صاحب بھرتی کا چھوٹا باتس لیے درجن بھر لوگ گرفتاروں کو نتھی کیے بیٹھے تھے۔ ریل کیا تھی چلتا پھرتا زیج قومی عجائب گھر تھا۔

اتنے میں ایک ٹکٹ کلکٹر صاحب نہایت ڈکٹیٹرانہ شان سے ٹکٹ ٹکٹ کہتے نازل ہوئے۔

ہماری باری آئی تو حسب عادت ہم نے جوتے کے بند کھولنے شروع کئے،
وہ سمجھے کہ شاید پاؤں کی عزت ہات میں آنے والی ہے اور صورتِ حال مخدوش
چیک کر ذرا پیچھے ہٹے اور دور ہی سے پنسل ہلا کر کہنے لگے " وَل ٹکٹ ؟ "
جوتا اتر چکا تھا اور اب پتیا بے کا نمبر تھا۔ اندر سے ٹکٹ نکلا تو ان کے دم دم
میں آیا۔

ٹکٹ کے متعلق ہمارا یہ نہایت قدیم اور محفوظ اصول شاید انھیں بے ضابطہ
معلوم ہوا یا کیا کہ ناک بھوں چڑھا کر انھوں نے ہمیں اپنی بلزنی کی روشنی میں
دھر لیا، نظر پڑی بندوق پر کندھے اچکا کر ہمیں دیکھا۔ تھرڈ کلاس کو دیکھا اور دوسرا
سوال فیر کیا۔ "Have you Got a license for this Gun"
(تمہارے پاس اس بندوق کا لائسنس ہے)
ہمیں سوجھی چھیڑ کی، کہا:۔
"Not only for the gun but for shooting with the gun even"
(یعنی نہ صرف بندوق کا بلکہ بندوق سے مار ڈالنے کا بھی)
یہ سنتے ہی صاحب بہادر کن انکھیوں سے ہمیں دیکھتے ہوئے " بیک
ٹننٹ " ہو گئے۔

اب دل لگی سنئے کہ آپ نے جاتے ہی پولیس میں رپٹ داغ دی کہ
تھرڈ کلاس بوگی نمبر، میں خاکی ڈریس پہنے ایک خطرناک اور مسلح جرائم پیشہ
سفر کر رہا ہے۔

بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا، تھانے دار سوچے کہ اچھا نسکار گٹھا، اگر ثابت
ہو گیا جیسا کہ ہم ثابت کر لیں گے تو اس خاکسار کو بھی دبوچیں گے اور ع بیکس

گردشِ چرخ نیلوفری' عہدہ' ترقی اور نام بھی کما لیں گے۔ وردی ڈانٹ اکرچ لگا رپا رَپ کرتے آن دھمکے' اور مستقبل کی خوشی میں ایسے سٹ پٹائے کہ فرمانے لگے" تم بغیر بندوق کے لائسنس لئے جارہے ہو۔ حراست میں آنا ہوگا" ہم مسکرائے تو اور بھڑک گئے۔

"ہم سب انسپکٹرانہ روئے قانون سوال کرتے ہیں کہ اس بندوق کا لائسنس کہاں ہے؟"

ہم نے جواب دیا کہ واللہ! جون کا بھی کیا پرتاثیر مہینہ ہے۔ داروغہ جی! اس بندوق کے لئے لہسن پیاز کی ضرورت نہیں۔ اس میں کارتوس کا بگھار دیا جاتا ہے"۔ کمر کی پیٹی دکھا کہ"اور ملاحظہ ہو، ایک دو کا نہیں پورے دو سو کا"

اب تو یقیناً داروغہ جی کے سامنے پولیس کی کپتانی ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ لپک کر چاہتے تھے کہ کلائی پر ہاتھ ڈالیں جو ہم نے کہا" بوکھلاہٹ کی سند نہیں' قبلہ یہ گلوری حاضر ہے"۔ پھر آہستہ سے کہا" ہمارا نام ہے خان بہادر آدارہ آف سشن ۱۹۱۸ء سرکاری گزٹ دیکھئے' بندوق تو بندوق ہمیں تو سرکار سے توپ باندھنے کی بھی اجازت ہے۔

خان بہادر اور گزٹ کا نام سنا تو ذرا داروغہ جی کی وردی ڈھیلی پڑی اور وہ ڈبلے سے یہ دھمکی دیتے ہوئے نکلے کہ گزٹ دیکھتا ہوں اگر رتی برابر جھوٹ نکلا تو بغیر لائسنس کے اسلحہ آتش فشاں رکھنا' ایک' بھک سے اڑ جانے والا آتشگیر مادہ کا قبضے میں پایا جانا' دو' اور تلبیس شخصی کا تیسرا چالان بھی پیش کرنا ہوگا۔

اتنے میں گارڈ نے سیٹی دے کر ہری لالٹین کا سگنل دیا۔ دیو پیکر انجن گرجا اور ایک دفعہ بھق بھقا کے جو سمٹتا ہے تو صد ہا قینچیوں

پہ بل کھاتا، فیل مست کی طرح جھومتا ہوا جھانسی لائن پر دوڑنے لگا۔

پلیٹ فارم کے آخری سرے پر داروغہ جی کھڑے تھے، رٹیں کی شائیں شائیں میں سنائی دیا " خان بہادر صاحب! آپ سچے، سرکاری گزٹ سچا، مگر میں سب انسپکٹر کہتا ہوں کہ آپ لائسنس بغیر بندوق کے لئے جا رہے ہیں۔"

"ہم نے کہا " سچ ہے، موسم ہی ایسا ہے "۔

رفل در بغل، سوٹ کیس کا بجیہ، سوئے تو پچھلے کو ہزاروں برقی قمقموں میں جگمگاتا ہوا جھانسی کا اسٹیشن، دوپہر کا کھایا پیا سب تہ نشین ہو چکا تھا، اب بھوک لگی تھی اور بڑی مشکل یہ کہ جسے بھوک لگی تھی وہ ایک شریف آدمی تھا اور اس وقت دوگونہ کش مکش میں مبتلا تھا، یعنی ادھر تو حلوائی کی دکان اور ہمارے درمیان خاکی سوٹ اور ڈیلو کاف کا بوٹ حائل تھا۔ ادھر جیب کی تہی دامنی اور ریفرش منٹ روم کا بل کسی ایک نقطۂ اتحاد پر جمع نہیں ہو رہے تھے۔ ناچار آنکھوں پہ ٹھیکری رکھ کے مٹن چاپ اور کٹلس کے مقابلہ میں پوری کچوری اور کدو کی ترکاری کے حق میں اپنا ووٹ دینا پڑا۔

آتما کے اس خالص سودیشی تغذیہ سے فارغ ہوتے ہی گھنٹی بجی کہ مانک پور برانچ قریب المارچ تھی۔ ہمیں ٹکٹ بدلوانا تھا بکنگ آفس کی کھڑکی میں جھانکا، بابو صاحب دھوتی بنیان میں ننگے سر، ناک کی نوک پر عینک جمائے ڈبڈبائی آنکھوں سے کوئی رجسٹر دیکھ رہے تھے۔

" بابو جی ٹکٹ

" کہاں کا ؟ "

" مانک پور لین پہ پانچویں اسٹیشن کا "

انگلیوں پر گن کر، " ٹھہر کا "

ہم سمجھے کہتے ہیں " ٹھہر کے آؤ "

" بابو جی! گاڑی جا رہی ہے آپ کہتے ہیں " ٹھہر کے آؤ "

" تم کانوں کا آپریشن کراؤ۔ ہم کہتے ہیں 'ٹھرکا' وہ سنتے ہیں " ٹھہر کے آؤ "

بات واجبی تھی، باعزت پسپائی اور ٹکٹ لے کر جھپ سے گاڑی میں بیٹھ گئے، چٹنی کا مرتبان اور سوٹ کیس چھینکے پر رکھا، اپنے لئے جگہ بنانے کی فکر تھی کہ ریل چل دی۔

معاذ اللہ! ریل کیا بھونچال تھا۔ یعنی ریل پٹری پہ اچک رہی تھی، ہم ریل میں پھدک رہے تھے۔ کسی چیز کو قرار نہ تھا۔ لوٹا گلاس سے۔ گلاس ناشتہ دان سے، ٹرنک صندوق سے اور صندوق بنچ سے مسلسل ٹکرا رہے تھے اور اس پیہم تصادم سے لَے تال میں پورا آرکسٹرا بج رہا تھا۔

قریب ہی ایک بزرگ سب کی نظر بچائے پو پھٹنے سے پہلے ہی پیٹ کی پوجا میں مصروف تھے۔ ہر دوسرا یا تیسرا نوالہ ہات یا منہ سے نان کو آپریشن پہ تلا ہوا تھا قضا کا مارا چٹنی کا مرتبان کسی پڑوسی سے الجھ پڑا۔ کاغذی کا بچ کا میدان جاپان، گردن الگ، پیندہ الگ اور ناشتہ چٹ ہیں کہ از سرتاپا شیرہ ہی شیرہ، لاحول ولا قوۃ،

نوالہ کی جگالی کرتے ہوئے سر اٹھا کر دیکھا تو تقاطر ابر نیسان سے مروارید آب دار کچھ آنکھوں میں کچھ ریش مبارک پہ، اس پہ سرکے کی تیزی اور نمک مرچ کی چرپراہٹ، گھبرا کے اٹھے، ایک ڈھیکلی کھائی۔ ناشتہ دان معہ محمولات سربسجود اور خود حضرت رکوع میں لگے ایک سرے سے ہمیں اچار اور ریل کو کوسنے۔ عرض کیا، قبلہ، چرھندے نہ ہوں۔ اللہ میاں نے کبھی اپنے بندوں کے لیے آسمان سے من سلویٰ اتارا تھا۔ عدہ۔ قہ جانیے ان کی مسافر نوازی کے

کہ اس مرتبہ آپ کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے نورتن کا اچار مرحمت ہوا ہے مگر اتنا خیال رہے کہ مقدار سے زیادہ نہ چکھیے گا ورنہ منہ کے ساتھ پیٹ چلنے کا بھی اندیشہ ہے۔

• چلتے چلتے ریل ٹھیری، سامنے بغیر پہیوں کی ایک مال گاڑی زمین پر دھری تھی اور انفرادی حیثیت سے بکنگ آفس، تار گھر، مال گودام، لیمپ روم ویٹنگ ہال اور اسٹاف کوارٹرز کو مخلوط کرکے اس مرکب کا نام تھا "ٹھرکا ریلوے اسٹیشن"۔ اترے، ٹکٹ دیا، بوجھ ہلکا ہو ہی چکا تھا۔ بندوق پیٹھ پر، سوٹ کیس ہاتھ میں، بابوجی سے پوچھا "بابو کہاں ملیں گے؟"

دل لگی باز بابو نے جواب دیا "بابو تو نہیں یہ بابو بینک حاضر ہے" قلی کو بتا اور وہ ہے کانے ٹٹو کا بدھو نفر، کہاں کے ارادے ہیں؟"

منزل مقصود کا نام لیا تو کہا "لین لین چلے جائیے، آگے پگڈنڈی ہے۔ پو قدمے چلے تو بارہ کوس زمین ناپنے کے بعد آئے گی ندی، ادھر انگریزی، ادھر رجواڑہ، گڈ بائی"۔

اس گڈ بائی نے تو ہمیں بھی بوکھلا دیا۔

جون کا مہینہ وہ بھی بندیل کھنڈ کا، پگڈنڈی کی پیادہ روی، سونا جنگل کہیں کہیں کوئی بندیلا چرواہا اور بار بار کالے تیتروں کی سبحان تیری قدرت، نہ کھانا نہ پانی۔

الحاصل ٹھیک اس وقت کہ آفتاب سوا نیزے پر تھا، ندی دکھائی دی جو بھرپور جا رہی تھی۔ اب اسے پار کرنا ایک معمہ تھا جس کا حل ایک فرتوت کشتی اس کے بارے میں راویان اخبار و ناقلان آثار کا یہ قول فیصل سینہ بہ سینہ چلا آیا ہے کہ تحفظ، پائداری اور خود ناخدا کا وجود، اگر محذوف مان لیا جائے تو کشتی نوح کے باقیات

الصالحات یہی بوسیدہ تختے تھے جو چند زنگ خوردہ کیلوں سے جڑے ہوئے ہم ہیں اور ہمارے مرقدِ آبی میں حدِ فاصل قرار دئے جا سکتے تھے۔

یہ طرفہ ماجرا بطور جملہ معترضہ ذکر کے قابل ہے کہ کشتی پانی پر تھی اور پانی کشتی میں۔ شاید کسی ایسے ہی "موقع واردات" پر شاعر کو ع دریا درون کشتی کشتی درون دریا۔ والا صوفیانہ مضمون ہاتھ آیا ہوگا۔

یہ دیکھ کر کہ انتشار انتشار میں خمیر اٹھ جائے گا۔ ہم نے پانی کا رخ کیا اور ع کشتی خدا پہ چھوڑ دوں لنگر کو توڑ دوں، کہہ کر آنکھیں بیچ، ڈانڈے اناڑی کے سے ہاتھ چلانا شروع کر دئے۔

کیا ہوا اور کیا گذری، کچھ اللہ ہی بہتر جانتا ہے، مگر آنکھیں اس وقت کھلیں جب کشتی راج کے کنارے سے ٹکرائی اور بدحواس ہو کر ریتی پر چڑھ گئی۔ کیچڑ پانی میں گل حکمت ہو کر اٹھے ہی تھے اور زبان پر بےساختہ ؎

جان بچی تو لاکھوں پائے خیر سے بدھو گھر کو آئے

جاری تھا کہ آواز آئی، پہلے چوکی پہ اپنا نام لکھائیے۔ جا کر دیکھا تو ایک ٹیلے کی آڑ میں ٹین کا سائبان، اس میں ایک پرانی آرام کرسی پر داڑھی چڑھائے خضاب لگائے، ہاتھ پاؤں پھیلائے ایک بزرگوار دراز تھے جن کی ہیئت کذائی دیکھ کر خیال ہوا کہ یا تو یہ شہر کے ناجہ والوں کے سرغنہ ہیں، یا شاید ریاست میں آثارِ قدیمہ کا محکمہ ابھی نہیں کھلا ہے۔ ورنہ "پولیس کا یہ قبل مسیح ایڈیشن" اس سائبان کے بجائے اسٹیٹ میوزیم کے کسی شوکیس میں ہونا چاہئے تھا۔

"السلام علیکم!"

جواب میں کڑک کر اکے ارشاد ہوا "یہ راج ہے اور ہم پولیس، تمھاری رجسٹری ہوگی اور پھر صاحب سپرڈنٹ بہادر کا ملاحظہ!"

ہم سمجھ گئے کہ ان سے کوئی سنجیدہ گفتگو بھینس کے آگے بین بجانا ہے عرض کیا کہ "جناب کی دعا سے یہاں تک تو پیدل آ گئے ہیں۔ ندی میں البتہ بیرنگ ہو جانے کا خطرہ تھا، ولے بخیر گزشت، اب رجسٹری سے تو ہمیں رکھئے معاف ورنہ محصول رجسٹری بذمہ رجسٹرار ہوگا۔ رہ گیا صاحب سپرنڈنٹ کا ملاحظہ، یہ آپ کی صواب دید پر ہے، چاہے مسل پر بملاحظہ لکھ کر آگے بڑھا دیں، چاہے ہمیں داخل دفتر کر دیں۔"

گفتگو کا سلسلہ قلم دادات اور ایک بہی کھاتہ نما رجسٹر کی آمد نے منقطع کر دیا لانے والا پولیس کا جوان تھا اور ہمارا ایمان ہے کہ اس کی صورت و ہیئت دیکھ کر اگر کسی شخص کو اقدامِ خودکشی کا شوق نہ پیدا ہو تو وہ بد ذوق در شکمِ مادر بہتر۔

اب ہم درج رجسٹر ہونا شروع ہوئے۔

"نام؟"

"خان بہادر آوارہ۔"

"والد کا نام؟"

"عالی جناب تقدس مآب حضرت قبلہ و کعبہ۔۔۔۔"

"ٹھہریئے، رجسٹر کا خانہ چھوٹا ہے اور نام بڑا معلوم ہوتا ہے، خانہ پری بالفعل ملتوی، آگے چلئے، کہاں سے آئے؟"

"گھر سے۔"

"شاباش، خانہ کے بالکل برابر، نہ چھوٹا نہ بڑا، کیوں آئے؟"

"اول تو آپ کی ندی میں غریقِ رحمت ہونے، یا پھر، سوئے اتفاق سے بچ گئے تو گھومنے پھرنے، دیکھنے بھالنے۔"

"وہ تو ہم سمجھے ہی ہوئے تھے، یقیناً تم ولایتی جاسوس ہو اور نیزی سے

پولیس کی زد میں آ رہے ہو۔"

"اپنے نزدیک تو موت کے منہ سے اس وقت نکل کر میں پولیس پروف ہو چکا ہوں۔ آگے آپ کی مرضی۔"

"تمہارے پاس سامان کیا کیا ہے؟"

"ملاحظہ ہو۔ اول تو ہم بہ نفس نفیس۔ پھر یہ میگزین رائفل گیارہ کارتوس کا لقمہ، نصف منٹ میں ہضم، اٹھارہ خوراکیں کمر میں موجود، پھر بھی احتیاطاً دو فاضل اس کے بعد یہ سوٹ کیس، جس میں بھیس بدلنے کا مکمل سٹ، اور اخیر میں واسکٹ کے اندر تھرڈ کلاس کا ٹکٹ، اور پوری کچوری کا بل منہا کر کے اکتالیس روپے تین آنہ سوا پانچ پائی زر نقد، چہرے شاہی، کہیے تھانے دار صاحب کیا خیال ہے؟"

بیان ختم ہوا۔ البتہ رجسٹر کے آخری خانہ میں جو عبارت لکھی تھی یہ تھی۔

"فدوی تھانیدار متعین لب دریا کی رائے و تجربہ میں مظہر لونڈا بڑا کوئی وہ، معلوم ہوتا ہے، حدودِ ریاست میں نہ داخل ہونے دیا جائے آئندہ جو حکم ہو۔"

اس کے بعد ہمارے اور تھانے دار کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ اشد راز میں تھی۔ اور ع سچ پوچھتے ہیں آپ تو اب یاد بھی نہیں۔ اتنا ضرور خیال رہ گیا ہے کہ شاید حق کا مطالبہ، اس کی رقم کا تعین اور صورت عدم چکائی حوالات سے لے کر حبسِ دوام بعبور دریائے شور تک کوئی ذکر تھا۔

شامتِ اعمال سے ہماری سواری کے لیے جو گاڑی پکڑی گئی اس میں پنجرہ پول کے بیل تھے اور خود گاڑی چھوئی موئی کی لکڑی کی، پہلی منزل میں اس پر ہم اور کانسٹبل "بمعہ" بہی کھاتہ نما رجسٹر لدے اور سفر کے آخری حصہ میں جبکہ

خدا خدا کر کے صاحب سپرڈنٹ کے درِ دولت کا کچا احاطہ اور تاروں کی چھاؤں میں لہراتے ہوئے جھنڈے والا پھاٹک سامنے تھا تو گاڑی اور بیل ہم پر سوار تھے۔

ہمارے قافلے نے ابھی دم بھی نہ لیا تھا کہ فضا مرتعش ہوئی اور کان کے پردوں پر "ہلٹ ہکم سدر" کا موہوم سا نقش چھوڑ کر ساکن ہو گئی، نیم تاریکی میں دکھائی دیا کہ پھاٹک کے اندر ایک غول بیابانی نے کونے میں سے بندوق کی وضع کی کوئی چیز اٹھائی پھونک مار مار کر اس کی گرد جھٹکی اور ہم سے کوئی چھ سات ہاتھ کے فاصلہ پر پینترہ بدل کر مقابل کھڑا ہو گیا۔ شاید جلدی میں یا ممکن ہے بھول کر، بہرکیف ہم نے غور کیا تو بندوق کا کندہ ہماری طرف تھا اور بیچ سینے کو تاک رہا تھا۔

"ڈرو نہیں، چلانے کے لئے نہیں تم کو چمکانے کی خاطر پہرہ دار نے چھپتائی ہے، گرمی گرمی گولی بارود بھرنے کا آرڈر نہیں ہے اور کہنے کو تو ہم برسات میں بھی نہیں بھرتے، ہاں جاڑوں میں آتے تو اب تک کبھی کا چھٹانک بھر سیسہ پی چکے ہوتے"! پھاٹک گذر چکا تھا، صاحب سپرڈنٹ کی کوٹھی کا پیش منظر کیا تھا۔ بنجاروں کا ٹانڈا تھا یا کسی دیہاتی برات کا پڑاؤ۔ دو چار جھلملاتی منتشر لالٹینیں، کہیں اناج کے چھکڑے لدے کھڑے ہیں، بیل چارہ کھا رہے ہیں۔ جوئے تلے گاڑیبان کا چولھا چڑھا ہے۔ مکئی کی موٹی موٹی روٹیاں پک چکی ہیں۔ دال کھد بد کھد بد کر رہی ہے۔ خود بڑی کے کش لے رہا ہے۔ فیلبان ہاتھیوں کے روٹ پکار رہے ہیں۔ دو مکنے پیپل کے موٹے موٹے ڈالوں سے سونڈ کو ورزش کرا رہے ہیں، ایک چھپر کے نیچے گھمر گھمر چکیاں چل رہی ہیں۔ گھوڑوں کا دانہ دلا جا رہا ہے۔ گھوڑوں کے منہ پر توبڑے چڑھے ٹھیاروں نے

گھاس کے گٹھے سامنے جھٹک دئیے ہیں۔ کسی کی مالش ہو رہی ہے، کوئی نہلایا جا رہا ہے۔ لوہے کی سلاخوں کے ایک بڑے پنجرے میں چیتے پڑے ہوئے ہپ ہپ کر رہے ہیں۔ کسی جگہ بطخوں کا جھرمٹ ہے، سب بیٹھی ہیں، بطخا ایک ٹانگ پہ کھڑا پہرہ دے رہا ہے دو تین اونٹ بھی بلبلاتے دکھائی دئیے۔ سار بانوں کی عورتیں بچے کہانی کہہ سن رہے ہیں۔

غرضکہ اس بے محابا مجمع کو پھاندتے پھوندتے آگے بڑھے، سامنے ایک مکان نظر آیا۔ دروازہ پر ٹاٹ کا پردہ، روشنی بھی ذرا نمود کی تھی۔ یہ تھی صاحب سپرڈنٹ بہادر کی کوٹھی یا آپ جو چاہیں کہیں، چلتے چلتے کسی نے ہمارا راستہ روکا، گیروی کھادی کا دھاری دار کرتہ اور جانگیہ پہنے ایک شخص نمودار ہوا سر پہ غالباً مقوے کی ٹوپی تھی جس پہ پیتل کا مارکہ لگا تھا، گلے میں لوہے کا طوق اور اس میں لکڑی کی تختی پتہ دے رہی تھی کہ یہ کوئی میعادی مہمان سرکار تھا اور اپنے کئی ہم پیشہ برادروں کے ساتھ ڈیوڑھی کا محلدار اور صاحب سپرڈنٹ بہادر کا عرض بیگی تھا۔

اطلاع ہوئی۔

تابڑ توڑ جمائیاں آ رہی تھیں، پیاس کے مارے حلق میں آنچ ہو رہی تھی کہ صدر کمرے کی چلمن ہٹی، چکن کا کرتہ، غرارے دار پاجامہ پہنے، پان چباتے صاحب سپرڈنٹ بہادر یا مرزا عسکری بی لے ناکام کھڑے تھے، خاصدان پٹک دیا، لپکے اور لپٹ گئے، کانسٹبل دم بخود کہ صاحب پہ "میاں" آ گئے یا بضیب دشمنان کوئی دورہ پڑ گیا۔

اٹھے گا بھی یا دن بھر شکن بستر ہی بنے رہے گا!

آنکھ کھلی، روز روشن تھا اور مرزا عسکری ناشتہ کا خوان اور چائے کی کشتی ہمراہ ہاتھ میں خاصدان، مچھردان میں سے جھانک رہے تھے۔

"فراغت کر لو تو آج پاگل خانہ سے تمھاری بسم اللہ کریں، جس کے خوش قسمتی سے ہم پاگل انچیف ہیں، واپسی میں سیر و شکار کا تفصیلی پروگرام بنیگا۔"

"بھئی ہم تو ندی پار کرتے ہی اپنے کو پاگل خانہ میں تصور کرتے ہیں کیا ابھی کچھ باقی ہے؟"

"ہاں میں کہنا ہی بھول گیا کہ اس سڑی تھانے دار کو روبکار کے ذریعہ تمھارے حالات سے مطلع کر دیا گیا ہے۔ تم سے "حق" مانگتا تھا؟ احمق کہیں کا تھانیدار تو کجا تم سے تو لاٹ صاحب بھی حق نہ مانگ سکیں۔"

اب ہم تھے اور دن عید، رات شب برات، یعنی صبح کو نمک سلیمانی اور رات کو جلاب کی گولیاں!۔

آدمی

حساب کر کے دیکھا، چھ مہینے کے اندر اندر آج گیارہواں آدمی تھا جس نے بوریا بستر اسمیٹا، پینترہ بدل کر "آداب ساب" کہا اور " ملکِ خدا تنگ نیست پائے مرا لنگ نیست" کے کڑوے بول سیٹی پہ نکالتا ہوا خانہ بدر ہوگیا، ہم نے کہا چلئے ع اچھا ہوا عذاب کٹا درد سر مٹا۔ سچ ہے پارس کا پتھر، کیمیا کی بوٹی ڈھونڈے تو ملے، مگر کام کا آدمی، اے معاذ اللہ، ملے تو شاید اسی بھاگوان کو جو پورے ۲۴ قیراط سونے کے قلم سے تقدیر لکھا کر آیا ہو،

ہمارا یہ نیٹو تجربہ خالص سودیشی آدمی کو برسوں جنیسا نیدہ، مالیدہ صاف نمودہ کے بعد حاصل ہوا ہے، ممکن ہے کہ کوئی مسٹر اسکویٹر اپنے بوائے بٹلر کے تحلیل وتجزیہ کے بعد یہ نظریہ غلط ثابت کر دیں،

افضل گنج، فرخندہ بنیاد میں رہتے تھے، ایک روز دیکھا، نیم آستین پہنے نیلئے رومال کا تہمد باندھے صحن میں ٹہل رہے ہیں، تیوریاں چڑھی ہیں، ڈاڑھی کا بال بال بکھرا ہے، اتنے میں راوی کہتا ہے، میں پہنچا اور آداب بجالایا، کہنے لگے "آدمی کام کا نہیں ملتا" میں نے ہات باندھ کر عرض کی، سبحان اللہ کیا

لطف آرام کا نہیں ملتا
آدمی کام کا نہیں ملتا!
(داغ)

بے ساختہ مصرع ہے، ترش ہو کر بولے "لاحول ولا قوۃ ہم کہتے ہیں آدمی کام کا نہیں ملتا آپ کو سوجھی ہے شاعری، مصرع کی داد دے رہے ہیں، پھر آدمی کی بدعنوانیاں بیان کرتے کرتے کہنے لگے" بھئی تم سچے، مصرع ہو گیا، کیا یاد کروگے، پنسل کاغذ نکالو اور غزل پوری کرو، مطلع لکھو ؎

لطف آرام کا نہیں ملتا
آدمی کام کا نہیں ملتا

پھر کیا تھا، ٹہل رہے تھے اور شعر پہ شعر الہام ہو رہا تھا، چند منٹ نہ گزرے تھے کہ کام کا آدمی تو نہ ملا، اردو کو ایک دو غزلا ضرور مل گیا،

یہ تھے نواب مرزا خاں داغ، جہاں استاد، بلبل ہندوستان، نواب فصیح الملک بہادر، اللہ کا دیا گھر میں سب کچھ تھا اور نہ تھا سو قسمت میں کام کا آدمی،

~~~~~~~~~~~~

شیخ علی حزیں کی سنئے اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے، کون نہیں جانتا کہ وہ فقیر تھے! کون نہیں جانتا کہ وہ امیر تھے! اور یہ تو سب کو معلوم ہے کہ ولایت سے آئے، بنارس میں جئے اور وہیں کی خاک ہوئے، مشہور ہے کہ دستِ غیب پر بھی قدرت تھی، اودھ کے لکھ لٹ نواب آصف الدولہ کی دعوت کی، پردیس اور ان کے نک چڑھے پن کے خیال سے نواب نے باتوں باتوں میں ٹوہ لی کہ شیخ کو یہاں کوئی تکلیف تو نہیں، کہا آدمی نہیں ملتا، شکایت کی نہیں تھے شیخ کے آدمی، اسم گرامی میاں رمضانی،

~~~~~~~~~~~~

بعض بے نکرے شعر و سخن کی چاٹ میں ملاقات کے طالب ہوئے تا وقت

ہو چکا تھا، رمضانی آقا کے اوقات سے واقف، مزاحم ہوئے اس پر آپ نے بگڑ کر کہا "درِ درویش را دربان نہ باید" فقیر کے دروازے پہ پہرہ چوکی کیسا! رمضانی بولے "بباید تا سگ دنیا نیاید" منہ کی کھائی اور چپکے چلے آئے۔

برسات تھی اور مکھیوں کی یورش، نازک مزاج شیخ نے تنگ آکر کہا "رمضانی مگساں می آیند" رمضانی بے بس مگر مالک کی دلدہی بھی لازم، جواب دیا "ناکساں پیش کساں می آیند" ذوق سلیم ہے تو جواب کی داد دیجئے، ورنہ رمضانی کی آدمیت کا آخری لطیفہ اور سن لیجئے، رات تھی اور شیخ مصروف خواب، آنکھ کھلی، وقت درکار تھا، پوچھا "رمضانی از شب چہ قدر رسیدہ باشد"؟ انھوں نے آسمان دیکھ کر کہا "آغا، زلفش بہ کمر رسیدہ باشد" آدھی رات ہو چکی،

یہ تھا حزیں کا آدمی اور اسی کی شکایت ہوئی تھی نواب سے کہ جسے دے مولا، اسے دے آصف الدولہ، ہو سکے تو آدمی دلوایئے،

صفات کے لحاظ سے ہم نے بالفعل آدمی کی تین الوداع قرار دی ہیں، یہ ضرور ہے کہ اس موضوع پہ تحقیقات کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے، اور دنیا ہر جدید اضافہ کو خوش آمدید کہنے کے لئے، چشم براہ،

آپ نے کہا "کوئی ہے؟ دین آئند! ایک گلاس پانی لاؤ" "جی حاضر، بہت خوب، ابھی لایا، لال خاں، سرکار پانی مانگ رہے ہیں، سنتے نہیں، گلاس دھو کے لے جاؤ نا!"

"پانی نہیں آیا دین آئند؟"

"لایا سرکار، گلاس پاک کر لوں، کیا لال خاں، اتنی دیر سے سرکار پانی پانی

کر رہے ہیں، بھلے کا ہی وجود ہو بھیا"
پانی نہ آنا تھا نہ آیا، یہ دین اﷲ ہیں گل میخ،

"دیکھو مجو خاں یہ چپاتی ہے، بازار سے دیکھ کے اچھی بالائی تو لاؤ"
"بہت خوب، ابھی لایا، مگر یہ ہے کہ دس بجے ہیں، جمی نہ ہوگی، اور جمی بھی تو بک گئی ہوگی"
"بڑے حجتی ہو، جا کے دیکھو تو سہی"
"چلا خداوند، میں نے یوں کہا کہ یہ سات کے دن ہیں، دودھ دیر سے آتا ہوگا، جوش کھاتے کھاتے بھی عرصہ لگتا ہوگا، پھر بالائی جمتے جمتے" اور چار گھنٹے چاہیئے" ہوں گے"
یہ مجو خاں کہلاتے ہیں نجومی،

"مدار صاحب"
"جی"
"دیکھو یہ خط لے جا کے بھائی محمد حسین تحصیلدار کو دو، اور ابھی جواب لاؤ دیر ہوئی تو تمھیں جانو گے"
"میاں ابھی لایا" کہہ کے جومدار صاحب نکلے تو صبح کے گئے گئے ڈیڑھ بجے لوٹے،
"یہ تم آٹھ بجے گئے تھے اور غضب خدا کا دوپہر ڈھلے آئے ہو، عدن باغ کے پیچھے تو بھائی صاحب رہتے ہیں، جواب لائے ؟"
"لے میاں آپ ناراض ہوتے ہیں، پہلے پہلے سن تو لیجئے، گھر سے نکلا موڑ سے آگے بڑھا تھا جو پہرے کے جوان نے ڈانٹا کہ رستہ بند ہے، بڑے صاحب

کی سواری آرہی ہے، کیا کرتا میاں رکنا پڑا، گلیوں گلیوں گھوما، جدھر جاؤں ناکے بندی کہیں ڈیڑھ گھنٹے بعد راستہ کھلا، تحصیلدار صاحب میاں رات سے مجرے میں گئے تھے، سورج نکلے آئے آرام کرنے چلے گئے، بہ مشکل سامنا ہوا، خط دیکھا سرکار کے ڈر کے مارے بھاگم بھاگ چلا تو یہ ہوا کہ اُدھر سے آرہا تھا تانگا، ادھر سے جارہی تھی موٹر، دونوں میں ہو گئی ٹکر، دونوں پولس میں نتھیائے گئے، گواہی میں غلام بھی دھرا گیا، بیان ہوا، مچلکے لئے گئے، بارہ پیسے جوان کو پوجنا پڑے تب جاکے چھٹکارا ہوا، خداوندا ہانپتا کانپتا حاضر ہوا ہوں، آگے آپ مالک ہیں"

واقعات اس کے برخلاف تھے، بڑے صاحب کلکتے میں، مجرا اور بھائی صاحب! سن پائیں تو مدار صاحب کو سولی ہی تجویز کریں، موٹر کا حادثہ دل کی اپج اور یہ مدار صاحب مصنف! سنا ہے کہ ایک فاضل مفکر نے "آدمی" کی چوتھی نوع کا بھی پتہ چلایا ہے انداز کہتے ہیں کہ یہ قسم ہماری دریافت شدہ انواع سے کہیں زیادہ مخدوش اور بے پناہ ثابت ہونے والی ہے، کردار کے لحاظ سے اس کو "شاعر" کے نام سے موسوم کیا جائے گا، تحقیقات مکمل اور مسلّم ہو جانے پر جب، تو کسی آئندہ صحبت میں آپ سے بھی ملائیں گے،

〰〰〰

اتنی بجو اس کے بعد نہیں رہا جاتا، جی چاہتا ہے کہ نمونہ کے طور پر اپنے دو ایک "آدمیوں" کا کردار بھی آپ کو دکھا دیں اور سوال کریں کہ اسکے بعد ہمیں پاگل خانے نہ بھیجنے کا ذمہ دار کون ہے؟

(منشی ..) نام بہ قول ان کے "اماں کے مرشد رکھیں مو محبوب ساب" دیس کرناٹک، لائے گئے اور چہرہ نویسی کے بعد گھرہ بھر سے دیا گیا، پہلے دن محبوب ساب کا نقشہ بقول عزیزیہ رہا کہ ؎

دیکھ کر ہر درو دیوار کو ششدر رہنا
وہ مرا پہلے پہل داخل زنداں ہونا

دوسرے روز محوب ساب نے گرستی کے ہر جزو کل کو دیکھا، سنا، سونگھا، چھوا اور چکھا اور تیسری صبح کو بے تکلف اعلان کر دیا کہ "سب سمجھ گئے مگر ہمارا بغیر فریم کا چشمہ، پمپ شو، سٹمس چولہا، گراموفون اور ترچھا پیجامہ! تو درجہ کیا! "کاڑیا نیں سو چشمہ کیسا ٹکا" ایندھن بنا چولھا کیسا سلگا، چپٹی برابر توے میں ٹنگی بگاڑا کیسا سیایا اور ڈھیلا نیں سو پیجامہ کیسا چڑھایا" سمجھانے پر اپن کا منہ پھیر کر کہنا کہ "سرکار چپ بولتیئں" بریں عقل و دانش رونے، رلانے یا رونے کی صورت بنانے کے ماسوا ہم لاجواب بھی تھے،

اسی طرح نام کے معاملے میں بھی ہمارے احساس خداوندی کو زک اٹھانا پڑی کہ ہم نے "محوب صاحب" میں خفیف سی نفظی ترمیم پیش کی اور انھوں نے یہ ٹکا سا جواب دے کر مسترد کر دی کہ "اپن گانوں کھیڑے کے لوگاں، "محبوب صاحب" کے اتا بڑا نام کائی کو"

ضمیر متکلم کی بازی ان کے ہاں ایک سرے سے نادار تھی، اجنبی سے ہم کلام ہوں، تو اس کے تواس کا وے کا ٹیں کہ ایک کہہ رہا ہے دوسرا سن رہا ہے یہ ثالث بالخیر "محوب ساب" کون ہیں اور کہاں ہیں،

کوئی حکم دیجیے، کسی کام کو کہیے، جب تک منہدی کی چندی نہ کرالیں کیا مجال جو محوب ساب تعمیل کریں یا کر سکیں، مثلاً پینے کے لیے پانی منگوانا ہو تو کہنا پڑے گا کہ کانچ کا ـــــ بڑا گلاس ـــــ دھو کر ـــــ کوری صراحی سے ـــــ پینے کے لیے ـــــ ٹھنڈا پانی لاؤ" ورنہ یقینی ہے کہ لوٹا، گلاس، صراحی، مٹی، گھڑا، اور مٹکا جس حال میں ہو بہ صیغہ جمع حاضر، اور حق انتخاب آپ کے لیے محفوظ

کھانے پکانے کا احوال بھی مزے دار ہے، اس کا چٹخارہ بھی لیتے جائیے، محبوب ساب کے ہات کی چپاتیاں ہم خرما و ہم ثواب کھانے سے پہلے ریاضی کا بھولا ہوا آموختہ دہرا لیجیے، اقلیدس کی کوئی شکل ہو کسی مقالے کی ہو دستر خوان پر حل پائیے گا، مرچ مسالے کے بارے میں یہ کسی تناسب کے قابل نہ تھے دال میں نمک ہو یا نمک میں دال، بہرحال جزو بدن ہونے کی صلاحیت رکھتی تھی قورمہ جل جائے تو نتیجہ کباب اور ترکاری کے ساتھ چھری بھی دم ہو جائے تو صبح کو خاصا جلاب، شبر برنج میں پیاز کا بگھار اگر مانع نفخ تھا تو مزعفر میں ہینگ کی پٹ دافع نقص۔

معاف کیجیے گا آپ کے ضبط سے حسن ظن رکھتے ہیں، ڈر لگتا ہے، ورنہ محبوب صاب کی "تاریخ وار" "آدمیت" اپنی آپ بیتی سے جو خدا کو حاضر ناظر جان کر ہاں سے پیٹ سے لکھی گئی اور یہ ثبات "جوش و حواس" گور کے منہ تک لکھی جائے گی، نقل مطابق اصل کر کے آپ کے لیے "سرمۂ مفت نظر" بنا تے، پھر بھی ان عجائب المخلوقات کی دو ایک کرامات اور سن لیجیے۔

شہری تہذیب کے تحت انھیں سدھایا گیا تھا کہ صبح صبح پڑوس کے بڑے بڑوں کو سلام کیا کریں، خوب یاد ہے کہ جاڑوں کا موسم سردی جو بنوں پہ محبوب ساب تڑکے تڑکے اٹھے اور سلام کا پہلا ہات ہم پہ صاف کر گئے جو بچے تو دیوار پیچ مولی صاحب کو کھٹ کھٹایا۔

معبود اللہ وظیفہ شبینہ سے فارغ ہو کر قبولیت کے بیم و رجا میں کروٹیں بدل رہے تھے کہ منادی غیب نے صدا دی، لحاف کا غلاف اتار کر آنکھیں ملتے

ہوئے برآمد ہوئے تو محوب ساب نے سارے جسم کو نوشن پہ دف بنا کے آداب کافر کیا اور دوسرا لفظ کہے سنے بغیر وہاں سے رفو ہوئے تو اس بوکھلاہٹ سے حکیم جی کو حیا اٹھا یا کہ گو یا ہم پہ سکرات طاری ہے اور طبیب کی فوری خدمات درکار ہیں حذا قت آپ سوچے ہوں گے " اچھی ہنسی ہوئی آج سویرے سویرے قشعریرہ تشخیص کر دوں گا یا نہیں ' تو دجع الکلیتین ' —— یا پھر سوء القنیہ —— بیمار اچھا ہی معلوم ہوتا ہے ' مرض ذرا تقیس نہ ہوا تو گلنا مشکل " ہتیلی کھجانے اٹھے اور اندھیرے ہیں جو بات لگا عرق ' شربت ' گولی ' معجون ، مسلح ہو کر نکلے تو محوب ساب !

" خیریت ؟ " انھوں نے پوچھا '

" خیریت کا ٹی کو ' آداب " انھوں نے جواب دیا اور سناٹا بھر کے جو سمٹتے ہیں تو ایک سلسلے سے سارے محلہ کو " آداب تے ہوئے " واپس اور تفصیلی رپورٹ

شاید اس میں کچھ لذت ہو !

ایک روز دفتر سے واپسی پہ سارے گھر کو مہکتا ہوا پایا ' آپ کی دعا سے شامہ تیز ہے ' سوں سوں کر کے چاروں طرف ناک لگائی ' شبہ ہوا کہ خوشبو کے سنتر ہیں محوب ساب ' بھوک کھائے جا رہی تھی ' دستر خوان بچھا ' آدمی صاحب قریب آئے تو خوشبو اور بھی نکھری ' شاید آج عطردان کی سیر فرمائی گئی ہو ' دریافت کیا ' آدمی تھے سچے اور دروغ مصلحت آمیز کی حکمت سے بھی نا آشنا کہنے لگے یہ کون محوب ساب ! عطر چھٹے تو بولو ' وہ تابدان میں تیل کی چھوٹی شیشی تھی نا ؟

سو اس میں محوب ساب دو پیسے کا کھوپرے کا تیل لا کو ' ملا کو ' سر کو لگا ئیں ' فیشی میں شہر کے ایک مشہور اور شوقین طبیب کا کشید کیا ہوا نہایت

بیش قیمت طلا تھا، جس میں سانڈے اور سقنقور کے ساتھ ڈھیروں مشک عنبر ملا تھا اور دانشتہ آید بکار کے خیال سے ہمارے خانگی سلیح خانہ میں محفوظ دھرا تھا،

سنبل سے گیسو سنتے آئے تھے، سروسے بال آج دیکھے بولو بھائی حکیم جی کی جے!

شہر کی بو باس آچلی تھی، پیجامہ ہوا یا' ترچھی کاٹ میں ہماری تقلید، تپلون کے پائنچے اپنی جدت، کھڑے ہوں تو کمر سے ٹخنوں تک معلوم ہوں جیسے غلاف میں اوندھا طنبورہ! فرمایا کہ "آستیناں بڑے رہے تو سٹ بول کو چڑھیئں نیں تو ساب دو دن میں بھٹ کو چندیاں بن تیئں"

پرسنل اکو نومی کا یہ نازک مسئلہ کاش ہماری کھوپڑی میں بھی گنجائش نکال سکتا، !

بعض احباب آئے بیٹھے اور چلے گئے، محبوب ساب کچھ کچھ کھوئے کھوئے سے رہے، کبھی زیر لب بڑبڑائے، کبھی بھویں سکیڑ کر دَرو دیوار کو بہ نایا آخر شاید نہ رہا گیا، ہمیں مخاطب کیا "ساب"؟

"کیا ہے"؟

"یہ ہے کہ ایک بات ہے"

"کہہ ڈالو" ہم خوش طبعی کے موڈ میں تھے،

آہستہ سے "وہ جو آپ پاس آکو گانے کرتے نئیں؟ کالے سر کی بڑی بڑی انکھیاں، سِدی کے بالاں ہیں سو؟"

"ہاں تو"

"آپ کرے، انوں نیں کرے سو بات محوب ساب بی کرناگیا" بولیں، محوب ساب؟"

ہماری صورت ایسی بن گئی جیسے چونچ کے نیچے ایک نقطہ!

وہ سمجھ گئے بولے "جس میں نشا آئی تھی سو بات"

اب کے سمجھنے کی باری ہماری تھی "ہاکم نجبت کورنشات، کورنشات"!

جانوروں کا شوق ہمارا ایک مزمن مرض ہے، اور حیرت ہوتی ہے کہ تقدیر کے رجسٹر میں کسی چڑیا گھر کے داروغہ ہونے کے بجائے ہم ڈاک خانہ کے محرر کیوں کر لکھے گئے، خیر یہ سوال تو فیڈریشن کورٹ کے حل کرنے کا ہے یا لیگ آف نیشنز کے، ہوا یہ کہ محوب ساب رخصت لے کر گئے تھے وطن اور واپس آئے اس وقت کہ ہم نہ تھے اور رات گئے آئے گھر کا حرخا حسب معمول چل رہا تھا، خیریت خیر سلا لیتے ہوئے بڑھے اور بڑی بے فکری سے آرام کمرے کا دروازہ کھولا دروازے کا کھلنا تھا کہ "خاؤں" کرکے ہم پر کوئی جھپٹا، ساتھ ہی پیچھے سے آواز آئی "ابَہ! چوراں گیراں کو اب آؤ بولو" جھپٹنے والا پلنگ کے پائے سے بندھا ہوا دوپہر کا بھوکا تیندوے کا بچہ تھا، آدمی صاحب وطن سے گاڑی پر لاد کر آقا کے شوق کی خاطر آٹھ آنہ میں یہ سستا سا تحفہ لائے تھے اور اپنی حسن خدمت کی داد چاہتے ہوئے اس بات پر سر کھڑے تھے کہ بلی خالہ کے یہ موروث اعلیٰ چڑیوں کے بڑے پنجرے میں چھوڑ دئے جائیں، جہاں "دو چار دناں چڑیاں ستائے کرے نیں تو ہل جائیں گے"

وہ تو کہئے کہ خیر ہو گئی، کبھی کا کیا لیا دیا کام آیا، یعنی کمر اور گلے کی رسی۔

بےغیرت تھی اور پلنگ کا لنگر بھاری ورنہ ......

رمنبر(۲)۔ پنجابی ساخت کے خوش رنگ چہرے پر گھنی پلکوں کی چلمن کے پیچھے دو سرد آنکھیں، بے حس، غیر متحرک بن تیور، اور اپنے ماحول کے ساتھ مل جل کر کچھ اس ترکیب کی جیسے "سنسنی خیز" یا آپکیپی آور" - یہ مہیا کرنیکے بعد عبداللہ خاں جو باقی بچے وہ جیسے ہم آپ کسی سپرنٹنڈنٹ پولس کی بیوی کے آدمی تھے جو بہ لحاظ ضابطہ میاں سے زیادہ پولس واقع ہوئی تھیں، نام کو دس روپے کھانا اور رنج میں "چنا مہینہ گھونسا روز" مقرر تھا، آپ جانتے ہیں" کھائے چنا رہے بنا، بادی گوشت چھٹا، رنگ روپ نکھرا جب ہم نے دیکھا ہے تو خاں صاحب تشریح کی تصویر تھے،

جو خود عمر بھر تعزیرات ہند کی اصطلاح میں "مابہ الاحتفاظ" کو ترسا ہو وہ نجی تواضع تو کیا کرتا، البتہ پلنگی دس اور دونوں وقت کے روٹی گوشت کے راتب پر عبداللہ خاں کا تقرر ہمارے ہوس کنٹرولر کی خالیہ جائداد پر عمل میں آگیا،

خدمت کا جائزہ لیتے ہی یہ عجیب سے عجیب ترکہ گھر پر ایک جمود طاری ہو گیا، ہر چیز چپ چپ مری مری دکھائی دینے لگی، چڑیوں کے چہچہے اور زمزمے، بطخوں کی قیں قیں، فش فش، مرغوں کی ککڑوں کوں کو یا کسی نے سب کا منہ کیل دیا، خود رب البیت کی یہ کیفیت کہ ادھر عبداللہ خاں نظر آئے ادھر رونگٹے کھڑے ہوئے، بدن جھرجھرانے لگا، ان بدکیفیوں

تو ہم نے موسم کی بے ہنگامی یا تبخیر معدہ پر محمول کیا، عرق پیے، چورن کھائے، لعوق چاٹے، سفوف پھانکے، اس پر بھی تنقیہ مزاج نہ ہوا، تو فصدیں کھلوائیں جونکیں لگوائیں اور دل بہلانے کی وہ سب ترکیبیں برتیں جن کے ہم اہل تو کیا نااہل ضرور تھے، مثلاً گانا شروع کیا، خاں صاحب کا خیال آیا اب ہم ہیں کہ لے سے خفا سُر سے ناراض، ایمن کی اِستائی، بھیروں کا انترہ، نقاشی کی، ان کا تصور بندھا، آدمی بنتے بنتے بندر ہو گیا، مضمون لکھا، عبداللہ خاں سامنے آ گئے عنوان تھا "عورت" قلم سے نکلیں عریانیاں اور فواحش

اس کایاپلٹ کو شاید دو ہفتے بھی نہ ہوئے ہوں گے، شب آدھی تھی اور ہماری خوابگاہ آدھی رات کی بھیگی ہوئی چاندنی سے نور و ظلمت کی دو رنگی میں سموئی ہوئی ناگہاں کسی کی آہٹ نے ہلکی نیند چوکنی کر دی، آنکھ کھل گئی روشنی اور تاریکی کے خط اتصال پر، ننگے پاؤں ننگے سر عبداللہ خاں ہاتھ جوڑے کھڑے تھے تا لمحہ بھر بعد وہ قدم قدم چلے اور میز کے پاس خاموش حرکات سے گویا انھوں نے لمپ روشن کیا، وہاں سے پلنگ کے قریب جھک کر ہمیں گھورنے لگے، آنکھیں پتھرائی ہوئی اور سارے جسم کی طنابیں کھچی،

"یا وحشت! عبداللہ خاں، عبداللہ خاں، عبدل" کھو کھلے گلے سے جواب ملا "بیگم صاحب، اماں سے ہٹوا ہیں نے نہیں لیا"

"دیوانے تو نہیں ہو، عبداللہ، کون بیگم، کیسا ہٹوہ، ہوش میں آؤ"

اب وہ رو رہے تھے، آنکھیں خشک اور چھوٹی چھینی کی طرح روکھی، چہرے کے عضلات بے جنبش، عبداللہ خاں نہیں، ان کا حلق ہچکیاں لے رہا تھا، دفعتاً جیسے الفاظ ہوا، ہمارے منہ سے نکلا "سو نیمبولزم"

صبح کو بطور حفاظت خود اختیاری پہلا کام یہ کیا کہ اپنی ریوالور کی جوڑی کمر کی ولایتی اور ہات کی چھڑی جلاوطن، گھر کا سِل بٹا مقفل، دیا سلائی اور ایندھن کا آنا بند، رہ گئی پاؤں کی عزت، وہ تو کھو چکے تھے، مگر ہم ٹکیے، تلے رکھنے پر مجبور ہو گئے، یوں کہ پٹھان کا پوت گاہے دلی گاہے بھوت، سنا تھا اب آنکھوں سے دیکھا،

اکتائیے نہیں عبداللہ خان کا قصہ مختصر ہو رہا ہے،

چمبیلی کی جھاڑی کے زیر سایہ صحن کے ایک گوشہ میں لال کپڑے سے ڈھکا ہوا، پھولوں سے لدا ہوا کوئی بالشت بھر کا لانبا زیادہ چوڑا کم ایک غیر معمولی زمین کا ابھار نظر آیا، انوکھی چیز تھی اور بالکل بے محل، تسلی بیکاری کہیے یا بے معنی تجسس، کپڑا ہٹایا تو بعینہٖ چھوٹی موٹی تربت، وپینے سے کریدا، نرم مٹی ہٹی تو صندوق کے آثار، اندر سفید کپڑے میں ملفوف کوئی شئے، ہیئت اسپی جیسی میت، بند کھولے تو لاحول ولا قوۃ، ایک عدد منیڈکی کی کھا نگرڈ !!

ہم اسی کوہ کندن وکاہ برآوردن میں تھے کہ خود گورکن صاحب نمودار ہوئے اور اس بدعت کو دیکھ کر چھاتی کوٹنے لگے،

بی منیڈکی کی حرکت قلب بند ہو کر سورگ باشی ہوئیں یا دماغ کی کوئی رگ پھٹ کر آخر تک ایک معما ہی رہا، البتہ وہ پوسٹ مارٹم انکشافات جو ہمارے "انفرمیشن بیورو" کی وساطت سے ہمارے فردوس گوش ہوئے یہ ہیں کہ ان کے باقیات الفاسدات ایک روز باورچی خانہ کی صفائی کے سلسلے میں عبداللہ خاں کو دستیاب ہوئے تھے، بہ نیت ثواب اور فرض کفایہ سر سے اتارنے کے خیال سے انھوں نے پورے واجب اور ناواجب ارکان ادا کر کے تجہیز و تکفین کی تھی، اس کار خیر میں اس طرح تک غائبانہ ہم بھی شریک تھے کہ

کفن ہماری پرانی اچکن کے دامن ہی کا دیا گیا تھا اور حنوط کے لئے عطر بھی ہمارے ہی سنگار دان نے بہم پہنچایا تھا، میت چونکہ زنانی تھی تدفین شام کے دھندلکے میں عمل میں آئی تھی، اب ہم نے "بدعت" کی تھی، ہم پہ "بی صاحبہ کی مار پڑ گئی" ان کی ارواح چڑیل بن کر ہم سے لپٹ جائے گی" اور ٹیپ کا بند یہ کہ خود "عبداللہ خاں حشر میں ہمارے دامنگیر ہوں گے"

~~~~~~

عبداللہ خاں رات بھر انگاروں پہ لوٹتے رہے، کھانا کھایا نہ پانی پیا، اور صبح کی ہون میں لالوں کے ارغنوں نے جب ہمیں بیدار کیا ہے تو نہ وہ تھے نہ ہمارے گھر کی وہ افسردگی، چمبیلی کی مہک، چڑیوں کی چہک میں، اٹھے اور ضروریات سے فراغت کر کے اپنی سب سے بڑی جانماز پہ آسمان کی طرف منہ کر کے بصمیم قلب عہد کیا کہ "دنیا میں اکیلے آئے تھے، ہو سکا تو اکیلے جئیں گے اور بن پڑا تو اکیلے ہی مریں گے، مگر آدمی کا نام نہ لیں گے"

~~~~~~

. . . .

. . . .

صورت حال،

یہ مہر ۱۳۵۳ فصلی ہے، اور ہم ایک بڑے اجگر قال اللہ قال الرسول کی سجھائی ہوئی شرعی "تاویل کی آڑ میں کفارے کے تین روزے رکھ کر، جو اس مہنگے سمے "راشننگ بورڈ کی مساعی جمیلہ" کی بدولت سحر سے افطار تک تین بار تین روپے روز کے حساب سے سستے ہی پڑے ہیں،

"آدمی" کے معاملے میں اپنے قول و فعل و قسم کا بندھن توڑ کر آزاد ہو چکے

ہیں، اور اس زرین ڈپلومیٹک اصول کی سند پر کہ کھا کر پچا لینا ہی قسم کے پختہ ہونے کی دلیل ہے، اپنے اور ایک عدد "آدمی" کے تعارف کی عزت حاصل کر رہے ہیں،

جانی صاحب،

ہمیں ان آدمی کے افعال و خواص کا تجربہ ابھی بہ قدر تبرک ہی ہوا ہے مگر ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات، جو ہونے کو ہے اس کا اندازہ کچھ اس واردات سے ہو سکتا ہے کہ ملاقاتی کمرے کا ایک پاانداز اتفاقاً بھیگ جانے سے دھوپ میں ڈالا گیا اور سوکھ جانے پر ان سے کہا گیا کہ جگہ پر رکھ دیں جانی صاحب نے پاانداز کے بدلے پہلی چیز جو "جگہ" پر رکھی وہ ایلومنیم کا ڈھلا منجھا پنسیرا دیگچہ تھا!

"عجب آدمی ہو بھئی، پاانداز لاؤ پاانداز"

سمجھ کے مارے ان کا چہرہ چمک اٹھا، "اچھا ڈوڈو؟" کہہ کر لائے تو گھیا کدو کا وہ نادر نمونہ جو ایک ترکاری اگاؤ، شوقین کے باغیچہ سے سرکاری نمائش میں اور وہاں سے ہمیں تحفۃً آیا تھا،

رفتار کے اعتبار سے جانی صاحب کا سالم قد ناف کو نقطۂ تقسیم مان کر کم و بیش ایسے دو جز میں بانٹا جا سکتا ہے جو ایک ہی وقت میں دو مخالف خطوط مستقیم پہ حرکت کرتے ہوں یعنی کمر سے اوپر سر تک، چوڑائی میں چلتا ہے، تو کمر سے نیچے پیروں تک لمبائی میں بھاگتا ہے اور شاید اس خیال سے کہ شاید نقطۂ تقسیم کہیں اپنی جگہ سے سرک نہ جائے جانی صاحب چلتے وقت کمر کے دونوں جانبوں کے اندر ہاتھ ڈالے کمر کو مضبوط پکڑے رہتے ہیں اور ہلنے نہیں دیتے،

کورے گھڑے میں مٹھی بھر جھنجھی کوڑیاں ڈال کر خوب ہلایئے اور اس گھڑ گھڑ میں کسی گندے گڑھے کے لمبو ترے مینڈکوں کی ٹر ٹر سمویئے، پھر اس آمیزے کو انسانی حلقوم کے سانچے میں ڈھال کر الفاظ کا جامہ پہنا دیجئے، اس کا ماحصل جانی صاحب کی گفتار نہ نکلے تو کان کاٹ ہم بدتے ہیں۔

روز کا کوڑا، چولھے کی راکھ، دستر خوان کی ہڈی گدڑی حجامت کا تراشہ آٹھ آٹھ دن گھر میں امانت رہنے کے بعد بھی صاحب خانہ کے بلا اذن باہر چلا جائے تو ان کی جان ایمان میں درز پڑ جائے،

ڈنر سٹ کا نا، چائے کے برتن بے جوڑ، گلاس پر گلاس نرے کانچ کے ٹکڑے، صراحیاں گھڑے فولاد کے نہیں ہوتے، گھی کی بھری مٹکی میں چھولے ہدا چوہا تہ نشین، قورمہ میں اکثر مکھیاں دم، حلوے میں ٹیبل سالٹ کی مٹھاس سچ بولیں جانی صاحب، خمیازہ بھگتیں ہم، رہی بے احتیاطی سو خطا ہے کوئی تعزیری جرم نہیں،

بہر حال ان کے ساتھ ؎

زندگی اپنی جو اسطرح سے گزری غالبؔ
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

گھر پھونک تماشا

بپھر کر بولیں "کیا خوب! اماں باوا کے گھر سے مجھے یوں ہی ننگی بچی لائے تھے جو اب میری لڑکی کے لئے جھومر اور گلوبند کے نام پر ایک نہیں کی ہزار نہیں ہو رہی ہے؟ بلا سے بالی پتے نہ سہی، کرن پھول جھمکے لانا ہوں گے اور بھئی چاہے کچھ ہو، جڑاؤ کنگن کی جوڑی تو لونڈیا کے ہاتھ میں ڈالوں گی ضرور ڈالوں گی پہنچیاں چوہے دنتیاں میں نے اپنی اجلو اکے علاقہ بندی کے لئے دے ہی دی ہیں، رہ گئی پازیب، وہ ایسی کیا سونے کے سوا لاکھ ٹکے کی ہوگی، لانا ہی پڑے گی، نتھ، میں نے سوچا تھا نانی اماں کے سہاگ کی رکھی ہے چڑھا دوں گی کیا کیجئے اس کے موتی چھوٹے ہیں، پھر کا کا باسی، نوج میں اپنی ناک کٹاؤں دو موتیوں بیں لنکا سونی نہ ہو جائے گی، برابر کا جوڑا ہو، خوش بیاض، غلطان، بلے ڈول کا داک نہ ہو . . . .

"تیوری کیوں چڑھ گئی، تانبے کے باسنوں کی فکر آپ کے سر نہ ڈالوں گی جی اللہ کیا، میں نے سب جگو رکھے ہیں، قلعی بھی ہو چکی، چاندی کا لوازمہ بے شک کر کے آنا ہے۔ بس ایک سادہ سادہ مخمل کا پاندان، اسی کے لائق کا اگال دان، نقشی لوٹا، خدا کے لئے اتنا سہی نہ اٹھا لائے گو۔ مجھے

زہر لگتا ہے، انگوری بیل کا ہو اور سجل ہو، منی سی سلفچی، بلیسن والی اور دیکھئے... ہاں... تھالی جوڑ، عطر دان، کنگھا، آئینہ، اور ہاں بڑی کتاب کے لئے رحل...... پھر ٹھاکوٹ کر فرمایا "بھئی اللہ تلکی پڑے اس نگوڑی یاد پر، کچھ رہ گیا ہو تو آپ بجو دیجئے گا...... مگر خاتون جنت کی قسم جتائے دیتی ہوں، ایک عدد بھی ان میں سے کم ہوا تو کنبے برادری کے آئے بہنے کو سلامتی سے آپ جلیں، نبدی تو سہرا چاٹ کے سو رہے گی"۔ ملاحظہ ہوا سے کہتے ہیں تیر اہاٹ۔ اور یہی ہے "گھر پھونک تماشے" کا پہلا پردہ۔

ایک دو منزلے مکان کا صدر ہال، در و دیوار کا لال چہچہاتا رنگ، دیواروں پر جابجا گلدستے، گئو ماتا اور گنیش جی کی دھارک چتریں، دری پہ میلی چاندنی اس پہ پرانا زدہ قالین۔ چھوٹے بڑے تکیے، تجوریاں، بہی کھاتے، قلم پیتل کی دواتیں، ریت کی ڈبیاں، کسوٹی، دھرم کانٹا اور ان کے بیچوں بیچ ہیں ؎

خیال کس کا الٰہی دماغ میں آیا
کہ چلتے چلتے مری نبض بار بار رکی

گاڑھے کی مرزئی، موٹی دھوتی پہنے، پگیا جمائے، تلک لگائے، عینک چڑھائے توند بڑھائے۔ "اسّی کے سَو، سَو، دو سَو...... دو سَو...... اوپر کے سَوا سَو" ...... ایک ہی گہری ڈکار نے اصل اور سود کی میزان لگا دی"...... سَوا تین سَو...... برابر سَوا تین سَو"...... لالہ پارس رام جی اگروال دیکھنے میں سادھو کار، برتنے میں کیمیاگر، چٹکی ڈالیں، مٹھی بھر نکالیں، کوڑی بوئیں

اشرفی کا ہٹ، اور کہنے کو کوٹھی کا یہ بڑا ہال، مگر برتتے ہیں کڑی کا حال۔

"آبو میاں جی، بندگی...... آج کدھر بہار ہے! جہاں آؤ گلبچا پیلے کو، تہارے چرن چھوٹے بابے کو تو ترس گئے ساب منکہ........ برکھا کی گھام تو بڑی تیز ہی رئی اے آج، ...... رجھنا! اور جھنا! ارے جے دیکھ میاں جی آئے ہیں، کچھو بڑا ہوئے تو سربت پھربت بنائے لائیں نا ہیں ہیونگو، سنی، انہیں تے سنے لا ــــ اور بورو نئیں ہے تو جان دے، تیں ٹھنڈو جھلے کھبائے دے، کا بج کو بلاتی اکھورا ہے سو باہیں لیو بھلا"

"لالہ شربت وربت رہنے دیجئے! ایک شدید ضرورت سے حاضر ہوا ہوں وہ سن لیجے"

"سو بولو ساب منکہ، جو ور کرکے بولو، بجے ساری نثو بھا تو تم میاں بھیں کے چرنن کی ہے، ہم پہ کا دھرو ہے، لیٹا ٹھر پائے کے آئے، تم نے آبرو دئی تو دوئی پیٹا کے چنا چبائے ہیں، کو ہمن کو بی ل جانت ہیں، ساب منکہ"

"لالہ یہ ہے کہ ہماری بچی کا کاج آن لگا ہے، سب بندوبست تو ہوگیا، رقم کی کسر ہے، وہ بھی کوئی لاکھ دو لاکھ نہیں، تین ایک ہزار روپے ہو گئے تو جیسے بنے تنگی ترشی سے گزر ہو نت کرکے چپارہ یا دری والوں کے ہات دھلا دوں گا"

روپے کے نام پہ معلوم ہوا کہ جیسے لالہ کے بچھو نے ڈنک مار دیا، عینک ڈھلک کر ناک کی نوک پہ آ گئی۔

"کاہی، تین ہجار! ساب منکہ ہمن نے تو اب لوں باتیوں تین ہجار نائیں کرے، تین ہجار؟"

"اے یہ تو میں خرچ ہلکا کر کے بتا رہا ہوں، بیگم ہوتیں تو پنجے سے کم نہ بھتیں"

"روپیا پانچ پچیس چھپیں تو نئے۔ جاؤ، تم سے ایسی کا منتی کھائے لنگے، کل آبرو رکا پرچا ہوئے جائے"

"پانچ پچیس کی بھی آپ نے ایک کہی، پانچ پچیس کا تو لالہ گرم مسالہ اٹھ جائے گا۔ مجھے تو سردست تین ہزار سے کوڑی کم کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ہے رام رام! ہجار ن کا تو نا تو یں نہ لیو۔ ایسا کھُر اب سمت آن لگو ہے کہ روپیا تو جیمن مور کی بوٹی ہے گئو ہے جیمن مور کی بوٹی! اب کلے اسبر سر سے بہاری لال بارن کی پانچ ہجار کی درسنی ہنڈی آن ٹپکی۔ ہمن کے تو ہات پاؤں پھول گئے کچھو اپائے نہ بن پڑی، تب جے منیم جی ہیں نا، سو اِن نے کہی کہ ساب منکہ پڑی لٹی کو گہنو آڑ کر کے دے دیو، تب جائے کے کہیں ہنڈی سکھری، چوں منیم جی ہے کہ نہیں؟"

منیم جی، آنسں کا سر، لالہ کے لاؤڈ اسپیکر، "لے اب اس میں کہا جھونٹ ہے ہم نے سوچی کہ پران گئی تو گئی کوٹھی کی مرجاد نبی رہے، گھڑی بھر گہنو لئے ہات پہ ائے گئے، سانجھ ہوئے گئی، نہ جل نہ پانی، تب کام ہنو، ایں لالہ جی؟"

نسو تو ہتی اور ساب منکہ جے جدنیا جہان کی جھ نے تو اور دلتیا ڈبوئے دَئی اے، روئی کا بجارہ الگ مندا ہے رہا اے، دوئی رپیا گٹھا تو کلکتہ بارے چھوٹے نائیں، تو ساب منکہ جے املو تو کھیں ہوئے نائیں سکت، آگے جو کم ہا ہوئے سو کہو کہ ہم تیار ہیں"

"لالہ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں، کل رت جگا ہے، اور پرسوں شادی کی بسم اللہ میں تو آپ کے بھروسے پہ رقعے بھی بٹوا چکا، ایسا ہی ہے تو رہنے کا جو نمبر آباء دادے کے وقت کا ہے اور نہیں نہیں کر کے بھی بیس بائیس ہزار کی آبرو ہے

وہ آرڈر کر لیجیے!"

لالہ کے چہرے کا جغرافیہ بدل گیا، ڈھلکی ہوئی عینک پھر سے جمائی پیشانی پر بل ڈالے اور کھولے، اور دل ہی دل میں مستقبل کا نقشہ جما کر بولے "لے اب کا بتائیں، تم نے تو ساب منکہ بڑے سوچ میں ڈار دئو۔ اس بکھت تو نبابے کے بڑے میاںجی کی یاد آئے گی، جوں منیم جی"؟

"لے اب اس میں کہا جھونٹ ہے، بنکو تمہیں دیکھے بنا چین ناہیں پڑتی اور تم بن کو دیکھے بنا سکھی نائیں ہوتے، ہے کہ نیں لالہ"؟

"تو اب جے چھوٹے میاںجی نبن کے ای پوت ہیں، تو ساب منکہ بے سودا تو کرتے ای بے گی .... سو میاںجی اب تو تم جاؤ چار چھ دناں پیچھے ایو، کچھو تجلیج کر گے، .... بندگی"

پشتینی تعلقات، کچھ پڑوس کا حق، خود لالہ بڑے دیالو، جھکنا ہی پڑا انھیں ... لکھ گئی، دو حرف، لالہ نے اتنے سے گھر کے تین کے بدلے چار ہزار چہرہ شاہی گن دیے، سود بالکل جزوی، جیسے دال میں نمک، یعنی مہینہ پیچھے صرف سات روپے، بارہ آنے، وہ بھی سیکڑے پر،

شادی رچ گئی اور وہ دیکھیے نقار خانہ سے کیا میٹھی ٹکور بج رہی ہے ...... شادی رچ گئی، مانجھا، ساچق، اس کے بعد مہندی اور پھر برات کا جلوس اس ٹھسے سے نکلا کہ سارے شہر میں دھوم مچ گئی، لوگ عش عش کرنے لگے، جوڑے تولے دیے گئے، توڑے بندی کا کھانا ہوا، قاضی صاحب آئے، نکاح بندھا، چراغ جلے، ڈومنیوں نے بنابل گگاتے اور باجے گاجے اور آتشبازی کی فیٹ فوں

ہیں بدا ہو کے لڈن بنی پرایا دھن ہو گئیں،

مہمانوں میں سب سے ممتاز تکلفی کپڑے پہنے، بنارسی دوشالا اوڑھے کوئی تھا جو بھنگیائی آنکھوں سے یہ "گھر پھونک تماشا" دیکھ رہا تھا اور ہتھیلیاں کھجا کھجا کر کہہ رہا تھا " اسّل کے چار ہجار . . . . چار ہجار" کہ پردہ گر گیا۔

دن بیت گئے!

آج اسی اسٹیج پہ "گھر پھونک تماشے" کا ڈراپ سین ہو رہا تھا! نوٹس! سمن!! دعوی، ڈگری، قرق اہلِ!!!

" اس مکان کی سرکاری بولی ایک ہزار! ایک ہزار ایک! ایک ہزار دو!

لالہ پارس رام جی اگروال انگلیوں پر چپکے چپکے حساب جوڑ رہے تھے، " اسّل کے چار ہجار . . . . چار ہجار . . . . اوپر کے تین ہجار سات سے بیس، سوجے ملا کے بھئے سات ہجار اور سات سے بیس' بابو اور ساب منگہ تختانہ کے دو شو، اور طلبانہ کے دو شو اور ہرجانے کے دو شو، ہیجان بیٹھی آٹھ ہجار اور تین سے بیس" . . . . . .

"ہماری بولی آٹھ ہجار تین سے بیس"

"آٹھ ہزار تین سو بیس، آٹھ ہزار تین سو بیس . . . . . . ایک' آٹھ ہزار تین سو بیس . . . . . . دو! آٹھ ہزار تین سو بیس . . . . . . تین"!

منیم جی نے بڑھ کے گھر کو اپنا تالا لگایا اور پردہ گر گیا۔

یہ جھوٹ ہے

اگر ہم خود اس وقت جھوٹ نہ بول رہے ہوں تو کہہ سکتے ہیں کہ پرانے سے پرانے دقیانوسی جھوٹ بولنے والے بھی قصور معاف، ٹھیک ٹھیک نہ بتا سکے کہ جھوٹ کی ابتدا کیوں کر ہوئی، پہلا جھوٹ کب بولا گیا اور بولنے والا کون ذات شریف تھا،

زیادہ سے زیادہ مواد جو اس فن لطیف کے متعلق ماہرین کے سینہ بسینہ چلا آ رہا ہے، اتنا ہی ہے کہ جھوٹ پہلے بولا گیا، پھر فن کے خادموں نے اس کو محفوظ اور زندہ رکھنے کے لئے اتنی ترقی اور کی کہ جھوٹ بھی لکھا گیا اور بس گویا اسی ادھوری معلومات اور سرسری تحقیقات پر جھوٹ کی ترکی تمام آگئے آیت والسلام، عبرت کا مقام ہے کہ طوطن خامن کے مقبرے ادھڑے گڑے مردے اکھڑے، بال کی کھال نکلی بلکہ کھال کے بال تک کھنچ گئے اور ہم سوتے بھاگوں اس کلجگ میں بھی کہ زمانہ سازگار اور گردو پیش ہموار ہے اسی نقطہ پر گھوم رہے ہیں جہاں سے چلے تھے، اور جھوٹ سے عام پسند انسٹی ٹیوشن کے بارے میں محض اتنی ہی منطقی دریافت کر سکے ہیں جتنی بادشاہ بخیر حاجی بغلول نے اونٹ کی پیٹھ کے متعلق کی تھی یعنی "کچھ پیٹھ جو اونچی اونٹ کی

انچائی سے نہیں، یہی پیٹھ اونچی اونٹ کی" اس افلاس اور نکمے پن کی بدولت جو نہ ہونا تھا ہوا، یعنی جھوٹ کے پرانے حریف "سچ" نے موقع سے فائدہ اٹھا کر ڈنکے کی چوٹ، اولیت کا تاج اپنے سر پہ اوندھا لیا، پھر جیسا کہ اس کی جنم گھٹی میں پڑا ہے کہ میٹھا میٹھا ہپ، کڑوا کڑوا تھو، جھوٹ کو بھی ست شیطان کے سر تھوپ کر جلے دل کے پھپھولے پھوڑے اور ڈھول بجا بجا کے یہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ "میاں جھوٹ نفقتے میں کیا دم درود تھا، یہ تو یاروں کی ضد پہ بلوایا گیا ہے اور بھروایا ہے" یہی نہیں، جھوٹ کو بدنام کرنے اور اس کی ہردلعزیزی کو صدمہ پہنچانے کے لئے رقابت کی دھن میں "سچ" کے منہ بعض ایسے واقعات بھی سننے میں آئے جن کی ہم جھوٹوں کو بھی خبر نہیں مثلاً طعنہ دے کر کہا گیا کہ جھوٹ خود اپنا کوئی وجود نہیں رکھتا، بلکہ نقالی اور سچ کے پورے پورے چربے اتارنے کا نام ہی جھوٹ ہے، اس دعوے کا ثبوت یوں دیا گیا کہ فرض کیجئے، ہماری جیب میں روپیہ نہ تھا، آپ نے مانگا اور ہم نے کہا "نہیں ہے" یہ ہوا "سچ ہے" اور جیب میں روپیہ تھا، آپ نے مانگا، اور ہم نے ان ہی سادہ تیوروں سے، پیشانی پہ جھول ڈالے بغیر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے جیب ٹٹولتے ہوئے کہا "نہیں ہے" اس کا نام ہے "جھوٹ"

اس موقع پہ افسوس کے ساتھ ہمیں اپنی نااہلی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ کافی مہارت ہونے پہ بھی جھوٹ بولتے بولتے اکثر سچ کا متشابہ لگ جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مسلسل کوشش کے باوجود ابھی تک ٹکسالی جھوٹ بولنے کی ڈگری نہیں ملی ہے، بڑی سعی سفارش اور جوڑ توڑ ملانے پہ جھوٹوں کی "ہر قومی کانفرنس" نے سادہ سادہ جھوٹ بولنے کا لائسنس دیا ہے،

التماس دعا ہے کہ یہی کسی طرح نبھ جائے اور کانفرنس کے اجلاس میں جواب کے ہمارے صدر مقام ولایت میں منعقد ہونے والا ہے دیسی جھوٹ کی نمائندگی کرتے ہوئے ہم سرخ رو ہوں،

آرزو یہ بھی کہ اپنے جیتے جی دشمن ہی کے فراہم کئے ہوئے مواد سے جھوٹ کے متعلق اتنی تحقیقات ضرور چھوڑ جاؤں کہ آنے والی نسلوں کے لئے سند ہو اور عندالضرورت کام آئے، اگرچہ بہت ارمان ایسے ہیں کہ دل کے دل میں رہتے ہیں، معلومات کے یہ انمول موتی روم سے شام تک اتنے بکھرے ہوئے ہیں کہ ان کی لڑیاں پرونے کے لئے انسان کی تو کیا ہستی ہے، شیطان کی عمر بھر بھی پورا نہ کرے، ایک جھوٹ بولنے ہی کی پرانی قسمیں اتنی ہیں کہ آخری سانس تک بولتے رہئے پھر بھی آمدنی میں گولر کا پھول برکت ہی برکت دکھائی دے۔ جمع کی مد بھری کی بھری رہے، ان پر چودھویں صدی کے محققوں نے جو قیمتی اور کارآمد اضافے کئے ہیں وہ گویا مدِ محفوظ ہیں، ان میں سے بعض کی افادی نوعیت اور مقبولِ عام حیثیت خاص طور پر تسلیم کی گئی ہے، جیسے شرعی جھوٹ، جسے بولنے میں ثواب بھی ہے اور سہولت بھی، ہمیشہ "انشاءاللہ" سے شروع ہوتا ہے اور آنکھوں کی چمک، ہونٹوں کی لچک سے "سچ" کی جھلک دیتا ہوا "ضرور۔ ضرور" یا "بسر وچشم" پر ختم کیا جاتا ہے، البتہ یہ فیصلہ بولنے والے کے اختیارِ تمیزی پر ہے کہ موقع محل کے اعتبار سے بولنے کا رنگ نکھارنے اور تیکھا کرنے کے لئے "آپ کے سر عزیز کی قسم" "واللہ باللہ" کی ٹیپ بھی اس میں دیتا جائے،

اسی جھوٹ کی ایک قسم وہ بھی ہے جو نکاح کے وقت کام آتی ہے، نوشہ میاں کسی "سرکار" کے خدمت گار ہی ہوتے ہیں اور تیس دن، صبح شام چلیں

بھرنے کے بعد اگر خوش قسمتی سے نادر شاہی آقا کے جرمانوں سے صحیح سلامت بچ گئے تو اصل خبر سے نہلئے پیچھے چھ روپلی کا منہ دیکھتے ہیں، اگر قاضی صاحب قبلہ کے آگے سیر نوڑھائے، سہرے مقنع کی آڑ میں دبی زبان سے چبا چبا کے لجا لجا کے جب کہتے ہیں کہ مسماۃ فلاں بنت فلاں کو بہ عوض مبلغ پانچ ہزار سکہ شاہی ایک اشرفی رائج الوقت دین مہر کے قبول کیا میں نے" اور سسرالیوں پر جو خطا معاف، اکثر امی گنتی کے سوار اور نیک نیتی کے سفیر عہدہ دار ہوتے ہیں اپنی ساکھ کی دھاک بٹھانے کے لیے شین قاف کے صحیح مخرج اور زیر زبر کی پوری پابندی کے ساتھ اس قول کی تکرار بھی فرماتے ہیں تو اس وثوق سے فرماتے ہیں کہ روپئے کا ذکر تو چوں مد بہ حساب اندر ہے، خطبہ ختم، رقم بے باق اور دلہن بطور رسید وصول، اس معاملہ میں توبہ توبہ بدگمانی سے بچنے کے لیے، یہ سمجھ لیجیے، کہ دولہا دلہن کی یہ جوڑی اگر محض ہوا پر جینے کا تہیہ کرلے، اور سنت پیغمبری کے ساتھ ساتھ بیاہی زندگی کے دوسرے واجبات میاں کے گلے نہ پڑیں تو معمولی ضرب تقسیم کا سوال ہے کہ چھ روپیہ ماہوار قسط کے حساب سے پانچ ہزار کی خفیف سی رقم صرف اٹھتر سال پانچ مہینے اور دس دن کی قلیل مدت میں ادا ہو جائے گی، رہی ایک اشرفی سو اسے حسنِ کلام سمجھنے میں کوئی امر مانع نہیں،

لکھے ہوئے جھوٹ کی ایک معمولی مثال وہ سارے دیوان، مثنویاں، واسوخت اور کلیات ہیں جو اس مٹی پانی کی دنیا میں اگر وجود پا جائیں تو آپ ایک عجیب ہڑبونگ دیکھیں یعنی عاشقوں کی بھرمار سے ادھر دوا فروش اور بزازوں کی دکانوں پہ الو بولنے لگے۔ اودھر دنیا بھر کے اسپتالوں اور گورستانوں میں تل دھرنے کو جگہ نہ ملے۔ "حسن رہ گزرے" یا "پس دیوارے" نزیرات

کی کسی نہ کسی دفعہ کے تحت جیلخانوں میں ہو، یا حبس دوام بہ عبور دریائے شور ورنہ پھانسی گھر تو یقینی، اور ازالہ حیثیت کے مدعی "رقیب اور آسماں" وکیلوں کی دربارداری یا عدالت کے کٹھرے میں،

اس جھوٹ کا نمونہ ملازمت کے کارناموں اور بیمہ کمپنیوں کے اقرارناموں میں عمر کا خانہ ہے، جو سوچ سمجھ کے اس حساب سے بھرا جاتا ہے کہ ہم آگے چل کر یا تو پنشن دیر سے ملتی ہے یا پالیسی کی رقم جلد ہات آتی ہے،

یہ عام جھوٹ کی ایک مجمل تشریح تھی، اب جھوٹ کے دو ایک نادر نمونے پیش کرنے کی اجازت حاصل کی جاتی ہے۔ اگر پسند خاطر ہوں۔ آپ سے بڑھ کر نہیں، شوق سے کام میں لائیں، اتنا ہے کہ فن کے اس خادم ہیچ مداں کو جس نے محض رفاہ عام کی خاطر ذات خاص کے لیے ان کا پیٹینٹ کرانا گوارا نہیں کیا، دعاؤں میں یاد فرمائیں ؎

سراپا منت نظر ہوں مری قیمت یہ ہے
کہ رہے چشم خریدار پہ احساں میرا

عجب بات ہے اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بولنے اور لکھنے کے علاوہ جھوٹ لگایا بھی جاتا ہے، اور ان عمر دراز شوقین بزرگواروں کے کام آتا ہے جو بکاحوں کے عادی اور بیویوں کی اکھاڑ پچھاڑ کرتے کرتے پیشہ ور شوہر سے ہو جاتے ہیں، اس جھوٹ کی محرک یا تو وہ مشاطہ ہوتی ہے جو ہر پیغام کے وقت جناب ممدوح کے اوصاف حمیدہ کی فہرست گناتے ہوئے سن و سال کو " بس پینتیس یا چھتیس" کی لپیٹ سے جس میں نزلہ بھی شامل ہوتا ہے نکلنے نہیں دیتی، یا خود ان کا وہ مغالطۂ نفس جو چشم بدور پچیسویں سالگرہ کے بعد کلوں پہ ہر دوسرے تیسرے چیونٹی کے انڈے دیکھ کر سرکشی کرتا ہے، یا ہفتہ وار منہ پر سفید چیونٹی کا پلنا برداشت

نہیں کر سکتا۔ اس جھوٹ کا بازاری نام خضاب ہے اور اس لحاظ سے نہایت کامیاب ہے کہ بڈھوں کو بہلالو، بچوں کو ڈرالو اور بیوی کو پھسلالو۔

اس سے عجیب تر وہ جھوٹ ہے جو دانتوں کی شکل میں لگایا جاتا ہے کڑاکے کے جاڑے ہوں، پوپلے منہ میں چوکا جڑا ہو، بڑے میاں کہیں گے اور آپ بیتی کہیں گے کہ "میاں پانی دانتوں میں لگتا ہے سردی کے مارے دانت سے دانت بج رہے ہیں" مگر جھوٹ کی یہ شکل جب عینک کی صورت میں لگائی جاتی ہے تو اکثر مخدوش ہو جاتی ہے اور لگانیوالے پر اکثر یہ مثل صادق آتی ہے کہ "بابا تیرے تین نام، پرسی، پرسا، پرسرام" مطلب یہ کہ لگائی نہ تھی برابر کا دیکھتے تھے، لگائی، ڈیوڑھا دونا دیکھنے لگے، جاتی رہی اندھے ہو گئے،

جھوٹ بول چکے، لکھ چکے، لگا چکے، اب لگے ہاتھوں پہن بھی لیجے بٹیر سا چپکا ہوا سینہ، ڈھلے اترے ہوئے شانے، ہنسلی کی ہڈیاں، جیسے بندھیا چل کا پہاڑی سلسلہ، پتلی فرقرے کی سی گردن، گئے اور جوڑا بدل کر برآمد ہوئے تو اے سبحان اللہ! یہ تو آواگون کا مسئلہ طے ہو گیا، راست قد، چوڑا، ابھرا تنا ہوا چھاتا، سطح ایسی ہموار کہ مزے سے فنگر بلیر ڈکھیل لیجے دونوں مونڈھے ایسے چورس کہ آپ کہیں رندا کر کے بنوائے ہیں، گردن سیدھی، جس پہ سر ایسے گھومے جیسے لوہے کی سیخ پہ مرغ باد نما، یہ سب ملا کے ایسا چوکور کہ اقلیدس کے مربع کی تعریف جھوٹی پڑ جائے اب اسے کوٹ شروانی یا درزی کی کارستانی کہہ لیجئے ورنہ ہے دراصل یہ پہنا ہوا جھوٹ اور اب اس کثرت سے پہنا جاتا ہے کہ کسرت حرام اور اکھاڑے مقفل!

اور تو اور جھوٹ رو یا بھی جاتا ہے، اس کا مظاہرہ اکثر اس کنجوس

باپ کی وفات مسرت آیات پر ہوتا ہے جس نے اشرفی تولہ کی اولاد کو جیتے جی کوڑی کوڑی کو ترسایا ہو، اور خود کوڑی کوڑی کو ہات سے نہیں دانت سے اٹھایا ہو، یہ جھوٹ حساب سے رویا جاتا ہے، یعنی ترکہ اگر بے منت غیرے مال موذی نصیب غازی ہونے والا ہے تو آنسو موٹی موٹی لڑی بن کر گرتے ہیں اور کم سے کم پھولوں تک مسلسل گرائے جاتے ہیں اور مد محفوظ میں یہ گنجائش بھی احتیاطاً رکھی جاتی ہے کہ اس تقریب کے سلسلہ میں ہر نو وارد کی آمد پر یہ جھوٹے موتی آنکھ بھر بھر کے نچھاور کئے جا سکیں، اور حصہ رسدی، یا واجبی ہی واجبی ملنے کی صورت میں آپ رسائی کی مشین البتہ کوتاہی سے کام کرنے لگتی ہے، اور جھوٹ صرف پسیج کر ہی رہ جاتا ہے، رونے والے کا عالم یہ ہوتا ہے کہ حلق میں ہچکی آنکھ میں لالی، لب پر آہیں، دل میں تجوری اور نئی زندگی کا نقشہ پیش نظر، قصہ مختصر یہ جھوٹ ہے اور بولنے والا آپ کا خادم آوارہ "

الکشن سے پہلے

رواج کہیے یا قدرت کی وضع داری کہ برسات آئے تو ہیضہ پھوٹے، جاڑوں میں پلیگ سے پالا پڑے اور گرمی کے ساتھ ساتھ چیچک سے دو دو منہ ہوں،

تقسیم عمل کے یہ کاروباری اصول برتتے ہوئے اپنی اپنی فصل پہ یہ بیماریاں آتی ہیں اور انسانی آبادی سے حیثیت کے لائق اپنے حسنِ خدمت کا صلہ" اصل مع سود" لے کر یتیم بچے، کچھ بیوائیں اور ان دونوں کے حاصل جمع کے مساوی مٹی کے چند تودے یادگار چھوڑ جاتی ہیں،

مگر الکشن ایک وبا نہ کبھی فصل کی پابند ہے نہ کسی موسم پر موقوف، جب دیکھیے تب، الکشن کی مشین کہیں نہ کہیں چلتی ہی پائیے گا اسکولوں میں الکشن، کالجوں میں الکشن، کلب اور انجمنوں میں الکشن، میونسپلٹی میں الکشن کونسل میں الکشن، غرضکہ جہاں چار دو پائوں والے اکٹھے ہوئے اور الکشن کے جراثیم پھیلے، فرق اتنا ہے کہ ہیضے اور پلیگ پر جانوں کی بھینٹ چڑھا کر پیچھا چھوٹ جاتا ہے، مگر الکشن جب پھیلتا ہے تو بیمار کی جیبوں کو تلی ہو جاتی ہے،

برسوں کے ڈھکے چھپے ابھرتے ہیں، دلوں میں غبار آجاتا ہے، اور الکشن کا بحران محمود نہ ہوا تو دیکھا گیا ہے کہ ہات اکثر اپنا طبعی وظیفہ چھوڑ کر پاؤں کا کام دینے لگے اور زبان، یہ پورا برابر کی منی جان بڑھ کے ہات بھر کی ہوگئی اگر ایک طرف آپ نرس، ڈاکٹر، ٹیکے انجکشن، قرنطینے اور اسپتال کا زور پائیں گے تو دوسری جانب آپ کو ووٹر ممبر، پولنگ اسٹیشن، اور ٹاؤن ہال نظر آئیں گے،

یادش بخیر اب سے دور ایک بار یہ خاکسار بھی اس بلا سے دوچار ہوا ہے جس کی روداد حرج نہ ہو تو آپ بھی سن لیں کہ داشتہ آید بکار اگرچہ بود سہ مار ہوا یہ کہ ایک دن ہم "بمعہ" اپنے اہل وعیال صبح کے ناشتے سے نبٹنے میں ہمہ تن مصروف تھے، ماشاء اللہ نصف درجن کے لگ بھگ برخوردار اور برخورداریاں اور ایک عدد "وہ" دسترخوان کی بساط پر شطرنج کے مہروں کی طرح بسے ہوئے، پراٹھوں سے انڈے، انڈوں سے قیمے، اور قیمہ سے اچار تک چوطرفی لڑ رہے تھے کہ دروازے پر بائسکل کی چم چم اور گھنٹی کی ٹن ٹن کے ساتھ صدا آئی "کیانام کہ مولوی صاحب ہیں"

معلوم ہوا کہ چلتے جبڑوں میں کسی نے قفل بریک لگا دیا، سہمی آنکھوں کے کئی پھٹے پھٹے جوڑ مختلف تیوروں سے اس کھڑکی کی طرف دیکھنے لگے جدھر سے چلمن کی تیلیاں توڑ کر "کیانام کہ مولوی صاحب" کی دخل در معقولات صدا زنانہ پنجرے میں آئی تھی، خود ہماری یہ کیفیت ہوئی کہ انڈے کی زردی جو تہ نشین ہونے کی پہلی منزل طے کر کے ابھی سلامتی سے ٹینٹوے ہی کے اندر کھیل رہی تھی، "کیانام کہ مولوی صاحب" کے ساتھ جہاں کی تہاں ٹھس کے رہ گئی، دم خفا ہوجاتا اگر بیگم کی اماں پانی کا چھل چھلاتا کٹورا فوراً منہ سے نہ لگا دیتیں

یاد ہی۔ کیا نام کہ مولوی صاحب" کے بم کا دوسرا دھماکا کانوں کے رستے اتر کر حلق کی سکڑی ہوئی چوڑیوں کو ڈھیلا نہ کر دیتا' چنانچہ ادھر زردی کھٹ سے منزل مقصود کو پہنچی ادھر لائن کلیر ہوتے ہی اس مضمون کی پہلی اطمینانی سانس بھی آئی کہ آواز دینے والا نصیب دشمناں مکان دار کا آدمی' بننے کا گماشتہ یا ساہوکار کا منیم نہیں ہے' اس لئے کہ تنخواہ کی پانچویں کو "مولوی صاحب ہیں ؟" کی ہرصدا پر اگر ہامی بھر لی جائے تو چھوہارن کے لذیذ پروگرام کی تکمیل خطرے میں پڑ جائے، احتیاطاً گلے کا روپ بدل کر پوچھا "کون صاحب ہیں" ؟

جواب ملا کہ " میونسپلٹی کے منشی جی ہیں اور کیا نام کہ اسم نویسی کو آئے ہیں' گھر میں کوئی مرد ہو تو بھیجئے"

مرد کا قرعہ تو خیر ہمارے نام نکلا' مگر یہ اسم نویسی ؟ آئینہ پہ نظر پڑی ہمارا کھایا پیا چہرہ انگریزی کی علامت سوال کی طرح چونچ کے نیچے ایک نقطہ بن کر رہ گیا تھا !

نکلنا ہی پڑا'

دیکھا تو نو وارد سچ مچ کے منشی جی' بغل میں بلا مبالغہ چھوٹے چھپر کی برابر رجسٹر دبائے کھڑے تھے' مردانے میں بٹھایا اور رونق افروزی کی علت پوچھی فرمایا" فدوی کو جو ہے سو کہ منشی بدرالدجیٰ صاحب کہتے ہیں' مڈل فیل ہوں اور میونسپلٹی کی کچہری میں الکشن کے صیغہ کا محرر' اس حلقہ کے ووٹروں کی اسم نویسی کیا نام کہ میرے سپرد ہوئی ہے"

یہ کہتے کہتے رجسٹر کے پٹ کھولے جو اتنا لمبا چوڑا تھا کہ ہماری تو ہماری باوا آدم سے ایں دم تک کی اسم نویسی کے لئے بھی کافی اور خالوں اور جھولوں کے مارے پوری بنا رہبئی کے ریلوے اسٹیشن کا نقشہ معلوم ہوتا تھا۔

غرض کہ منشی جی نے یا فتاح کہہ کر قلم سنبھالا،
"فرمایئے، اسم شریف؟ کیا نام کہ چھوٹا کر کے بتایئے گا، چھاپہ خانہ کی غلطی سے نام کا گھر ذرا اوچھا ہو گیا ہے۔"

ہم نے کہا "منشی جی، دعا سے آپ کی، آدمی خاندانی ہوں، کنیت عرفیت، شریعت، طریقت ملا کے اس نیاز مند کا اسم شریف اتنا طویل ہے کہ آپ کے دس خانوں میں بھی ہضم نہ ہو سکے گا، مگر آپ کی اور رجسٹر کی خاطر نچوڑ کر بتاتا ہوں، لکھ لیجئے، "چمن"، ولدیت کی ضرورت تو نہ پڑے گی؟"

خوش ہو کے فرمایا "ٹھیک ہے، بالکل خانہ کی برابر، سوت بھر کم نہ بال بھر زیادہ، اور کیا نام کہ ولدیت سے ہم کو کیا کام، ہوئی تو کیا اور نہ ہوئی تو کیا ووٹ کے لئے، توجہ ہے سو آپ کی مالکیت درکار ہے، اس کا خانہ آگے آتا ہے، اچھا صاحب مکان کرایہ کا ہے یا ذاتی؟"

ہم نے کہا "لے اب آپ سے کیا پردہ، مکان تو کرایہ ہی کا ہے مگر مکان دار لاولد، اور عمر کا لحاظ کرتے ہوئے شبے ماند شبے دیگر نمی ماند، برسات کی دھوپ ہی معلوم ہوتے ہیں اور معتبر راویوں سے سنا ہے کہ نام خدا ہمیں گود لینے والے ہیں، اس رشتے سے مکان ہمارا اور ہماری اولاد ہی کا سمجھئے کیا خیال ہے؟"

منشی جی کو سمجھنے میں کیا دیر تھی، خانہ پر ہو گیا "مکان ذاتی مگر کیا نام کہ بہ امید آئندہ، ٹھیک ہے نا؟ کرایہ کوئی ہزار روپئے سالانہ لکھے دیتا ہوں" منشی جی نے تجویز کیا، ہم نے مشورہ دیا کہ "پورے ہزار ذرا مخدوش ہوں گے، ایک آدھ سیکڑہ اور کچھ آنے پائی بڑھا دیجئے تو بہتر" کہنے لگے بات تو معقول ہے، کیا نام کہ آپ بھی دفتری داؤ گھات سے واقف معلوم

ہوتے ہیں، اچھا صاحب، ماہوار آمدنی کا حساب اور بتا دیجئے" ہم نے کہا "منشی جی یہ ٹیڑھی کھیر ہے، ہمارے اندرونی معاملات میں میونسپلٹی کو کیا دخل" ، کہنے لگے "مجبوری ہے، خانہ چھپ چکا ہے اور آپ جانیں ہم روٹی اسی خانہ پری کی کھاتے ہیں"

"یہ ہے تو سنئے" ہم نے کہا "ڈیڑھ سو سرکار سے اتنے ہی ساہوکار سے، تاش گنجفہ سے پچیس تیس، دوست احباب سے دس بیس"

بات واجبی تھی، منشی جی بولے "سیدھے سیدھے تین سو ساٹھ لکھے لیتا ہوں، جو ہے سو کہ بکھیڑے سے کیا حاصل، اور آپ تو ضابطہ کی رو سے تہرے چہرے ووٹ کے حق دار نکلے، لے اب حلیہ کا خانہ اور بھر وا دیجئے"

ہم نے کہا "منشی جی پہلے الکشن کی تاریخ بتائیے پھر حلیہ کا تصفیہ ہوگا یوں کہ ۲۰ تاریخ کے اندر اندر ہو گیا تو آج کا حلیہ پورے باون تولے پاؤ رتی اترے گا ورنہ تلبیس شخصی میں ہم دھرے جائیں گے اور حلف دروغی میں آپ"

یہ سن کر منشی جی جو رجسٹر کے "تصدیقی دستخط" کا خانہ گھر سے پیشگی ہی بھر لائے تھے ذرا سٹ پٹائے اور تسلے کے پیچوں کو ہٹا کے کھوپری کو جگہ جگہ کریدا کھجایا اور کھٹ کھٹایا، مگر اس معمے کا کوئی حل نہ پا کر قفل ابجد کی طرح بند کے بند ہی رہے،

"منشی جی" ہم نے کہا "معاملہ یہ ہے کہ ہمارا حلیہ جیب کی موجودات کے ساتھ ساتھ اسی طرح بدلتا رہتا ہے جس طرح سورج کی روشنی کے ساتھ گرگٹ کا رنگ، آپ دیکھیں گے کہ ۲۰ کے بعد ہی یہ کنول سا چہرہ دھتورے کا پھول ہو جائے گا، صاف اور سپاٹ پیشانی پر اتنے بل پڑے ہوں گے

کہ معلوم ہوگا کسی نے ہل چلا دیا ہے ۔ یہ پھولے ہوئے گال بتاشے کی طرح بیٹھ جائیں گے، ان چمکیلی آنکھوں پر جو آج دن میں تارے گن سکتی ہیں بیس کے بعد کیچلی چڑھ جائے گی، ٹٹولنے پر ہاتی بھی نہ سوجھے گا، ہات پھیل جائیں گے کہ صبح شام کسی مایا مندر کی بیکہ ماکہ لیا کریں۔"

منشی جی کے چہرے پر اقلیدس کی مختلف شکلیں بنتی بگڑتی رہیں نتیجہ یہ نکلا کہ بڑی ہمدردی سے فرمانے لگے "گھبرائیے نہیں، جینے کے شروع اور بیس کے بعد کا ملا کر کیا نام کہ معتدل حلیہ لکھے دیتا ہوں، دھرے گئے تو جریانہ، ورنہ جیل کا دھڑکا تو نہیں رہے گا"

دفعتاً سلسلۂ کلام چار اور کھمن چیڑے توسوں کی آمد نے منقطع کر دیا اور اس سے پہلے کہ کشتی کا باضابطہ تعارف ان سے کرایا جائے منشی جی نے جھٹ سے رجسٹر گھڑ دانا اور یہ کہہ کر کہ "جو ہے سو کہ اس کی کیا ضرورت تھی" رسمی اصرار اور فرضی انکار کا مختصر کر دیا اور ایک پر ایک چار توس اور حلق کی چکنائی دور کرنے کے لئے چائے کے ڈبل ڈوز کی رسید معدے سے وصول ہونے پر پان سگرٹ کا معمول لے کر شکریہ کی ضرورت نظر انداز کرتے ہوئے رخصت ہو گئے،

اسم نویسی کی یہ اتفاقی واردات باسی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ ایک دن تڑکے شہر جو بیدار ہوتا ہے تو یہ طرفہ تماشا دیکھتا ہے کہ ع کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر دیوار کا، یعنی ہر گلی کوچہ اشتہاروں کی کثرت سے نوٹس بورڈ بن گیا ہے اور ہر اشتہار میں ممبری کے کوئی امیدوار صاحب بانقاب چوب قلم سے چھپے ہوئے منظر عام پہ چپکے پڑے ہیں،

کشش اور دائروں کی اس جرمن پہ بڈ میں ایک ایسا اشتہار بھی تھا

جیسے پڑھنے، دیکھنے یا کم از کم سننے کے لئے شائقین یا تمکین اس طرح زیر و بالا ہو رہے تھے جیسے میٹنی شو کے ٹکٹ کے لئے چوتھے درجے کے معزز تماشبین"

ہم ان حضرات کے بلدی احساسات کا احترام کرتے ہوئے جو الکشن لڑانے کا بیوپار کرتے ہیں فنِ استہار بازی کے اس نادر شاہکار کا خلاصہ عرض کرتے ہیں کہ ان کاروباریوں کی آیندہ نسلیں اس سے شغل کا کام لیں اور ہماری رفاہ عام نیت کو فاتحہ خیر میں یاد فرمائیں، ملاحظہ ہو۔

"پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی"

بفضلہ تعالیٰ کہ امسال بارش اچھی، غلہ سستا اور شہر ہر قسم کی بیماریوں سے پاک ہے، ہم یعنی خاکسار المشتہروں نے آپ ووٹر بھائیوں کے بھروسے پر رمضانی میاں کی ممبری لڑانے کی بات پکی کر لی ہے، خود رمضانی میاں نے بڑے ذوق شوق اور دھوم دھام سے آخر دم تک ممبری کرنے اور اپنے حلقہ کی عملی، علمی، ادبی، سیاسی، اقتصادی، اختیاری، بے اختیاری، مذہبی، تاریخی، جغرافی غرضکہ ہر قسم کی پستی جڑ بنیاد سے مٹانے کا وعدہ کیا ہے یہاں تک کہ اسٹام لکھ دینے کو تیار ہیں، رمضانی میاں کا ہر طرح کا علم بہت بڑھا ہوا ہے، نادری زبان کے علاوہ شعر و اشعار، قصیدے چار بیت وغیرہ وغیرہ میں رمضانی میاں اتنا دخل رکھتے ہیں کہ سننے والے کو بمشکل یقین آتا ہے، صفائی کا رمضانی میاں کو اتنا شوق ہے کہ دن میں تین دفعہ چارہ ابرو کا صفایا کراتے اور پنج وقتہ جوتا ٹوپی دھلواتے ہیں، رمضانی میاں کا خیال ہے کہ نلوں میں دو وقت پانی کے بجائے سوڈا واٹر چھوڑا جائے اور جمعرات جمعرات حلقے بھر کا نون، تیل، لکڑی بنئے کی دکان سے مفت ملے،

رمضانی میاں کا دل ذات پات چھوت چھات کے خیالات سے پاک ہے، جس کا حالیہ ثبوت یہ ہے کہ رمضانی میاں جب دولھا بنے ہیں تو سر پہ مکٹ، بدن میں جاکٹ، چکن کا کرتا، اور سینہ پر ٹکٹائی، کلیدار پیجامہ اور پاؤں میں گھتیلا ٹاٹ بانی تھا، فادر گب بیر نے خطبہ پڑھا، پنڈت کنج بہاری نے وکالت کی، دستور کیقباد اور سردار جھنڈا سنگھ نے شہادت دی تب قاضی چراغ دین نے نکاح باندھا، اور بادام مصری کے ساتھ چاکلیٹ کی پڑیاں اور مونگ کی بڑیاں لٹائی گئیں"

یہ تھا اس اشتہار کا خلاصہ، آخر میں لکھا تھا" ؎

کانٹوں میں اگر نہ ہو الجھنا
تھوڑا لکھا بہت سمجھنا!

فقط المشتہر"

پانی کو دیکھ کر جس طرح مرگی کا دورہ پڑتا ہے اسی طرح "المشتہر" پہ نظر پڑتے ہی ہم بھی "الکشن" میں مبتلا ہو گئے اور خانہ خراب مروت کہئے یا اعمال کی شامت، ورنہ شئے لطیف کی قلت سمجھنے میں آپ کو واللہ تکلف نہ کیجئے کہ شام ہونے سے پہلے "الف" سے بڑی "ے" تک ہمارا ووٹ ہر حلقے کے لئے وقف ہو چکا تھا، اور الکشن کے روز آفتاب سوا نیزے پہ بھی نہ چڑھنے پایا تھا کہ لوگ ہمارے ووٹ کی تلاش میں دروازے پر اس طرح مسلط تھے کہ گویا ہم نے قتل عمد کا ارتکاب کیا ہے یا اشتہاری ڈاکو ہیں،

ایک" اماں جمن میاں ہوت"!

دوسرا "جمّا خاں صاحب ہیبا ایں ایں" !

تیسرا "شیخ جمّو اُو اُو" !

چوتھا "مرزا جمن بیگ صاحیب" !

پانچواں "اجی میر ضامن علی صاحب" !

یہ ہمارے نام کی صرفی گردان تھی۔

کوئی۔ "ہونہہ "ب" کا لونڈا اور ووٹ دے "ج "کو! کیا مجال"

پھر کوئی "جمن میرا لنگوٹیا یار ہے قتل کر کے رکھ دوں جو "ل" ووٹ لے جائے'

اس پر کوئی "واہی ہوئے ہو' جما میرا ننھیالی ہے" د" کو دیگا آخر

میں کوئی۔ " اور یہ "ک" جوان کے باپ کے ملنے والے ہیں" ان سب

پر کوئی۔ "معلوم ہے' ہم بڑے "ق" کے ہیں" ! یہ ہماری ترکیب نحوی تھی

اور یہ ہڑبونگ دیکھ کر خود ہم' بیگم اور بچے مل کر جملہ ہمیہ پریشانیہ بنے کھڑے تھے۔

مکان کی عقبی دیوار میں ایک رخنہ تھا جو مدت سے حنفار بداماں چلا آرہا تھا آج مکان دار کے حق میں دعائے خیر اور گھر والی کے نسوانی مشورے پر عمل کرنے کا پہلا موقع تھا کہ اسی سوئی کے ناکے سے اونٹ نکل بھاگا جسکی بلبلاہٹ ابھی سنائی دے رہا تھا ؎

جو ہم ایسا جانتے کہ ووٹ دئے دکھ ہوئے
نگر ڈھنڈورا پیٹیے کہ ووٹ نہ دیجو کوئے

گدھا کانفرنس!

کیوں جناب ہم نہ کہتے تھے؟ اور بنایئے انجمنیں! اور کیجیے کانفرنسیں! لاکھ سمجھایا، بار بار جتایا کہ دیکھو یارو گھر کے جو اس کلھیا میں بند کر کے، گرہ کی عقل کو تل چھوڑ کے پرائے ٹھیکے پہ ٹسکرا پالنا، بات بات پہ، وہ جو مثل ہے کہ بون نہیں، لامبری ہالکی، تیل نہیں لامیری پالکی، توے تغاری کے لئے چولھے چکی کے لئے انجمنیں بنانا، کانفرنسیں بٹھانا تمھیں راس نہیں آنے کا، بقول ہمارے لالہ جی کے "جے مالو بڑو کھوٹو ہے ساب بنگ!" تو بھلے مانس کان میں انگلیاں دیئے بیٹھے رہے، ایک نہ سنی، لگی پھانس اور بنی انجمن، آئی چھینک اور چائی کانفرنس! پھر جو یہ آندھی چلی تو اللہ دے اور بندہ لے،

اتنے ہی پہ قرار آجاتا تو بس تھا۔ ایک لال بجھکڑ کا پیٹ جو پھولا تو نہ سدھ بدھ کی لی اور نہ منگل کی لی، آؤ دیکھا نہ تاؤ، اس سرے سے اس سرے تک اپنے بیگانے اڑوسی پڑوسی سب کو سمیٹ، لگا دم گھرا نام رکھا "آل انڈیا کانفرنس" اب حالت یہ ہے کہ یہی "آل انڈیا" آکاش بیل کی طرح جو پھیلا ہے تو ہمالیہ کی چوٹی سے لنکا جی کی ایڑی تک، تو ہیں ایرا

خیرا نتھو خیرا، سبھی اس مہا جال کے جنجال میں پھنسے ہیں، جیسے آل انڈیا پیٹ بھرے کانفرنس، آل انڈیا خالی پیٹ کانفرنس، آل انڈیا سالن کانفرنس آل انڈیا روٹی کانفرنس، آل انڈیا میاں کانفرنس، آل انڈیا بیوی کانفرنس آل انڈیا دھوتی کانفرنس، آل انڈیا ٹوپی کانفرنس، آل انڈیا بلیہ کانفرنس، آل انڈیا دہ کانفرنس، غرضکہ اس آل انڈیا کے ایک انڈے سے اتنے بچے نکلے ہیں کہ اب گھر میں کھانے کو دانہ ہے نہ خیر سے ٹاپے میں رہنے کو ٹھکانا، اب بھگتئے اس کانفرنس بازی کا خمیازہ، یعنی سن لیجئے کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزے نے رنگ پکڑا، غضب خدا کا جو مخلوق قطب شمالی سے قطب جنوبی تک سندمی احمق، بین الاقوامی گھامڑ کہی سنی اور سمجھی جاتی تھی، اس نے سنبھالا لیا، اور عین اس وقت کہ ہم کہہ رہے ہیں اور آپ سن رہے ہیں، گدھا کانفرنس جڑی ہے اور صدارت کا خطبہ صادر ہونے کو ہے،

افسوس ہے کہ جلسہ کا پورا پورا لطف آپ نہ اٹھا سکیں گے، وجوہ ناگزیر ہیں، تقریب گدھوں کی ہے، کارروائی راز میں ہے اور خود آپ کا رپورٹر غیر برادری ہونے کی بنا پہ یا دولتیوں کے ڈر سے جلسہ گاہ کے باہر۔

لیجئے ہل چل بند، چیخ پکار ممنوع، فضا میں سناٹا، کان کھڑے ہوئے، دم ہلی اور صدر صاحب شروع ہو گئے،

"قوم کے کھمبو! برادری کی چھتو! بھائی گدھوا اور گدھی بہنو! جیٹھ بیسا کھ کی چلچلاتی دوپہر، تپتی دھوپ، اور جھلسی ہوئی دوب کے اس فرحت بخش بنجر میں آپ کے یہ مطمئن اور بشاش چہرے، آپ کی یہ خاموش اور ہمہ تن جوش بھیڑ دیکھ کر جی بے اختیار "ہیں چوہیں چو" کرنے کو چاہا، مگر میرے جذبات خودداری جو تی پیزار دھینگا مشتی پہ اتر آئے، جب میں نے محسوس کیا

کہ اس یادگار موقع پر آپ میں سے بعض حضرات کے پھولے ہوئے نتھنے اور تکی ہوئی تھوتھڑیاں چغلی کھا رہی ہیں کہ جیسے خدا نہ کرے مجھ میں انس گند آتی ہو! منہ میں ہری گھاس لے کر کہتا ہوں کہ اگر میرے شبہات صحیح ہیں تو آپ نے گدھے کی فطرت میں بٹا لگایا اور قصور معاف، اپنے کردار کے خلاف بغاوت کی، آپ بدگمان نہ ہوں، حریفوں میں عمر کا سو فیصدی حصہ گزارنے اور دودھ کے دانت گرنے سے، دم جھڑنے تک، دشمنوں میں ایک جان دو قالب کی طرح بسر کرنے کے باوجود، پاتا ہوں کہ بفیب اعدا آدمیت کی بو باس سے آج بھی ویسا ہی معرا ہوں جیسا کہ روح خس کی مہک سے مٹی کا تیل، یا خود ہمارے سر سے سینگ! یقین کیجئے کہ آپ کی روائتی بردباری اور پشتینی تحمل پر مجھے بدہضمی کی حد تک اعتماد نہ ہوتا تو شاید آسمانی... سلطانی، یا بجلی پانی کی بڑی سی بڑی طاقت اس پیر خرف کو اپنے خداوند مجازی یعنی کلو دھوبی کی لاٹھی، برابر لادی پٹک کر راہِ فرار اختیار کرنے اور اس قومی جلسے کی صدارت کا خوشگوار بار اٹھانے پر مجبور نہ کر سکتی، یہی نہیں نیک نیتی مجھے یہ عرض کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ خدانخواستہ گدھا کانفرنس کی صدارت کا اعزاز اگر آپ نے اس مغالطے میں بخشا ہے کہ یہ ہیچمدان قوم کا سب سے برگزیدہ، تجربہ کار اور زمانہ کا نبض شناس فرد ہے تو معاذ اللہ مجھے آپ کے حسن ظن پر ماتم اور اپنے ساتھ ساری جماعت کی پوزیشن صاف کرنا پڑے گی، سمجھئے اور ہو سکے تو یاد رکھئے کہ گدھے کی حیثیت سے ہماری ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ حسنِ اتفاق سے جو گدھا ہے وہ ازل ہی سے گدھا ہے اور اس کا فرض عین ہے کہ ابد تک گدھا ہی رہے اتنا ہی نہیں گدھے پن میں اصول مساوات پر ہمارے اسلاف اتنے

مصر اور سختی سے کار بند رہے ہیں کہ ہر گدھے کا بچہ ماں کے پیٹ ہی میں آخری کسر تک باپ گدھے کے مساوی ہی تسلیم کیا گیا ہے، آزمائش کے لئے آپ میں سے جس کا جی چاہے آدمی کا بہروپ بھر دیکھے، چیلنج دیتا ہوں کہ رنگ روغن جب اڑے گا، گدھا اور نرا گدھا ہی برآمد ہوگا،

بہر کیف باپ دادا کے نقش سم پہ چلنے والا یہ بد نام کنندہ نکو نامے چند کسی مغالطہ یا خود فریبی کو اپنے لئے کسی قیمت پہ بھی جائز رکھنے کے لئے تیار نہیں، مدارج کی زیادہ سے زیادہ برتری جو آپ کے کسی فرد پر میرے سر تھوپی جا سکتی ہے اتنی ہی ہے کہ دو منہ گھاس آپ سے بڑھ کر کھائی ہوگی یا چار دولتیاں آپ سے زیادہ جھاڑی ہوں گی، بس،

دوستو! آئے دن کا مشاہدہ ہے کہ آرام کی میٹھی نیند سونے والے کو جھنجھوڑ کر چونکایا جائے تو ننانوے فیصدی پاؤں کی عزت ہات میں لے لیتا ہے، پھر یہ بیسویں صدی کے فلفل مزاج گدھے کچھ ایسی پتلی کانچ کا مزاج لے کر آئے ہیں، کہ ادھر کسی پرائے خرانٹ کے منہ کی بھاپ لگی، ادھر تاؤ تیز ہوا اور ہوئے چھن سے ایک کے ہزار ٹکڑے، اسی خطرے سے بچاؤ کے لئے میں نے آپ کی صداقت کا جوا کاندھے پر رکھتے ہوئے ٹھان لی تھی کہ دھواں دھار تقریر اور طمع کی تحریکوں سے اتنا ہی گرمائیں گا جتنا پانی سے افیمچی، یا پولس سے بدمعاش، اور بیداری کی پہلی جماہی آتے ہی یاد دلا دوں کہ آپ کیا تھے، کیا ہوئے اور بنصیب دشمناں اب بھی لوٹ نہ لی تو کیا ہو جائیں گے، آپ گھوڑا نہیں گدھے ہیں، اگر بارہ برس بعد اس کے دن پھر سکتے ہیں تو کیا معنی کہ آپ کے دن نہ پھریں۔

علم سینہ کی بعض پیچ در پیچ اور گول مول بلکہ سچ پوچھئے تو بے معنی

روایتوں سے ہمارے کسی نہ کسی جدِ اعلیٰ کا وجود اس دور میں ثابت کیا جا سکتا ہے، جب حکیم ققنس مشہور ماہر فلکیات کی تحقیق کے مطابق آسمان زمین نئے نئے بنے تھے، سورج برف کا ٹھنڈا گولہ اور چاند کی بڑھیا "تاروں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلا کرتی تھی اور بادلوں سے پانی کے بجائے کھیلے بتاشے یا لڈو پیڑے برسا کرتے تھے، ان ہی روایتوں سے اس بات کے بھی اُتے پتے ملتے ہیں کہ ہماری جدیت کے دعویدار دو بزرگوار تھے، ایک گھوڑے صاحب، دوسرے خچر میاں، اپنے اپنے دعووں کے ثبوت میں دونوں نے کیسا کیسا لیتا ڈ کیا ہوگا، تاریخ کا منہ کیلا ہوا ہے، البتہ ہمارے پرائیویٹ احساس ٹٹولے جائیں تو بے سمجھے بوجھے یہ بدیہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ان دونوں اولوالعزم ہستیوں میں ہمارے دادا بننے کی اتنی ہی صلاحیت پائی جاتی ہے جتنی کسی مرغی میں انڈے دینے کی قابلیت، کان کی نوکیں چھانٹ دیجیے، دو مٹھی قد عنایت ہو، ہات بھر بیل بڑھ جائے اور گلا...... اک ذرا سریلا ہو جائے پھر کوئی سلوتری ہم میں اور گھوڑے دادا میں رتی بھر فرق نکال دے تو چومنجا کر ادیجیے، اور یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ میاں خچر اور ہمارے درمیان صرف مزاج کی ٹیڑھ اور قد کی اونچ نیچ کا بل ہے، سو ایک توے کی روٹی کیا چھوٹی کیا موٹی!

غرضکہ ع دو عملی میں ہمارا آشیاں تھا کہ تاریخ کے ورق ماند پڑ گئے، اور پیڑھی در پیڑھی گزرنے پر دوبارہ ابھرے تو وہ سنہری دور آ چکا تھا جب ایک گلے پہ چانٹا کھا کے دوسرے کی بانگی دکھانا ثواب سمجھا جاتا تھا، اور ہمارے منطقی بھائی الانسان، انسانیت کے اونچے چھپر سے قلابازی کھا کر آدمیت کی خندق میں نہیں گرے، تو یا! اپنے منہ میاں مٹھو بننا اگر عیب نہ گنا جاتا تو

خاک چاٹ کے کہتا ہوں ڈھول، پیٹ پیٹ کے یہ بھید کھولتا کہ ہماری یہ مرنجان مرنج طبیعت، یہ سیدھا سپاٹ مزاج اور ہماری یہ پالیسی کہ "اودھو کا دین، نہ مادھو کا لین" جو اس کھینچ تان کے زمانے میں بھی ہمارا قومی امتیاز ہے، اسی دور زرین کی امانت ہے جس کی ایک ادنیٰ سی برکت یہ ہے کہ دنیا ایک ہی گت ناچتے ناچتے اتنی اکتائی کہ بے تابی ہوگئی مگر ہم ہیں کہ آج تک اسی نئے میں گڑے ہوئے ہیں جس سے اٹھے تھے،

بھائیو آؤ اس زمانہ کی یاد تازہ کرتے ہوئے ایک جھرجھری لیں اور منہ اٹھا کر بے ساختہ "ہَیں چو ہَیں چو" کریں، یوں دنیا کو جتا دیں کہ ع

ہر چند بے سُرے ہیں مگر بولتے تو ہیں

برادرو! بات پر بات یاد پھر آئی ہو چکی تھی اگرچہ ساری بات آج مجمع کو اغیار سے خالی پاکر جرات کرتا ہوں اور اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ایسی ڈھکی چھپی بھی تم پر کھول دوں جس کو بھلا کر تم نے ہمسایوں کی نگاہ میں اپنا نہیں ساری گدھا برادری کا وقار عنت ربود کر دیا، اور انھیں یقین دلا دیا کہ ان ہری چگوں کے جارحانہ تو کیا مدافعانہ ہتھیار بھی کند ہو گئے۔

جانتے ہو کہ تمہارے کردار کو ایک مکمل گدھے کی باعزت حیثیت تک ترقی دینے میں باہری علتوں کے سوا ایک اندرونی حادثہ بھی کارفرما ہے، یہ تمہارے اعضا کی بناوٹ اور کردار سے ان کے لگاؤ کا مسئلہ ہے اور اس حد تک نازک اور دقیق ہے کہ بجز ہمارے قومی مفکروں کے تحقیق اور کاوشس کے دوسرے مدعی اس کو نظر انداز کر دینے پر ہمیشہ مجبور پائے گئے ہیں،

باوجودیکہ اس کم سواد پہ قومی معلومات کے ماہر اعظم ہونے کا شبہ

کیا جاتا ہے، مگر میں بھی پریشان ہوں کہ دم سے شروع کروں یا سر سے، گدھے کی کوئی چیز ایک دوسرے سے افضل نہیں، بہر صورت گفتگو کی ابتدا سر سے کیجیے، تو آپ پائیں گے کہ اس کے اندر بھیجا تو ہے مگر کھانے کے کام کا نہیں، یہی وجہ ہے کہ ہم ذات بھائی دس پانچ مل کر کبھی کاؤں کاؤں کرتے سنائی نہیں دیے، اپنی اپنی جگہ اپنے خیال میں ڈوبے ہوئے کھڑے ہیں، تو کھڑے ہیں، جس کا جی چاہے اس ایک سوئی کی تقلید کرے، طرفہ ماجرا یہ کہ اس بھیجے میں نہ کوئی حجرہ ہے نہ دالان، کہ عقل سی مفسر صحت، مخل اوقات بس کی گانٹھ، فساد کی پڑیا، فتنہ کی جڑ اس میں رہے بسے اور کرایہ میں ہماری ہی زندگی اجیرن کر دے، بھیجے کی اس سادگی کا طفیل ہے کہ آج تک ہماری قوم کا کوئی فرد کبھی جیل گیا نہ پاگل خانہ میں دیکھا گیا، اور چھٹے چھمائے اگر بھولا بسرا کانجی ہوس چلا بھی گیا تو اس کا محرک ہمارا دماغ نہیں گیہوں یا چنے کا وہ لہلہاتا کھیت ہوتا ہے جس کی سبزی اور گل ریزی کا لطف اٹھانے اور ایسا ہی من بھایا تو نمک چشی کے لئے چار تنکے منہ میں ڈال لینے بھر کے ہم ذمہ دار ضرور ہوتے ہیں، یا وہ خسیس تنگ دل اور بدمذاق کسان، جو ہمارے ذوق بہار پرستی کی داد نہ دیتے ہوئے اپنے "پتے پتے" کو جیون مور کی بوٹی یا اکسیر اعظم سمجھ کر ہمارے اور کھیت کے درمیان ببول کے کانٹے حائل کر دیتا ہے اور ذرا نہیں سوچتا کہ ہم کس فراخ دلی اور کشادہ پیشانی سے اپنے آبائی رمنوں میں اس کو گھاس چھیلنے یا الاؤ کے لئے سوکھے پتے بٹورنے دیتے ہیں اور اف نہیں کرتے،

خیر یہ ایک سرسری بات تھی، ہماری قوت حافظہ اس ڈھنگ پر رکھی گئی ہے کہ حد سے زیادہ پاؤں نہ پھیلا سکے، نہ خواہ مخواہ ہمارے روزمرہ میں دخل

دے، خانگی افکار، یا قومی کاروبار میں ڈوبے ڈوبے، دن دو دن، کسی چراگاہ میں، قصبہ کے گلی کوچوں یا کسی اوسر بنجر میں گزر جائیں، تو یاد دلا دے کہ اب مٹھو دھوبی کے گھر جانا ہے یا رامو کمھار کے، اور یہ نہ بتائے کہ اس رخصت غیر مستحقہ پر ڈنڈے پڑینگے، لات کی کے ذریعہ جو بازپرس ہوگی اس کا "ہیں چوں ہیں، چو" کے سوا ہمارے پاس اور کوئی جواب بھی ہے،

ہونٹوں چڑھی کوٹھوں چڑھی، کے ڈر سے صاف صاف نہیں کہہ سکتا، اشارے کنائے کی آڑ میں کہتا ہوں کہ اسی دماغ میں ان خوردبینی جراثیم کی پیشین گوئی بھی کی گئی ہے، جن کی بہ اسرار اور ترقی یافتہ قوتوں سے ایک زمانہ آئے گا کہ دجال سی فتنہ خیز ہستی اٹھے گی اور فائدہ اٹھائیگی، یہ سوال کہ اس کے انتخاب کی داد دی جائے یا اپنی قوم کو مبارکباد، آجتک چیستاں بنا ہوا ہے،

کہتے ہیں کہ ہم ہر وقت گردن ڈالے، سر جھکائے کھڑے رہتے ہیں گویا ایک پیکر جمود ہے کہ منہ سے بولے نہ سر سے کھیلے، کم نظرے کیا جانیں کہ یہ دراصل ہماری دماغی ادھیڑ بن کی دلیل ہے کہ گھاس کی درآمد برآمد گھسیاروں کی چوری اور سینہ زوری، یا واشنگ کمپنیوں کی کمی زیادتی کا ہماری آئندہ زندگی پر کیا اقتصادی اثر پڑنے والا ہے، یا پھر علامت ہے اس انکساری کی جو طاؤس، لقہ کبوتر اور راج ہنس سے اکڑ باز شیخی خوروں کے ہاں عنقا کا حکم رکھتی ہے،

کبھی اپنی بتیسی دیکھی ہے؟ کیسی صاف جیسے موتی، کیسی مسلسل، جیسے مالا، اور کتنی بے ضرر کہ ڈرپوک سا ڈرپوک آپ سے نڈر، آپ پر شیر کا گمان! نعوذ باللہ! آپ کے جبڑوں سے اندیشہ! استغفراللہ۔

اس موقع پر یہ بھی نوٹ کیجیے کہ اگر ہم گدھے اہنسا کے قائل نہ ہوتے تو اپنے سم پنجوں سے بدلوا کر اس خونی برادری میں جنم لیتے جس کا نام سنکر اور نہیں اور ہانپیں، تپ تو چڑھ ہی آتی ہے، ہمارے نزدیک مچھر کی نکسیر پھوڑنا بھی قتل عمد کے مساوی سمجھا جاتا ہے، چنانچہ یہ سم ہماری ٹانگوں کی قوت رفتار کو اعتدال پر رکھنے کے کام آتے ہیں، یا ایسے ہی کبھی دولتی چلانے کی نوبت آئے تو اس کے جھٹکے کو چوٹ پر دف بنانے میں،

دوستو! گفتگو شیطان کی آنت ہو چلی، میں دیر تک تمھارے ضبط سے کھیلتا رہا، ایک جملہ اپنی کھال کے متعلق بھی سن لو وہ یہ کہ فی الحال تمھاری کھال، شال کا کام دیتی ہے، مگر جب تم نہ ہو گے تمھاری کھال کی یادگار کمبخت کے جوتے برتے جائیں گے، اور قیامت کے بگل ہونے تک تمھاری ارواح کو ثواب پہنچائیں گے،

تو بات ختم ہوئی، فقط دم کی کسر ہے، سر سے پاؤں تک تمھارے بدن میں اگر کوئی بے چین ہے تو تمھاری دم ہے، کوئی مانے یا نہ مانے مگر کسی طبلچی سے اس کی قدر پوچھو اس کے نام کا ٹھیکہ بجاتا ہے، تمھاری استادی، اپنی شاگردی کا اعتراف کرتا ہے اور تمھارا نام آتے ہی کان پکڑتا ہے،

غرضکہ یہ تھے ہم اور یوں ہی رہتے اگر یہ آدمی کا بچہ ہمارے معاملات میں دخل در معقولات نہ بنتا اور عقل کی لگائی بجھائی میں آکر ہم سے دشمنی نہ ناندھتا، اس نے ہر چیز پر اپنا گہرا بٹھایا، جھاڑ پہاڑ، کیڑے مکوڑوں تک اپنا گز سکہ چلایا، ہم گدھے تھے، ہم نے احتجاج کیا، اپنی پوری پوزیشن واضح کی، مگر آدمی، جو آج تک خود نہ سمجھ سکا کہ "میں کیا ہوں" کیا جانتا کہ

گدھے کون ہیں، پھر کیا ہوا، ناگفتنی ہے۔

مختصراً ہم اڑے رہے کہ گدھے رہیں گے، وہ مصر رہا کہ آدمیت سکھانا ہو گی، جدائی کی بنیادیں پڑ گئیں، علیحدگی کی دیواریں کھڑی ہو گئیں، رفتہ رفتہ ہم نے اپنی دنیا الگ کر لی اور اپنے رسم و رواج کو کلیجے سے لگائے ہوئے وہ کیا جو ایک گدھے کو کرنا چاہیئے تھا، یعنی آدمی اور اس کی گرہ ھی ہوئی آدمیت کو بھاری پتھر تھا، چوم کر چھوڑ دیا، اور ایسے ہو گئے کہ ؎

ان تلوں تیل ہی نہ تھا گویا

ہم سے کچھ میل ہی نہ تھا گویا

اس ترک موالات کا انتقام آدمی نے اس گندے پروپیگنڈے سے لیا، جو صدیوں سے ہمارے خلاف جاری ہے اور اگر ہم گدھے ہی رہے جیسا کہ رہیں گے تو اس وقت تک جاری رہے گا کہ دجال کی پرجلال تشریف آوری کا ہلہ پچے اور ہمیں ان کی سرپرستی اور غاشیہ برداری کا شرف حاصل ہو،

آپ کی دلچسپی کے لیے، نقل کفر کفر نباشد، آدمی کی زبان درازی کے دو چار نمونے سناتا ہوں، ہنسی اس پہ آتی ہے کہ تیزی میں آکر کہہ تو جاتا ہے مگر ذرا نہیں سوچتا کہ الٹی آنتیں اسی کے گلے پڑتی ہیں، مشہور ہے کہ ؎

خر عیسیٰ اگر بمکہ رود

چوں بیاید ہنوز خر باشد

اول تو تاریخ کے اعتبار سے اس واقعہ کا امکان غلط، پھر ہم کہتے ہیں کہ بھلے آدمی تیری ذات والے کتنے ایسے ہیں کہ وہاں جا کر آدمی ہی کو ہتے ہیں، شکر ہے کہ ہم تو جیسے تھے ویسے ہی ہر پھر کے آ گئے،

ایک کہنے والے نے یہ کہا کہ اپنے نزدیک بڑا ہدف مارا کہ ؎

اسپ تازی شدہ مجروح بہ زیر پالاں
طوق زریں ہمہ در گردن خر می بینم

یعنی گھوڑے بوجھوں مرتے ہیں، گدھے سونے کے طوق پہنتے ہیں، آپنے دیکھا کہ اس مطلبی آدمی نے گھوڑے دادا کو چنگ پہ چڑھا کر ہم سے بدظن کرانے کی ٹھانی، کوئی پوچھے کہ بھیا طوق پہننے پر تجھے کس رشتے سے حسد ہوا، اس کا گلہ کوئی بچھیڑا کرتا تو ایک حد تک واجبی تھا، ہم دونوں بھگت لیتے،

یہی کیا، ہمیں چڑانے کے لئے مذموم چیزوں کے لئے ہمارا نام لگا کر الفاظ تراشے،

جھنجھی کوڑی کو نشتر مہرہ، فیل وار" کہتے منہ دکھتا تھا" خرمہرہ" خروار کہا زخم کے لئے " خراش" گدھا، غل غپاڑے کے لئے " خروش" بنا ! چڑچڑے کو " خردماغ " کہا، برے کو " خراب" ویرانے کے لئے" خرابہ" وضع کیا، گھنونے کیکڑے کو " خرچنگ" پکارا، بڈھے " خرف" بنے، مال گنوا کر" خرچ کیا" شراب خانہ کو " خرابات" جھگڑے کو " خرخشہ" بنایا، اس پر چین نہ آیا، کتے نے کاٹا" گوش خر" تجویز ہوا، کھا کھا کر موٹا ہوا تو گدھے کی طرح پھولا" کہا

دوستو ! سنتے سنتے کان بہرے ہو جائیں گے اور یہ فہرست ختم نہ ہوگی،

واقعات ہو چکے، حالات سن چکے، مطالبات کی باری ہے، گدھوں

کی خبر رہے، گرمی کی رت آئے، پت جھڑ ہو، گھاس سوکھے، تب اسی بنجر میں، اسی جلتی لو میں، آئندہ جیٹھ کی پورنماشی کو ہم تم پھر ملیں گے، لوند ملا کے سال کے تیرہ مہینے دیتا ہوں، سوچ بچار کے آنا کہ اس کانفرنس کی رائے ہیں۔

بم اور مشین گنوں کے ساتھ ساتھ دنیا کا جغرافیہ بدلنے کے لئے گدھوں کے ہل چلانا بھی ضروری ہے، فوج میں گدھوں کی سفر مینا بھی رکھی جائے

یہ کہ اس کانفرنس کی رائے میں گھوڑے اور گدھے میں تمیز کرنا ہمارے قومی احساسات کی توہین ہے، جرم قابل دست اندازی پولس قرار دیا جائے،

یہ کہ اس کانفرنس کی رائے میں ڈربی کی ریس میں صرف گھوڑے دوڑانا گدھوں کے سول حقوق کو پامال کرنا ہے، آئندہ سے ہمارے منتخب نمائندوں کو بھی اشتراک عمل کی دعوت دی جائے، ورنہ گدھے اپنے کو دیوانی چارہ جوئی پر مجبور پائیں گے اور ہرجے خرچے کا بوجھ نہ اٹھائیں گے،

یہ کہ اس کانفرنس کی رائے میں جائز نہیں ہے کہ آدمی اپنے کسی ہم جنس کو ہمارے معزز نام سے یاد کرے، بشرطیکہ گدھوں کی پنچایت تغلبۂ آرا طے کر دے کہ مسمی، ہمارے کم از کم تین چوتھائی خصوصیات کا حامل ہے۔

یہ کہ اس کانفرنس کی رائے میں .... دوستو ٹھیرو، وہ دور سے کلوا دھوبی، ہاتھ میں ڈنڈا، بغل میں رسی دبائے دکھائی دے رہا ہے، خطبہ ختم، کانفرنس ملتوی، باعزت

پسپائی، مارے پہلے پکار کی نوبت نہ آئے، راہ مولا ایک دولتی جھاڑو، اور دم دبائے جدھر سینگ سمائے غائب ہو جاؤ۔

شاہد

درشن کیا دے، آج تو سوریہ مہاراج انگاروں کی بوچھار کرنے لگے، دھرتی ماتا کو تپ چڑھی ہے، ڈہر ڈہر جل رہی ہے، کھوپڑی چٹکی جاتی ہے، آنگ کے جوڑ کھلے پڑتے ہیں، مانو اگنی دیوی کا راج ہے،

کھُری آسنی پہ آدھے دھڑ سے ننگا سنیاسی بنا ہاکرتا بیٹھا ہوں، پسینہ چو رہا ہے، ٹیٹری کی سی آتما ہر گھڑی پیاس کے مارے بج رہی ہے، پنکھے اور ٹھنڈے جل کی بھرمار ہے، یہ رتہ نہیں ہیں تو جانوں کرموں کی پھٹکار ہے، بولو بھائی رام دوہائی اور سنو کہ ایسے سنتے ہیں وہ جو دلی کے، بنات النعش والے ڈپٹی صاحب تھے نا؟ ان کے پوتے یوں کہہ رہے ہیں .... کیا کہہ رہے ہیں کہ بھئی لکھو، ان سے کوئی پوچھے کہ بیرن میرے تیرے گھر تو پرکھوں سے یہی ہوتی آئی ہے، لکھنے کا بیٹا ہے لکھنے کا پوتا ہے، ہم تو بھیا ڈاخانہ کے لکھنی جند ہیں ڈاخانہ کے۔ بڑے بڑے اینٹ پتھر کے گھروں میں ایک جگ تپا کے مرنے جوگے ہو گئے، موٹی موٹی پتھلیں گھوٹے گھوٹے انجر پنجر ڈھیلے، آنکھوں پہ کانچ کی اندھیری چڑھ گئی

تب بھی ہم پہ سچ پوچھو تو اتنا ہی لکھنا آیا کہ اپنے وہ جو کہتے ہیں رجسٹر لکھ لیے، فارم لکھ لیے اور اس سے بچ پائے تو بلئے کو نون تیل کی چھٹی لکھ لی، اس پہ ہم نے کہا کہ لاؤ بھئی تیری میری بٹ ماری کر کے پوت پورا کر دیں، کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا، بھان متی نے کنبہ جوڑا، سو یہ تیر نہیں جوڑنے دیتا، بڑے مغل کی کڑی کمان سے چلا تو اب تک چلے ہی جائے ہے، اور "بوجھل" جبڑوں پہ جیسے ان گنا بھاری ہوتا ہے برس کا یہ آٹھواں مہینہ ہم پہ بڑا اکھٹن ہے،

جمعرات، پیروں کی کرامات، ریوڑی جڑ ہائے مراد پائے، الف شاہ کا تکیہ، طنبورے کی جھنکار، ڈھولک کی غڑ غوں غڑ غوں میں قوالی کا چھکھا زنگ اور ٹیپ کے سروں میں "مرزا اچھا" کا شعر ؎

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

گلے کے مدوجزر کے ساتھ کھیل رہا تھا،

درباری لباس میں عبا و عمامہ سے چست، پان سرمہ سے درست، شاہ صاحب بہ نفس نفیس عقیدت کیشوں کے جھرمٹ میں، صندلی مسند تکیے اور قوال کی "لے ہے دا" پر قانون حرکت کی ہر ممکن و ناممکن مثال کا عملی مظاہرہ فرما رہے تھے، بوٹی بوٹی پھڑک رہی تھی، یہ معلوم ہوتا تھا کہ بدن کے نچلے حصے میں کہیں بجلی کی بیٹری لگی ہے، جس کا سوئچ یا تو گوئے کے ٹیٹوے میں ہے یا شعر کے بولوں میں،

حرکت سے حمارت اور حرارت کا تقاضا ہے پھیلاؤ، چنانچہ شاہ صاحب

کی تحریک ایسی پھیلی کہ جب وہ اچانک جھومتے ہوئے اٹھے ہیں تو الف کے مرکز پر مریدوں کا پورا دائرہ بھی گھوم رہا تھا، بالآخر دم چڑھے پھیپھڑے پھولے تب کہیں جاکے یہ شرعی نرت ختم ہوئی، موقع شناس قوال نے بھی غزل کا قصہ مختصر کرکے ساز رکھ دیا، فضا پر سکون، یا قانونی اصطلاح میں "صورت حال قابو میں" آگئی۔ اب بیچ میں تبرک کے تورے پوش خوان پر پنچایت شروع ہوئی، اس عرصہ میں کسی نے جماہی لے کر جیب سے ڈبیہ نکالی پان کھایا، کسی نے محض چکنی ڈلی کے چورے پر اکتفا فرمایا، کسی نے دو گھونٹ پانی سے حلق بھگویا، تو کسی نے ناس کی چٹکی لی، خدا خدا کرکے فاتحہ کا ہفت خوان سر ہوا، اور نذروں کی باری آئی، رات کی ملگجی روشنی میں استطاعت کے موافق ٹکی ہوئی دوانیاں، گھسی ہوئی چوانیاں، یا ایک آدھ کو توفیق ہوئی تو ٹوٹا بجے کی اٹھنی،

شاہ جی کی دو دستی چلنے لگی، ایک ہات سے دوانی لی، دوسرے سے جلیبی سرکائی، کہیں سے چوانی ٹیکی، ادھر سے لڈو لڑھکا، اٹھنی والا تو گویا حلوائی کی پوری دوکان کا دعوے دار تھا، برفی کی ڈلی کے ساتھ چار ریوڑیاں بھی لے مرا، بہر حال فریقین نے اس لین دین میں ع

دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

کے اقتصادی اصول کو ہات سے نہیں جانے دیا۔

نمبر آیا ہمارا، یہاں کچھ تو وضع قطع ضابطہ باہر اس پہ ٹھیرے بے پیرے بھی، کڑوا کریلا دوسرے نیم چڑھا، نقل کے چند دانے ہی پلے پڑے، ہم نے بھی، فردنہ رود، جان کر سر آنکھوں پہ لئے،

محفل برخاست، شاہ صاحب یہ فرماتے ہوئے کہ "منت مرادوں والے

اندر آئیں" خلوت میں چلے گئے۔

اسپتال کے آپریشن روم کی طرح شاہ صاحب کا خلوت کدہ بھی " مراد بر آری " کے ضروری آلات سے آراستہ تھا، صاف تنفاف فرش پر استنبولی جانماز، قرینہ سے ورد و ظائف کی کتابیں، نقش سلیمانی، حرز سلیمانی، وغیرہ کا مجمس سلسلہ، اور موقع محل کے اعتبار سے چھوٹے بڑے دانوں کی تسبیحیں، رمل کے پانسے، حاضرات کا ستٹا، جنوں کی تسخیر کا چراغ، بخور کی انگیٹھیاں، عود داں، تعویذ لکھنے کا کاغذ، گھلی ہوئی زعفران، اور شاید دعا کے ساتھ دوا بھی برتتے تھے، جو حبوب مقلب القلوب ضماد قائم اللیل، معجون مشکل آسان وغیرہ کی شیشیاں اور مرتبان، خود شاہ صاحب چولا بدلے، چکن کے مکلف نیچے کرتے اور ریشمی تہمد میں کسی کی حاجت روائی میں مشغول،

"عین کے ایک حجرہ توڑ السلام علیکم سے ہم نے اپنے داخلے کا اعلان کیا، شاہ صاحب نے چشم نیم باز سے دیکھا اور اس خیال سے کہ قرارت چھانٹنے میں ہم ان سے بازی نہ لے جائیں، " وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کا جوابی حملہ مخارج کی اتنی شدت سے کیا کہ سلامتی کی حدود سے فرسخوں پیچھے ہٹ کر ہم ایک گوشۂ عافیت میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔
"حضرت۔ شادی ہو کر بیس سال ہو چکے ہیں، اولاد ہوتی ہے پر جیتی نہیں، ہر بار وضع حمل ہو جاتا ہے" ہات جوڑ کر ایک زنگ خوردہ بزرگوار نے عرض کیا۔

"قبلہ حاجات، ساہوکار نے تین مہینے کے وعدے پر سو روپے دیے تھے، کیا کہوں، ادائی نہ ہو سکی، سال پلٹ گیا، اب بے ایمان نے نالش ٹھونک دی ہے، منصف صاحب مل گئے ہیں، کہتے ہیں روپیہ اصل سود ملا کر دلاؤں گا، دعا فرمایئے ڈگری نہ ہونے پائے، بنیہ مر جائے یا تمسک کو آگ لگ جائے" ایک پیشہ ور نادہند نے کہا

"حضور، غلام کے ایک ہی بیٹا ہے، جوانی دوانی میں نہ جانے کیا کر بیٹھا کیا نہیں، جو دق کا روگ لگ گیا، حکیم ڈاکٹر کہتے ہیں چوتھا درجہ ہے حضور کا نام بڑا ہے، آس لگا کے دور سے آیا ہوں" تیسرا عقیدت مند بولا۔

~~~~~~~~

"شاہ صاحب نے فرمایا۔ "باوا بڑی مشکل میں ڈال دیا، حضرت شکمائیل بڑے جلالی موکل ہیں، ان کے نام کا چلا بیٹھنا ہوگا، ترک حیوانات کرنا پڑے گا جمعرات جمعرات ایک سفید مرغ، ڈیڑھ پاؤ روغن زرد، اکیاسی تولے باس متی کے چاولوں پہ نیاز ہوا کرے گی، سخت کی تکلیف بھی فقیر ہی کو اٹھانا پڑے گی، پھر فقیر دیکھے گا کہ وضع حمل کیسے ہوتا ہے"

"اور میاں، منصف کی زبان بندی کا نقش زحل کے طالع میں لکھنا پڑے گا، سوا تولہ عطر شمامہ، تین ماشہ کستوری اور باریک ململ کا ایک تھان چاہیے ہوگا، مشک سے نقش بھروں گا، ململ خیرات ہوگی، عطر پڑھا جائے گا، جہاں تک خوشبو جائے گی منصف تو منصف، تمھارے خلاف صور کی آواز بھی بند ہو جائے گی"

"اور بھائی اپنا لڑکا تو اب اچھا ہی سمجھو، ایسے مریض کو چوتھا درجہ مبارک ہوتا ہے، درویش کا کہا کبھی ٹلا نہیں، البتہ یہ تین دن اس پہ بھاری ہیں
~~~~~~~~

نقش دیتا ہوں، صدقہ بتاتا ہوں، روز شام کو گیارہ روپے پانچ پیسے اور ایک نقش ٹول کی پوٹلی میں بچے دھاگے سے باندھ کے سرہانے رکھنا، صبح منہ اندھیرے فقیر کا خادم آ کر لے جائے گا، مستحقین کو بانٹ دے گا، روپے کھوٹے نہ ہوں اور پوٹلی مضبوط، تین دن یہ عمل کر کے چوتھے روز بچے کو نہلا دھلا کے نئے کپڑے پہنا کے مسجد لے جانا، یاد رہے تو فقیر کا تانبے کا سوا پیسہ نہ بھولنا، ورنہ فقیر کی درگاہ بے نیاز ہے"

اس بھاؤ تاؤ کے بعد شاہ صاحب نے کچھ نقد کچھ ادھار اپنا بیوپار ختم اور بادامی کاغذ کے چوتہ کئے ہوئے تعویذ موم جامہ میں لپیٹ کر بطور پرامیسری نوٹ حوالے کر کے ہمارے سوا سب کو خدا کے سپرد کیا،

چونکہ "آج کا تماشا بعد ایک نقل" کے ختم ہونے کو تھا شاہ صاحب نے نام ولدیت، سکونت کا ابتدائی بیان لے کر ہم سے سوال کیا کہ کیسے آنا ہوا عرض کیا گیا کہ "سرود خانہ ہمسایہ سن کر حاضر ہو گیا تھا، حضرت کی زیارت باکرامت نصیب ہوئی، اذن عام سن کر" اندر" بھی آ گیا، گزارش ہے کہ یوں تو اللہ کا دیا لیا سب کچھ ہے، مگر تھوڑے دن سے ایک ذری ذہن کند اور فہم کج ہو گیا ہے، شرم کے مارے کسی سے اپنی کمزوری کا اظہار بھی نہیں کر سکتا آپ بانجھ کو بیٹا، دیوانے کو دولت وزر، اور مردے کو حیات عطا فرماتے ہیں، کیا عجب کہ فدوی کی شکایت بھی رفع ہو جائے"

فرمایا" بابا فقیر کو حاضرات سے سب کچھ روشن ہے گھبراؤ نہیں، یہ درویش کی گدی ہے، یہاں سے نامراد کوئی نہیں پھرا" پھر الماری کی طرف اشارہ

کر کے ارشاد ہوا، کندی اور کنجی کے لئے فقیری چٹکلے موجود ہیں، اتنا ہے کہ روحانیات کے عطیے ہیں، موکلین کے خرچ پانی کے لئے کچھ کرنا ہوگا تم جانو آگ پانی کا ہمیشہ سے بیر ہے، بغیر نذر بھینٹ چڑھائے یہ لوگ انسان کے ہاتھ نہیں آتے"

قہقہہ بھینچتے ہوئے ہم نے کہا "خرچ پانی اٹھانے کے لئے فدوی تیار ہے، گر حضرت نے مرض کی تشخیص میں ذری جلدی کی، میرا مطلب یہ تھا کہ کوئی ایسا تعویذ فلیتہ تجویز فرمائیے کہ یہ کمبخت حواس کسی طرح درست ہو جائیں دکھی کی بات ہے کہ قوال سے

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

گا رہا تھا، حضرت تھرک رہے تھے، میں اتنا تو ضرور سمجھا کہ شعر کیا ہے بڑے شیشوں کا ایک طوفان ہے، باقی اللہ اللہ خیر سلا"

شاہ صاحب کو اتنا ضرور محسوس ہوا کہ ان کا پھندا ذرا اوچھا پڑا، مگر دنیا بہ امید قائم فرمایا "ارے بابا یہ فقیری شعر بیسا ہوتی ہیں بڑی پیچ در پیچ ہیں، پھر مولانا روم کا شعر سمجھنا دنیادار کے بس کا نہیں، یہ تو درویشوں اولیاؤں کا حصہ ہے، اس پر غضب یہ کہ اس نے گایا غلط، تم نے یاد رکھنا غلط، میاں یہ "اصل" نہیں، "اصلی" ہے، اب سے صحیح پڑھیو اور مطلب سے پہلے معنی سمجھ لو، یہ سب عربی ہے، اسے بڑے بڑے علم دار نہیں سمجھتے، سنو اصلی کا مطلب تو اصلی ہے، بالکل سہل، "شہود" البتہ ذرا کڑا ہے، میاں بزرگان دین نے یوں لکھا ہے کہ تھوڑا ہو تو شہد، اور زیادہ ہو، من دو من، تو شہود، شاہد و مشہود، بچہ رو مرد کو کہتے ہیں، یہ خاص عربی ہے، تو اب یوں سمجھو کہ میاں

بیوی کا معاملہ تو اصلی شہد سے بھی زیادہ میٹھا ہوتا ہے، پر یہ "مشاہدہ" یعنی ساس بیچ میں آ کے سارا مزہ کرکرا کر دیتی ہے،

شاہ صاحب کی یہ غالب نواز سخن فہمی سن کر ہماری آنکھیں کھل گئیں اور وہیں بیٹھے بیٹھے پہلا کام یہ کیا کہ مرزا چچا کی ارواح کو اس کا ثواب چلتا کیا پھر تہیہ کر لیا کہ بن پڑا تو شاہ صاحب سے اسی طرح پورے دیوان غالب کی تشریح اردو شاعروں کو مفت ٹکٹ چسپاں تقسیم کریں گے۔

اتنی سرکھپی کے بعد شاہ صاحب "بہ لقمہ دوختہ بہ" کے ضرور مستحق ہو چکے تھے چنانچہ ہم نے اپنے نزدیک آج کی "خوش گپی کا محنتانہ" اور ان کے خیال میں آئندہ عقیدت کا بیعانہ" نئی گولی کا ایک چہرہ شاہی نذر چڑھایا اور تکیہ سے رخصت ہو کر چلے تو بقول شاہ صاحب "مولانا روم کا یہ خاص عربی شعر ورد زبان تھا کہ

"اصل شہود و شاہد ...."

چلتے چلتے خیال ہوا کہ الف شاہ ایک حد تک معنی خیز ضرور تھے ان کا مطلب اگر ہمارے مطلب کا نہ ہوا نہ سہی، مگر کتنے ایسے ہوں گے جن کے سر پر یہ "ٹوپی" ٹھیک اترے گی۔

شاہد !!

اب سے شاہد حسین خاں، حلقہ انسپکٹر، پنشن یافتہ، کاٹھی کے مضبوط قد کے لمبے، ہنس مکھ اور قبل از وقت بے وقوف، بنے ہوئے دانت، اور

سر سے پاؤں تک مخضب، کالی مخمل کی قدحیا ٹوپی، کالے الپکے کا دم کٹا پارسی کوٹ، چھالٹین کا آڑا پیجامہ، وسمہ کی ہوئی کالی ڈاڑھی جواب بھی چڑھی تھی اور ہر وقت دوپاٹے پر چڑھی رہتی۔

ہاتھرس جنکشن، گلابی جاڑے، سہ پہر کو تین کے بعد۔ ہلکی بھاپ چھوڑتا ہوا، ای، آئی، آر کا ڈراؤنا انجن آیا اور پلیٹ فارم نمبر ۲ پر رکا اور وہ سب ہونے لگا جو ہوڑہ کالکا اکسپریس کے آنے پر عموماً ہوتا ہے یا کیا جاتا ہے، ہم بھی بقول ایک "ریل بھڑک" بزرگوار کے "نئی اونگی ہوئی گاڑی" کی تلاش میں بظاہر "اُلف" مگر حقیقتاً نعل در آتش انجن سے بریک اور بریک سے انجن تک آپا دھاپی میں تھے کہ ایک ڈبے کی متعدد کھڑکیوں سے مختلف سائز کے سر نکلے اور "سلاما لیکم، سلاما لیکم" کی باڑھ چل گئی، اس جنرل سلیوٹ کے بعد دروازہ کھلا اور ہم "بمعہ اسباب اندر گھسیٹ لئے گئے"

یادش بخیر ایم، اے۔ او کالج کی کوئی طویل تعطیل بسر کر کے "کھلنڈرے" علی گڑھ جا رہے تھے، وہی چل چلب دار لال لال ٹوپیاں، وہی کالی کالی شیروانیاں اور وہی نیچریوں کا قبلہ علی گڑھ!

دل کی ہول، پھیپھڑے کی دھونکنی اور ناشتہ کی ٹوکری کی طرف سے اطمینان کر کے جب ہم نے سیٹوں کا نظری جائزہ لیا ہے تو دیکھا کہ ایک بنچ "جنت نگاہ" بنی ہوئی ہے، یعنی بنارسی دوشالے میں اکبرآباد کی ایک مطلا مذہب طوائف پاؤں پھیلائے، چاندی کا حقہ لگائے بیٹھی تھی نہایت نستعلیق، پڑھی لکھی، چند منٹ میں گھل مل گئی، پان کھلایا، حقہ بڑھایا

اور ہمارے انکار پر کہ "ہم محقق نہیں ہوں" یہ برجستہ شعر چپکایا ؎

چارپائے بر و کتابے چند
نہ محقق بود نہ دانش مند

انسپکٹر صاحب جن کا وجود اس گرد و پیش میں ہمیں اندر سبھا کی یاد دلا رہا تھا، ہر نووارد کو مشتبہ سمجھتے تھے اور اپنی کہنہ مشقی کی بنا پر اس جنس رہ گزرے" کا حق الکانہ صرف اپنے لئے محفوظ رکھنا چاہیے تھے ہماری خفت پر بے حد مسرور ہوئے اور دیر تک "دلداری و دلجوئی" کے سلسلے میں اس برجستہ گوئی کی داد دیتے رہے۔

ان کی زبان کیا تھی ایک بے پناہ قینچی تھی، جنگ کے واقعات سے شروع کرتے اور وہیں سے گریز کر کے اپنی انسپکٹری کے کارنامے بیان کرنے لگتے، جن میں زیادہ تر ڈاکوؤں کی گرفتاری، بڑے صاحبوں سے گہرے تعلقات، فوجداری مقدمات، اپنی پیروی اور بجق سرکار سو فیصد کامیابی، غرضکہ ایک عجیب دخل معقولات قسم کے آدمی تھے: بیٹھے بیٹھے فرمانے لگے" اور سنا آپ نے ؟ لاٹ کچنر صاحب مر گئے"، صبح کو ڈونڈ پر کوئی کہتا تھا عجیب ماجرا گزرا جہاز پر سوار تھے، جرمن کو سن گن مل چکی تھی کہاں نہ سنا چل کھڑا ہوا اور سمندر میں گھس کے پانی کے اندر ہی اندر بیٹھ کے جہاز کی تلی میں وہ سوراخ بنایا کہ تباہے کی طرح بیٹھ گیا، ہم نے کہا ع "خوب شد اسباب خود بینی شکست" گورکھن کے جھمیلے سے چھٹی پائی، انسپکٹر صاحب، جو یادگاران کے لئے بنانا تجویز ہوئی ہے اس کا حال بھی آپ نے سنا؟ آج ہی کے پانیر میں تو ہے، یہ انگریز بھی بڑے حرفتی ہوتے ہیں سمندر کی تہ میں مشین لگا کے ایسی حکمت رکھی ہے کہ لاٹ صاحب کے مدفن پر رات

دن پانی کی ایک لاٹ بنی کھڑی رہے' اس پر کمال یہ کہ وفات کا دن تاریخ اور اکیس شعر کی ایک انگریزی نظم آبی حرفوں میں لاٹ پر اتنی نمایاں کہ میں بھرسے اندھا بھی پڑھ لے' ہوا میں لاٹ ایسے ہلے جیسے ایران کا "مینار جُم جُم" جھومے جھامے پھر اپنی جگہ پر قائم کا قائم۔"

یہ سن کر شاہد حسین خاں صاحب حلقہ انسپکٹر بہت چکرائے' دیر تک آنکھیں پھاڑے ہمیں گھورتے رہے' ہمارا چہرہ جذبات کی تفسیر بے نقط تھا' کیا مجال کہ رگ پٹھے بے قابو ہو جائیں' ساتھی سب کے سب آٹھوں گانٹھ کمیت' موقع کی نزاکت کو سمجھ کر ہمارے سُر سے سُر ملائے رہے'

بی صاحبہ تیوریاں چڑھا کے بولیں' "اوئی پانی کی لاٹ ایسی کیا عجوبہ چیز ہے' بہشت نصیب' ہماری نانی اماں ہی جو تالاب میں ڈوب کر مری تھیں' پھر جے پُر کے معماروں نے لاٹ تو رہی ایک طرف' بیچوں بیچ تالاب میں نرجھل پانی کا روضہ بنا کے جو کھڑا کر دیا' وہ عالی شان گمذ ہے کہ کلس دیکھے سر کی ٹوپی گر تی ہے' جس کا جی چاہے جا کے دیکھ لے سال کے سال تیرہ تیزی کے مہینے میں عرس ہوتا ہے' نیپال تک کے طائفے آتے ہیں' گاتے بجاتے ہیں' منت مراد مانگتے ہیں' روضہ میں جاؤ' چلو پھرو' کیا مجال کہ ساری کا آنچل یا پاؤں کے تلوے تر ہوں"

ہمارے متعلق اگر کوئی بدگمانی تھی بھی تو بی صاحبہ کی اس معتبر روایت سے دور ہو گئی۔

باتوں میں خیال نہ رہا اکسپریس ایک سناٹا جو بھرتا ہے تو درمیانی دفعوں کو کھاتا ہوا منزل مقصود پر' بی صاحبہ نے انگڑائی لے کر آرسی میں منہ دیکھا

اور دوشالا سنبھالتی چھم چھم کرتی اتریں اور آنکھوں ہی آنکھوں میں غائب ہو گئیں
حلقہ انسپکٹر شاہد حسین خاں صاحب دلی جا رہے تھے، گاؤں کے چار بسے بیچ کر گھر کی خانصاحبی کو سرکاری خانصاحبی سے بدلوانا تھا جس کا مارکٹ گرمی گرمی شملہ" ورنہ دلی ہے، اور شاید ابھی تک دور ہی ہے۔

"بنامے شاہد نازک خیالاں"

دماغ کے کسی ویران حجرے میں بکھرا پڑا تھا، خیال نے ترتیب دے کر نکالا، اور چاہتا تھا کہ "شاہد" کے مزے لوٹے، مگر ضبط نہ ہو سکا بول بن گئے بولوں میں آپ ہی آپ ترنم پیدا ہوا اور راگنی کے سانچے میں ڈھل کر "شاہد" فضا کو گرمانے لگا، جوانی یاد آ گئی،

بچپن تھا اور مکتب کی پڑھائی روز کا شغل، اٹنگا پیجامہ، لٹکتا کمر بند، چین بیل لگا کرتا، مسالے کی ٹوپی، ہات میں تختی، بغل میں بستہ، الف خالی روشنائی واسطے قلم، جمعرات کا آموختہ، جمعہ کی چھٹی، گیند بلا، گلی ڈنڈا، چراغ بتی کے ساتھ ہی پھر وہی کمبخت سینچر اور منشی ماموں، ایک ہمارے کیا گھر بھر کے استاد، اللہم اغفر، خوبیں فرشتے، پر مزاج کے تیز خصوصاً خضاب لگاتے وقت بالکل راجس کے چاقو،

یہ مثنوی غنیمت ہے اور قمچیوں کی مار کھا کھا کے "شاہد" کو کوستے ہوئے ہم اس مقام تک آئے ہیں جہاں "شاہد" کے مکتب بٹھانے کا احوال مذکور ہے اور یوں شروع ہوتا ہے کہ ؎

بہ مکتب می رود طفل پری زاد
مبارک باد مرگ نو بہ استاد

مکتب تو خیر منشی ماموں کا نمونہ کے لیئے تھا ہی، "طفل پری زاد" ایسا ہی گورا اچھا ہوگا جیسے یہ نذر محمد خاں کا بیٹا ہے منوا، پڑھتے پڑھتے استاد کے سر پہ موٹا رول رسید کیا ہوگا اور مولوی صاحب مر گئے ہوں گے،

اسی حکایت میں "ملا غنیمت" شاہد کے حسن کا شہرہ سن کر بڑھوتی وقت پوپلے منہ میں پانی بھر لاتے ہیں اور کتب فروش کے بھیس میں مکتب وارد ہوتے ہیں، پنجابی تو تھے ہی بڑا سا پگڑ سر پہ ہوگا، چوڑی چوڑی آستینوں کا کرتا پہنے ہوں گے، تہمد باندھے ہوں گے پاؤں میں ناگ پھنی کا جوتا، سر پہ کتابوں کا گٹھر ہوگا اور ہانک لگائی ہوگی کہ "من سیپارۂ دل می فروشم" یعنی "عم" کا "الم" کا پارہ ہر یہ کہتے ہیں" اس پہ شاہد نے بھاؤ چکایا ہوگا بگفتا قیمتش" کتنے پیسے دوگے؟" یہ بولے ہوں گے "گفتم نگاہے" "ایک آنہ" شاہد کے پاس کیا مکتب کے زمانہ میں کسی لونڈے کے پاس ایک آنہ کہاں سودا نہ پٹا تو شاہد نے کہا ہوگا "بگفتا کمتر ش" واجبی واجبی کہو، مول نہ تول بڑے میاں نے کہا ہوگا "نگاہے" "لاؤ دو ہی پیسے لاؤ"

شوق چرایا، ایک نسخہ خریدنے نکلے، ایک کتب فروش صاحب نے فرمایا کہ "مثنوی غنیمت نہیں، یہاں صرف بی اے ایم اے کا کورس ملتا ہے دوسرے نے حلفاً بیان کیا کہ "ہم نے مثنوی غنیمت" کا نام بھی آج تک سنا ہو تو عاقبت بخیر نہ ہو"

تیسرے صاحب نے جو ممکن ہے کہ شد بد جانتے ہوں اور دست برد زمانہ سے اب کتب فروش بن گئے ہوں، بٹھایا، بہ فاب پلایا اور کہا کہ "مثنوی

غنیمت تو نہیں آپ کا دم غنیمت ہے"

اور اے بھائی شاہد، خدا شاہد ہے کہ دوات میں پانی ڈالتے ڈالتے صراحی بھر ٹھنڈا پانی ختم ہو گیا، اب مضمون بھی ختم ہونے دیجئے۔

"بے پر کی"

بن مانگے موتی

"...... اور پھر مرزا صاحب اور گپوا کے زعفران زار مکالمہ سے لطف اندوز ہوں، اور یہ بھی ملحوظ رکھیں کہ لکھنؤ کی سرزمین ہے اور...... کا جادو نگار قلم!

فاضل نامہ نگار جو سوائے "مولانا" کے اور ہر خطاب (مثلاً اولڈ بوائے علیگ، سید صاحب) سے یاد کئے جا سکتے ہیں، محض "آوارہ و مجنونے رسوا سربازارے" کے "نقاب" میں ظاہر ہونا پسند فرماتے ہیں، لیکن ارباب نظر تو بول ہی اٹھیں گے ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش　　من انداز قدت را می شناسم

آوارہ... کے ساتھ نقاب کا لفظ ذرا بے جوڑ معلوم ہوتا ہے، لیکن ایک حقیقت نگار شاعر پہلے ہی کہہ گیا ہے ع صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

جو چیز آج ہم ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں وہ اپنے مخصوص رنگ میں بےنظیر ہے۔"

"علیگڑھ میگزین سنہ ۱۹۲۰ء"

"...... آخری دونوں نمبروں میں مجھے آوارہ صاحب کے مضامین بہت ہی اچھے معلوم ہوئے، کوئی لکھنؤ کے صاحب ہیں، کہیں کہیں داستان سننے کا لطف آتا ہے، لکھنؤ کی عامی زبان لکھنے پر بڑی قدرت ہے، اگر کسی ڈراما میں کہیں کہیں یہ عبارتیں آ دیں تو تحریر کو اور زیادہ رونق ہو جائے، ذائقہ اچھا ہے لیکن چونکہ ایک ہی کھانا ہے اس لئے منہ پھرا جاتا ہے،...... برسوں کے بعد مجھے اپنی جنگل کی کہانیاں یاد آ گئیں، واقعی بہت خوب لکھتے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خود تصنیف کرتے ہیں، ترجمہ کا سہارا نہیں ہے"　"شاہد کے حسن توسط سے" مولانا عنایت اللہ دہلوی

بے پر کی

سن ۲۰ء میں پہلے پہل علی گڑھ کالج میں اڑی تھی اور ابھی جی بھر کے نہ اڑنے پائی تھی کہ ضبط تکلم کے سلسلہ میں "قوم" نے یکم اپریل سنہ ۲۱ء کو دی آل انڈیا جھانپلزم ایکٹ" نافذ کر دیا ناچار ہمیں بھی مردن موقوف مقبرہ مسمار کرنا پڑا، اور یہ سمجھ کر کہ "آل انڈیا" نوعیت کے جتنے معرکے ظہور میں آتے بالائے جاتے ہیں اکثر سر نہیں ہوا کرتے کہ بیز بیٹھ گئے ہونے والی بات کہ حال ہی میں کسی آثار قدیمہ کی تلاش کرتے ہوئے اپنے اسباب جہالت میں ایک کرم خوردہ مسودہ ہاتھ آیا۔ دیکھا تو "بے پر کی" چوتھی اڑان تھی، جو آج اٹھارہ برس بعد "ساقی" میں اڑ رہی ہے، اور اس بل پہ اڑ رہی ہے کہ اگر نصیب اعدا" جھانپلزم ایکٹ اب بھی برسرکار ہے تو یہ فدوی اس کی زد سے دور یعنی" بارہ پتھر" باہر ہے۔

"آدارہ"

دکھٹیا پہ پڑے پڑے، "پناہ بہ خدا. . . . . . . وہ تو کہیے کہ خیر گزری اور جاگ ہو گئی۔ ورنہ کام ہی کر چکا تھا مردک! . . . . خیر اس وقت تو ذری حواس

ہر جانہ تھے مگر توبہ توبہ کرکے کہتا ہوں کہ بچا جو کہیں لمحے بھر پہلے آنکھ کھل جائے نا تو غضب ہی تو ڈھا دوں، قسم پروردگار کی وہ "ملا وا جنیؤ کا ہاتھ دیا ہو فستقی کے کہ معاذاللہ! .... آنیتیں ڈھیر ہو جائیں آنیتیں بھاگتے راہ نہ ملے کافر کے تئیں، جی اور کیا۔ تادمِ زیست یاد کرے ملاعون! ہونھ! دل لگی بازی ہے۔ سپاہی کے پوت ہیں، عمر بھر کمیدانیاں، رسل داریاں کی ہیں کہ باتیں.... ...... مگر واللہ ماتنا ہوں قسم قرآن کی، شور سے پشت جبلیا! کیا چکمہ دیا ہے کہ افوہ! یعنی دیکھتے دیکھتے پنجرہ سمیت غائب" خالی حقہ گڑگڑا کے اور اس گپو احرامخور کو تو ذری سویرا ہونے دیجیے کھود کے دفن نہ کر دیا ہو تو مغل سے نہیں چمار سے کہیئے گا قسم قرآن کی کشتنی گردن زدنی!"

" اس گھر میں کیا کچھ حشر برپا ہا اور اس مادر بخطا کے کان پہ جوں نہ رینگی خبر تک نہ ہوئی اصلا، کام چور ٹھلا خدائی کا" منہ پر سے دولائی ہٹا کر "گپوا! گپو! ابے او گپوا کے بچے۔ اٹھتا ہے نابکار، یا ہے شرط کہ بگڑ چلوں اور دوں آنا کے گدی پہ ایک چکت، جی کھیر کی قلفیاں اور شیرمال چٹ کر کے جو مردک نے لمبی تانی ہے تو سنکنے کا نام نہیں"

گپوا :۔ نیند کے عالم میں جھنجھلا کر " اے کچھ کہیئے گا بھی یا نخق بن نخق ٹیں ٹیں ہی مچانے جائیے گا، کھٹملوں نے الگ ناک میں دم کر رکھا ہے، آپ الگ خفکان کر رہے ہیں"

پہلا :۔ گنتا جا نمک حرام تو اپنی گستاخیوں کو گنتا جا، ذری سویرا ہونے دے تب مزا چکھاؤں گا اس کا، کلیجے چیر کے نہ دھر دوں تو سہی، بولنے کو ترس جائے حبس کی سند، اور سنئے باجی کی، ہم ٹیں ٹیں مچاتے ہیں خاقانی ہیں؟"

گپوا :۔ یلیجے یہاں جاڑے کے مارے اچور ہوئے جا رہے ہیں، میاں ہیں

کہ ہوا سے لڑ رہے ہیں اور اول فول بک رہے ہیں، آدھی رات ادھر آدھی رات ادھر، دخت دیکھیں نہ بلے وخت، کوئی سے نوالو کی پھبتی کہئے جی اور کیا، نالست ہے واللہ اس نوکری پہ اور کرنے والے "گالی دے کر" کو تو کیا کہوں "

پہلا:۔ برافروختہ ہوکر "اے کیا کہوں کے چچا، اٹھ گئے چراغ جلاتا ہے کہ نہیں وہ گھستیٹیں قطامہ کا بلا طوطے کو پنجرے سمیت اڑا لے گیا، ہے ہے قسم قرآن کی وہ تو ہاتھ پاؤں نہیں ہلائے، میں نے نہیں تو مجھ پہ چوٹ کی تھی،

گپوا:۔ لیٹے سے بیٹھ کر" تو یہ کہئے چچ چچ! ہائیں غضب ہو گیا، میاں یہ کب؟ چچ چچ! خیر طوطے کا تو غم نہیں، ایک نہیں "گالی دے کر" آپ کی جان کو دس، ہل یہ برا داؤں مارا کہ دھیلی دس گنڈے کا پنجرہ گانٹھ دیا"

پہلا:۔ متاسف ہوکر" ہائے واللہ تھا تو منتّت پر، مگر قسم قرآن کی بلبل ہزار داستان، جہاندیدہ مزاج دال، اور جب سے چپکی پہ لگ گیا تھا تب سے تو جانہار کے اور بھی جوہر کھلے تھے، قسم ہے جناب امیر کی جھوٹ بولے والے گالی دے کر" کو بھئی، کچھ کہتا ہوں، کہ رات رات بھر میں تو اکثر میٹھی نیند سویا ہوں اور وہ شخص داستانیں کی داستانیں منہ زبانی سنایا کیا ہے منہ زبانی! اللہ بخشے فردوس مکانی کو، انھیں نے ایک روز اپنے چڑیا خانے کی سیر کرائی، چڑیا خانہ کاہے کو تھا ایک طلسمات تھا اور اس طوطے کو دکھاکر کہنے لگے کہ مرزا استاد بھئی یہ خبر رہی، دیکھا تم نے؟ میں نے منہ بنا کر عرض کی "جی ہاں پیر و مرشد، مگر غلام کے نزدیک کوئی انوکھی بات تو پیدا ہے نہیں اس میں" ہنسے اور فرمایا کہ "مرزا تم بانک پٹے کے استاد ضرور ہو، استاد کیا یعنی اس وقت اکے ہو شہر میں، مگر یہ علم بھئی ہمارے گھر کا ہے، اسے ہم خوب

جانتے ہیں" یہ کہہ اور گنگا جمنی پنجرے سے طوطے کو نکال کر آنکھ چومارتے ہیں تو مٹھو میاں کیا فرماتے ہیں کہ ع :- قدر جوہر شاہ داند یا بداند جوہری پھڑک گیا، ششدر رہ گیا۔ قسم قرآن کی، ایں طوطا اور یہ برجستہ جواب! ہائے واللہ کیا نیکھا شہزادہ تھا، بات کا دھنی اور کلیجہ تو رستم کا لے کر آیا تھا اللہ کا بندہ، بس چتونوں سے تاڑ لیا کہ مرزا کا دل اس پہ آگیا حکم دیا کہ مرزا استاد یہ طوطا تو آپ پالیے، مگر دیکھنا مرزا ابھی تمہیں کبریا کا واسطہ میرے طوطے کو ایذا نہ پہنچے نہیں تو حشر میں دامن پکڑوں گا، ڈھاکے بنگالے کا ایک سوداگر نذر کر گیا ہے، کہتا تھا کہ جاٹوں نے مالوے پر جب یورش بولا ہے تو وہاں کی رانی راج پاٹ دھن دولت چھوڑ چھاڑ صرف اس طوطے کو لے کر مردانے بھیس میں جنگل بیابان کو نکل گئی تھی، مگر رستے میں کسی شقی لعین نے تیر بچہ جو اٹھا کے جھونک دیا تو جل بھنکر خاک ہو گئی اور یہ اتنہ بھر کی ننھی جان دشمن کے پلے پڑی، مرزا دیکھتے نہیں ہو بائیں آنکھ نذارد ہے، چھرے پھپلتے پڑے جو ایک آنکھ ہی کام آئی ورنہ سر قلم ہو جاتا۔" ہائے واللہ وہ دن ہے اور آج کا دن کہ صاحب عالم کی روح کو میں نے جو ایذا پہنچائی ہو تو لعین ہی کا کام ہو واللہ خیر، مگر اتنا کہہ دیتے ہیں کہ یہ خون ناحق بالا بالا نہ جائے گا لے بے ایمان خود مجرا ہوئی اور ہم نے تھانے کی کنڈی کھٹ کھٹائی اور رپٹ داغی، ہرد تو سہی بی صاحب کا مع بلے چالان نہ کرایا اور یہاں سے لے کر بڑے صاحب تک اور وہاں سے نائب لاٹ صاحب نہ کھچوایا تو "مرزا الٰہی بخش" نام پلٹ دینا، بلّا پالا ہے مالزادی نے یا خونی باندھا ہے، بس کہہ تو دیا کہ گھر بھر کی ٹنڈیاں نہ کسوادوں تو دھتے ہاتھ کا کھانا حرام ہے قسم قرآن کی!!

کیوا :- بات کاٹ کر" منہ کا ہے کو ... ے کا پیٹ ہے کہ اب چلا تو چلا۔۔

میاں تھانہ عدالت پیچھو کیجیے گا، پہلے تکیہ تلے سے ماچس کی ڈبیہ نکالئے دیکھیں تو سہی کہ آخر کے تئیں گیا کدھر؟"

اندھیرے میں ٹٹول ٹٹال مرزا صاحب نے ڈبیہ دی، گپو انے دیا سلائی کھینچی اور کپی جل گئی۔

گپوا:۔ دیکھ بھال کے" جی میں آتا ہے کہ سر پیٹ لوں اپنا واللہ، سنکھیا کھائے سو رہوں ان باتوں پر، توبہ توبہ! اسی سے تو کتابوں میں لکھا ہے کہ نشہ حرام ہو تا ہے اور اس مردار افیم کا تو سب سے کمین، اودھم جوت دیا مار کے، لگے واہی تباہی بکنے لام کاف کرنے" پنجرہ دکھا کر" یہ کیا ٹنگا ہے پنجرہ کھونٹی میں"۔

مرزا:۔ دولائی پھینک نیم خیز ہو کر" ایں کیا کہا؟ ہاں نہیں واللہ قسم قرآن کی مگر یار گپو ذری دیکھنا تو جھانک کے وہ بھی ہیں؟"

گپوا:۔ طنزاً:۔" جی نہیں تو.......... لے یہ کیا ٹیاں سے بیٹھے پٹ پٹ آنکھیں مار رہے ہیں، مار بوکھلا دیا لے کے آپ نے، سچ ہے آدمی ہیں بس ہی حواس ہیں"۔

مرزا:۔ لیٹ کر" لاحول ولا قوۃ، بھئی مار ڈالا، بڑا دھوکا ہوا اس وقت قسم قرآن کی

گپوا:۔" جی اور کب نہیں ہوتا، پینک میں، کوئی آج آپ ہمیشہ مچھر کا ہاتھی بناتے ہیں۔ مل کہے کون، لاکھ بار سمجھایا کہ مہنگے مہنگے تو ذری پینک میں کمی کر دیجیے مل نہیں، غضب خدا سونے کے بھاؤ تو افیم مل رہی ہے، یہ تو کال پڑ رہا ہے کہ روپے کے پان سیر گیہوں ہیں، آپ ہیں کہ آٹھ تو گنڈے سے کم کی پیتے نہیں اور یار دوستوں کے جلسے میں دو ایک دور چل گئے وہ گھاتے ہیں"۔

مرزا:۔ خفیف ہو کر:۔" خیر بھئی کھائی تو کھائی اب کھائیں تو رام دہائی معاف کرو اور جا ہی لے کر حقہ تازہ کر کے ذری ایک تو اتو بھر دو"۔

گیپوا :۔ "جی ماف واف کے بھروسے نہ رہئے گا کہیں آج تاروں بھری رات میں بے خطا بے قصور لاکھوں صلواتیں سنائی ہیں آپ نے یاد رکھئے گا اور ہاں یہ جب دیکھئے تب گپوا گپوا کیا کہا کرتے ہیں آپ، نوکری کی ہے یا ذات بیچی ہے کوئی ہم نے اور سنئے گپوا گپوا واہ کیا خوب، کوئی دھنا جلاہا مقرر کیا ہے آپ نے ہم بھی کوئی ایسے ویسے نہیں ہیں اصل پٹھان ہیں آکرزئی، سنا آپ نے، ہونھ بہ جیبنے پیچھو ڈھیلی کے پیسے دیں گے اور سمجھیں گے مول لیکے چھوڑ دیا، حاتم کی گور پہ لات مار دی! خبردار جو آج سے ٹھیک نام نہ لیا آپ نے عبدالغفور خاں اور نہیں تو کیا؟"

مرزا :۔ بہت اچھا غفور خاں صاحب بہت اچھا، اب تو خوش ہوئے۔"

گیپوا :۔ کیوں نہیں، سلامت رہیئے یہ ہیں دیکھئے شرافوں کی سی باتیں، یہ نہیں کہ اس کا سامنہ اٹھا لیا اور گپوا گپوا! بڑی مہر کی نظر ہوئی تو گپوا سے وہ تو کہیئے ان پڑھ جاہل رہ گئے ہم، نہیں تو آج چلمیں بھرتے ہوتے آپ کی، راس نہیں آیا یہ علم "گالی دے کر" ہم کو اور آتا تو کیونکر سے، مولوی صاحب تھے کل جسے ہم نے دئے جمال گوٹے، بس بددعا لگ گئی ہم کو، ل میاں ایک بات ہے کہ آپ کی سلامتی میں جگہ نوابوں رہیسوں ہی کے برابر ملتی ہے"

مرزا :۔ اماں ہاں غفور خاں بھئی خوب یاد آیا" ہنس کر" طوطے کے لئے بیٹھ بٹھ گئی بھی تم نے خوب کہی، قسم قرآن کی برجستہ کہتے ہو، تھی تو ہم پہ مگر جاؤ کیا یاد کرو گے ہم نے معاف کیا ہمارے خدا جانے معاف کیا۔"

گیپوا :۔ سلام کر کے" حضور کی بدولت ہم بھی دو گال ہنس لیتے ہیں، ملاحظہ کیجیے گا حقہ بھی وہ پلاتا ہوں اس وقت کہ آنکھیں نکل پڑیں حضور کی کلیجہ تک سلگ جائے۔"

مرزا الٰہی خیر صاحب پلنگ پہ دراز ہو گئے اور گپوا حقہ بھرنے چل دیا۔

گپوا :- چلم بھرتے ہیں "نرے بودم بے دال ہیں میاں ہمارے پورے چونگا کن گھامڑوں سے پالا پڑا ہے آن کے کہ توبہ توبہ! پڑے پڑے اچھی السیٹھ لگائی جارڑے ہیں کہ بلا طوطا لے گیا ان کا سرا اور مزہ یہ کہ اوپر سے سورما بنتے ہیں آپ، اپنے حساب بڑے بہادر ہیں، اسی دن بھٹیاری والا جو ذری کے ذری سیدھا ہو گیا تو ہنکارتے ہی رہے، نکلا ہی کیا تمنچہ اور کٹاری اور وہ آنکھوں تلے سے کنکوا اور ڈور کا گولا لے گیا اور مٹھی بھر بھر کے دھول جھونکی ڈو نفے میں، جی اور کیا" نیچہ بہکا گئے "کیا موسم ہے واللہ" گالی دے کہ "یار ہات گل گئے، نالت ہیں تھوک ایسی طلب پر، جی، کلیجے میں دم ہا نہیں اور فرمائش کریں گے توے کی، اب کہئے دو گھنٹے ان کے لیے سلگائے کون بیٹھ کے وہی ایک گپوا؟ سو چاہے اوڑھو چاہے بچھاؤ" سٹ سٹ دو چار کش لے کر ابے سلگ بھی چک کہیں، نیند کے مارے حواس ہا نہیں ٹھکانے، سر پھٹا پڑتا ہے حقہ ہے کہ نخرے کر رہا ہے۔"

مرزا :- اندر سے "ماں غفور خاں کیا بجا ہے؟"

گپوا :- جل کے "بجا کیا حقہ بجا ہے۔"

مرزا :- بڑا عیبی ہے بے، لگائیں تو نے پھر وہی باتیں۔"

گپوا :- چنخکر "میاں سنا حقہ پینا ہے تو سیدھی طرح پی لیجئے اور جو بلے نے کھینچیگا تو اس وخت بن نخت کی ٹھائیں ٹھائیں ہو جائے گی ہمارے آپ کے اور نہیں تو ایک تو نیند خراب کی بھلے مانس کی، ویسے ہی سوخت ہو رہے ہیں، اوپر سے بے تے، کا پہاڑ اپڑ ہے ہیں آپ، اور جو ہم بھی کہہ دیں۔

الف بے ہوا، ماں چیل باپ کوا

تو دیکھئے کتنے چرھینڈے ہوتے ہیں اپنی وسنے کو" اندر جاکر "لیجئے اٹھیے"۔

مرزا:۔ دیکھے پڑ کر "لاؤ لاؤ بھئی جیتے رہو کیا کام کیا ہے واللہ، اماں خاں صاحب تم تو اک ذری سی بات میں بگڑ گئے۔"

گیسوا:۔ اے حضور مجال ہے میری، آپ مالک میں غلام، آپ آقا ہم نوکر، ل میاں کو یُں کی آواز ہے جیسے کہیگا ویسی سنئے گا" لیٹ کے" لے اب ہم تو سوتے ہیں میاں آپ چاہیں رات بھر مکان رکھائیں یا ہماری جان کچھ کریں ل ابھی بلاّ ولا نہ کہیں لگا دیجئے گا۔ اب تو جنگل کا شیر بھی ایک دفعے کو آئے گا تو بندہ درگاہ اپنی جگہ سے نہیں ٹسکنے کے، ہاں۔"

مرزا:۔ گھنٹے کی آواز سن کر "ایک دو تین۔ ایں لیجئے اس گلخپ میں دھیان ہی نہ رہا اور تڑکا ہو گیا میاں غفور خاں بھئی یہ سونے کا وقت نہیں، میں نہ مانوں گا قسم قرآن کی، اماں اٹھ کے مولا کی یاد کرو۔ چار نیتیں اڑاؤ سویرا ہو جائے اور اب ہماری چسکی کا وقت بھی آیا ہی سمجھو۔"

گیسوا:۔ رزائی دزائی پھینک کر" جی ہم تو مولا کی یاد کریں اور آپ افیم کی؟ کیوں ہاں تھو! پھیٹے سے منہ! بات یہ ہے کہ آپ کے دماغ میں تو سمّی ہے خشکی اور یہاں تڑکے اٹھ کر الغاروں کام کرنا ہے، چاہ بنانا، برتن مانجنا، سودے سلف کو جانا، پھر چولھا جھونکنا، ہنڈیا ڈوئی کرنا، کہئے ہاں آپ ہل کے پانی پینا نہیں جانتے، اتنا کام کون کرے گا میں یا شیطان؟"

مرزا:۔ بھئی کام کی جو کہتے ہو تو قسم قرآن کی وہ تدبیر بتاتے ہیں کہ پھڑک اٹھو گے اور ترکیب بھی سبحان اللہ وہ مختصر کہ ہرا لگے نہ پھٹکری اور رنگ چوکھا آئے، میاں ہم سے میانا وہ دوانا"

گیسوا:۔ اب منہ سے کچھ پھوٹیے گا بھی؟"

مرزا:۔ فقرہ مضم کر کے "سنئے آپ کی ایسی تیسی، اب تو بیٹھ کے کوئی قصہ کہانی

چھیڑیئے جس میں رات کٹے، پھر چسکی وسکی سے فارغ ہو کر سو رہیں ہم آپ دونوں
کہئے بہت خوب، آنکھ کھلے دن چڑھے، جھٹ ہات منہ دھو، آپ جائیں بازار
اور چار آنے کی آبیاں اور چھ پیسے حد دو آنے کی لائیں نہاری اور اک دو شیرمال،
اور ہاں چار ڈبل...... کی برنی، یا نہ ہو تو قلاقند مگر ہو تازی، بس کھا پی کے فرصت
ہوئی تو ہم چلیں جانی مرزا کے ہاں، دو دو بازی گنجفہ ہو، ورق بدے ہیں ان سے
دو دو روپے ورق، اور آپ شام کے لئے مسالا پلیں، نہ کہئے گا کیسی کہی؟"

گپوا:۔ سوکھے منہ سے" سبحان اللہ، یہ حضور کا حصہ ہے، علم کا زور ہے، ہم سے
جاہل کو دن کی عقل اتنے لمبے پہ تھوڑی جا سکتی ہے کیا ممکن ہے، ئں میاں" سر
کھجا کر" غلام کو یہ اور معلوم ہو جاتا کہ یہ دس بارہ آنے کے پیسے آئیں گے کہاں سے؟"

مرزا:۔ کنوں پرسے جانتے رہے" کیا کہا بے تو نے؟ پھر تو کہنا۔ یہ ہماری بات
میں چوں چرا کیسی؟ ایں، اس کے کیا معنی؟ ادھیڑ کے ڈال دوں گا قسم قرآن کی
کہاں سے آئیں گے، کہاں سے آئیں گے؟" زور دے کر" ابے وہاں سے
آئیں گے جہاں سے اور سب آتا ہے"

گپوا:۔ سب تو حضور پروردگار کے حکم سے بنیہ دیتا ہے"

مرزا:۔ تو یہ بھی بنیہ دے گا"

گپوا:۔ سنجیدہ بن کر" جی بجا ہے، دیگا اور بے شک کر کے دیگا، ئں سویرے بن
داموں کھوپڑی کی کھپڑیل بھی بنا دے گا، چندیا کی استری بھی خوب ہو جائے گی"

مرزا:۔ آئیں تو جائیں کہاں" چپ مردود، بدزبان، نفرے، ٹکے کے پیادے
بڑے آئے وہاں سے بنیہ کی وکالت کرنے والے، زبان میں یاجی کی موچ ہی
نہیں گویا، طرح دیتا ہوں مگر جی میں آتا ہے اٹھ کے جوتی سے کھوپڑی کی اصلاح
کر دوں، بچا اٹھتے ہی گڑگڑی اور لو ہار کھ کے نہاری نہ لایا تو مار ہی ڈالوں گا

قسم قرآن کی، اور تو اور بنیہ سے بھی ہم وہیں گے، اے گولی سے تو ہم بات کرتے ہیں اور خیر چلئے اوس کے دن نہیں تو اب گالی سے بھی گئے گزرے گیا "۔

گپیوا:۔ یہ مانا حضور، یہاں پر ہم بھی قائل ہیں، پہلے ہی حضور کا منشا معلوم ہو جاتا تو یہ تو نوبت ہی کاہے کو ہوتی۔ اب تک گڑ گڑی لوٹا کیا مال ہے حکم پائیں تو ہم تو حضور کے کوٹے کر لیں آپ تو خدا کے واسطے کو ایک چلتی بات کہہ اٹھائی تھی کہ حضور بنئے کے ہاں سے آٹا دال تو خیر ادھار مل بھی جاتا ہے پَل نقد پیسے تھوڑی ملیں گے، آپ تو چار جامے تو یہ پاجامے سے باہر ہو گئے اب حکم نشد ہو گیا ہے تو ہم بھی منہ اندھیرے آفتابہ اور گڑ گڑی میکے سے سسرال پہنچا دیں گے، جی اور کیا، چلمچی اور ڈگچیاں جہاں سدھاریں وہاں بھائی بہن کی یہ جوڑی اور سہی" پَل ایک بات ہے جو آپ کڑوے نہ ہوں، حضور ہیں بڑے سخی کے بچے، لنگوٹی تک کو چاہے محتاج ہو جائیں، پَل بے شیرمال کے حلق تلے نوالہ نہ اترے گا، کچھ خلاف ہے اس میں؟ سچ کہئے گا"۔

مرزا:۔ باچھیں کھل گئیں" سچ کہتے ہو واللہ قابل انعام، خوش کر دیا اس وقت تم نے اں غفور خاں! بھئی آج سے افیم پیا کرو تم بھی"۔

گپیوا:۔ مجھے تو بخشیں حضور، ان کالی مائی کو دور ہی سے ڈنڈوت ہے ہماری، اچھی دادی" کچھ سوچ کر" ہمیں تو آپ ہی کے لالے پڑے ہیں، دیکھنا ہے کہ آپ ہی کی کے دن چلنے پاتی ہے"۔

مرزا:۔ کیا افیم؟ افیم تو بھئی مرتے دم تک ساتھ ہے انشاء اللہ تعالیٰ"۔

گپیوا:۔ "جی اور کیا سچ بھی ہے، کلمہ درود تو ساتھ جانے سے رہا آپ کے نانے آپ سمجھے ہی نہیں ہم نے کیا کہا، اور سمجھ میں تو تب آئے کہ گرہ میں تولہ ماشہ ہو بھی"۔

مرزا:۔ "چلئے وہ ہم بیوقوف گو کھے سہی، آپ کی بلا سے، اپنا مطلب کہیے"۔
گیبوا:۔ آواز بلند کر کے "مطلب یہ کہ جھگڑا ہی پاک ہوا جاتا ہے دس پانچ دن میں اس کا، نہ شہر میں افیم ملے گی نہ آپ پئیں گے"۔
مرزا:۔ "واہ بے" ہنس کر "بڑا زبٹیا ہے، کیوں حضت کیوں نہ ملے گی؟ اور نہ ملے گی تو پاپوش سے، اپنے بھرکی ہم گھر بولیں گے، اور رکھوالی کو تمھاری نوکری بول دیں گے، اپنے بیٹھے ہوئے کوّے ہنکار ہے ہیں مزے سے چلئے چھٹی ہوئی، اب کہیے"۔
گیبوا:۔ منہ دھو رکھیے، حکم آگیا، بلکن کل ڈگی بھی پٹ گئی کہ افیم سب لام پہ لدگیا حکم بڑے صاحب کا، کرڑم دھم! کرڑم دھم!
مرزا:۔ رنگ پریدہ ہو کر "اماں نہیں، لگے بے تکی اڑانے"۔
گیبوا:۔ جوانی قسم میاں، میں کوئی جھوٹ بول سکتا ہوں آپ کے آگو، یقین نہ آئے تو اس کی اور بات ہے، اچھا وہ جو ناٹے سے گورے سے ہیں نا؟ بھلا سا نام ہے ان کا" ٹھہر کر "وہی وہی جن سے حضور نے اس اتوار کو کنکوے کا میدان بدا تھا اور انھیں نے ایک کل پیتے سے خدا جھوٹ نہ بلوائے تو حضور کے دس بارہ جمدھر اور کوئی کوڑی بھر بھیڑیے کاٹے تھے اور چراغ جلے اچھونے اتر گئے تھے، ان سے پوچھ لیجئے گا"۔
مرزا:۔ کون؟ بلاقی کو کہتے ہو گے، وہ سفلہ مسخرہ پیچ لڑانا کیا جانے، کل کا لونڈا ہمارے سامنے کا چرخی تھامنے کی تمیز نہیں جس کو، وہ کیا کھا کے میدان لیگا ہم سے، ہم کنکوا لڑاتے ہیں؟ اسے ہوا پہ دبو لڑاتے ہیں قسم قرآن کی ادا بجھا تو اتنا بڑا شہر ماشے اللہ سے پڑا ہے آج ہمارا سا کوئی نکال کر دکھا دے اور تو نہیں ناک تو ہم بدتے ہیں واللہ کیا مجال، ماں غفور خاں سو گئے بولے"

نہیں' یاد ہوگا کہ پرسوں ذری کے ذری چیل کے چھو گیا تھا۔ دو پر کالے ہو کر گری
واللہ!"

گیسوا:۔" یاد تو نہیں پل میاں ہوگا بنتنگ کر کے بیچ' تو وجہ کیا کہ ہمیں تو جھلنے
پیچھو اپنی اٹھنی سے کام' اینچ پینچ سے کیا واسطہ' اپنے حساب چیل گرے
کہ گدھا' دونوں ایک اور حضور . . . .

مرزا:۔ لال پیلے ہو کر " ہاں اور حضور' کیا کہا اور حضور' سوچ کے کہنا۔"

گیسوا:۔ " مطلب یہ کہ حضور تو کہاں کی بات کہاں لاڈالتے ہیں۔"

مرزا:۔ خیر چلئے بات بنالی اس وقت آپ نے ورنہ بے بھاؤ کے پڑتے۔"

گیسوا:۔ ہاں میاں تو بلاتی صاحب ہی پہ قرآن دھر کے پوچھ لیجئے کہ اگلے
جمے سے افیم لام پہ لدے گی کہ نہیں" وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ آئے ہیں ریل پہ
پٹارے کے پٹارے لدے چلے جارہے ہیں' کھانچیاں کی کھانچیاں جا
رہی ہیں' مارے بدبو کے ناک نہیں دی جاتی اور قلیوں کی تو کچھ پوچھئے نہیں
ماذاللہ کی پناہ! لادتے لادتے حضور نشے جم جاتے ہیں" دس ادھر غلبن پڑے
ہیں' پانچ ادھر انٹاغفیل ہو رہے ہیں' مکھیاں الگ بھنبک رہی ہیں' کتا
موت جائے تو ان کو خبر نہیں' بابو لوگوں کے ہاں البتہ رادی چین لکھتا ہے
شہر کے دس پانچ ایسی پہنچ گئے ہیں جلسے ہو رہے ہیں' شہر میں ایک پونڈا جو
دیکھنے میں آتا ہو' پھاندیاں کی پھاندیاں ریل پہ جارہی ہیں' بڑے ٹھاٹ
ہیں اور تو اور وہ دیکھئے شام کی تہم سے وہ فیضو فیضو ہیں نا؟ سیتلا منہ داغ کالے
سے سرمہ بیچتے ہیں' اناؤ سے آئے تھے' آنکھوں میں لال لال ڈورے دیکھے
ہیں نے پوچھا" ہاں تم تو بڑے مولوی مولانا بنتے تھے آج یہ کیا" قسمیں
کھا کھا کے بیچارے کہتے تھے کہ بھئی غفور خاں صاحب' کراچی بھری افیم کھڑی

تھی، پاس سے ہو کر نکلنے بھر کا گنہ گار ہوں، نشہ دبا بیٹھا۔"

مرزا:۔ مسرور ہو کر "سچ ہے واللہ سچ ہے اور میاں، لوگوں نے بدنام کر رکھا ہے۔ مفت میں ان نیک بخت کو، ورنہ چنیا بیگم اور آب حیات کا خواص یکساں ہے اور جو کہیں ذری نشہ نہ کرتی ہوتی تو قسم ہے قرآن کی حرام بھی نہ ہوتی، بس کہنے کو ایک ذری سا عیب رکھ دیا ہے پروردگار نے اس میں، مگر یار گپو اگر جو یہ خبر نصیب اعدا صحیح نکلی تو ستم ہی تو ہو گیا قسم قرآن کی بھئی چل کے ریل پہ دیکھنا چاہیئے اس کو ضرور، مگر اس کی لم نہ معلوم ہوئی آخرش کہ یہ لام پہ کیا ہو گا لاکھوں کروڑوں من افیم کا؟ اور ہاں بھئی یہ تو بتاؤ کہ یہ لام بندھا کس ملک پہ ہے، سراندیپ کے جزیرے پہ تو کہیں نہیں بندھا یعنی جس کو لنکا کہتے ہیں اور جہاں راون کا محل تھا یہ بھی اپنے وقت کے بڑے طبیعت دار رئیس گزرے ہیں، ایک ڈال سونے اور مرصع کا محل تھا اور بابا تو اس بلاکی کرتے تھے کہ ایک ایک گھائی میں لاکھ لاکھ جوڑ بند باندھتے کھولتے تھے، ہمارے ہاں اسی گھرانے سے یہ فن آیا ہے، خدا بخشے استاد بڑی تعریفیں کیا کرتے تھے۔"

گپوا:۔ "حضور تو ایک سانس میں خدا جانے کیا کیا کہہ گئے، ہاں ایک بات ہے میاں، ریل پر میں آپ کے ساتھ نہ جاؤں گا۔"

مرزا:۔ کیوں آخر وجہ، سبب؟"

گپوا:۔ اجی وجہ میں نہیں جانتا، روٹی ہانڈی کر کے یار لوگ بستر پہ دندنا ئیں گے، آپ اپنے شہر بھر کے قربان صدقے ہوتے پھریے گا۔"

مرزا:۔ "نہیں تم کو چلنا ہو گا اور نہ چلو گے تو قسم قرآن کی زیر بند بھی اتنے مارے ہوں گے کہ چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا، آئیے وہاں سے آقا چلیں

افیم کی زیارت کو اور نوکر پڑے پڑے نحوست پھیلائیں، کھٹیا کے بان توڑیں میاں چل کے دیکھنا ہے کہ پٹاروں کے کیا ٹھاٹھ ہیں؟ نشوں کے کیا عالم ہیں لام کدھر سندھا ہے؟ لڑائی کس ملک پہ ہے؟ اور یہ پٹارے بھر بھرا فیم کہاں جارہی ہے؟ کیوں جارہی ہے؟ ابے جاہل گاؤدی اس کے معنی تحقیقات ہیں یہ نہیں کہ پلنگ پہ پڑے پڑے .... اڑایا کرے، میاں جب تک ہر شے کی لم نہ دریافت ہولے اس وقت تک آرام کیسا"۔

گپوا:۔ مسکرا کے "تو یہ کہیے کہ سرکار تھانے دار کو توال ہو گئے جو لگے تحقیقات کرنے، اے حضور عقل کے ناخن لیجیے، اچھا اور جو سب باتیں ہم یہیں بیٹھے بیٹھے بتا دیں تو کیسی رہے"۔

مرزا:۔ جوش میں آ کر "غلام ہو جاؤں تمہارا عمر بھر کے لیے اور تو کیا کہوں"۔

گپوا:۔ "ہے؟ دیکھیے مکر نہ جائیے گا، اچھا قسم کھائیے"۔

مرزا:۔ بگڑ کر "لگے دون کی لینے، کیوں بے اٹھ کے گدی سے زبان کھینچ لوں"۔

گپوا:۔ جی لیٹے رہنے کو تکلیف کیجیے۔ یہاں تو مالک کے آرام کا ہر وقت خیال لگا رہتا ہے"۔

مرزا:۔ بھئی بڑے نمک حلال ہو واللہ، باغ باغ ہو گئی طبیعت تم سے غفور خاں، ہاں تو یہ لام کدھر سندھا ہے بھئی اسی سے شروع کرو چلو"۔

گپوا:۔ اے حضور آپ کی طرح کتے کا بھیجا تو ہے نہیں ہمارا سننا ہو تو ایک ساتھ سب سن لیجیے اور نہیں تو کیا"۔

مرزا:۔ بہ نرمی "بہت اچھا حضور فرمائیے"۔

گپوا:۔ اب آئے راہ پہ، سنیے ایک تھا بادشاہ، ہمارا تمہارا خدا بادشاہ، سنی

کہتے ہیں، دیکھی کہتے نہیں، سچ ہو تو ہمارے آگو آئے، جھوٹ ہو تو آپ کی گردن پہ سوار ہو۔"

مرزا:۔ "دیکھو بھئی جو ذری بھی چھپایا تو جو چور کی سزا وہ تمہاری سزا۔"

گیوا:۔ آپ تو بیچ ہی میں بول اٹھتے ہیں، ہم رتیوں بناتے ہیں، آپ تو لوں اڑاتے ہیں، آخر آپ آدمی ہیں یا گھن چکر۔"

مرزا:۔ "اچھا صاحب چلیے۔"

گیوا:۔ "دیکھیے اونگھ نہ جائیے گا پھر نہ کہوں گا چاہے رٹ رٹ کے آپ...
.........."

مرزا:۔ جھلا کر "بس آگے نہ نکلے کچھ منہ سے، کمبخت منہ پہ کوستا ہے۔"

گیوا:۔ بہت خوب، ایک ملک ہے کوئی جہاں کے آدمی گھڑ مونہے ہوتے ہیں کیا مرد کیا عورت......"

مرزا:۔ بات کاٹ کر "کیا کہا؟ گھڑ مونہے! تمہیں قسم قرآن کی، اماں فردوس مکانی کے چڑیا خانے میں بھی ایسا ہی ایک آدمی آیا تھا، یہ یاد نہیں اس وقت کہ مرد تھا یا عورت، معاذ اللہ! دانت تھے مردک کے کہ الٰہی توبہ! دیکھے سے ڈر لگے، خدا بھلا کرے جیکی پہ تو لوٹ تھا، پیالی دور سے دیکھی اور لگام ایال پھلا کر ہنہنانے، صاحب عالم فرمایا کرتے تھے کہ کہیں ولندیز کے اس پار کوئی جزیرہ ہے وہاں کے آدمی سب ایسے ہی ہوتے ہیں، میاں غفور خاں، ہزار ہزار کے اسی توڑے کلکتے والے سوداگر نے لیے اور سرکار سے خلعت اور شمشیر عطا ہوئی وہ الگ، تب کہیں بات آیا تھا چلتے چلتے سوداگر جتا گیا تھا کہ جنور ہے تو بہ گھڑ مونہے کو ایم سے نہ نوڑیے گا پھر سال بھر بعد دیکھیے گا سات زبانوں میں تو بات کرے گا اور سپہ گری کا فن تو گویا ان کے

ملک سے نکلا ہے، غلہ وہ بے مثل لگاتے ہیں گھڑموہے لوگ کہ واہ وا ہاں بھئی غفور خاں پھر کیا ہوا؟"

گپو:- ہوا کیا آپ کا سر، اے حضور میں آپ کو اتنا نہ جانتا تھا، یہ بتا دیجئے کہ آپ کو کبھی بخار آیا ہے تو آگے چلوں۔"

مرزا:- ایک دفعہ پوچھتے ہو، میاں کوئی سو کروڑ دفعہ آیا ہوگا۔"

گپو:- بس میاں آپ کے بر بر ہم نے تو دوسرا دیکھا نہ سنا، لیجئے آج خبر ہوئی کہ آپ گھڑموہے آدمی برت چکے ہیں، پھر بھی پوچھے جاتے ہیں کہ لام کہاں سندھا لڑائی کس سے ہو رہی ہے"

مرزا:- "توبہ کہئے سندھ پہ، ار آج کل گھڑموہوں سے چھڑی ہے۔ سمندر پار۔ اہا جبھی تو میں کہتا ہوں یہ افیم پہ افیم کس طرف لدی چلی جا رہی ہے، ٹھیک، اب سمجھ گئے ہم، ایں افوہ! گپو دیکھا جہالت کا مزہ آج چکھا کہ نہیں دیکھئے ہم کو وہ لم بغیر پوچھے معلوم ہوگئی اور تم سنی سنائی اڑا رہے تھے کیوں بچا، تو وجہ کیا کہ بادشاہوں شہزادوں کی صحبت اٹھائی ہے، رئیسوں نوابوں کی آنکھیں دیکھی ہیں ہم نے، یا آپ کی طرح گھس کھدوں کی۔"

گپو:- اتنی دیر میں حضور کی سمجھ پہ ایک ہوئی، خیر کہہ لیجئے، مالک ہیں جان مال کے آپ۔"

مرزا:- جی وہ اب ایک ہو یا دو، سننا پڑے گی قبلہ۔" راوی، ایں قبلہ! میاں علم اور تجربہ بڑی شے ہے پھبتی اس کے زور پہ کہہ لو، ضلع جگت پھکڑ اس کے بل پہ اڑالو، جی اور کیا، ہل تک چلالو اور نو اور علم کے زور سے افیم وہ گھلتی ہے کہ بادشاہ، ہاں بھئی گھڑموہوں کا حال تم ہم سے سنو، ان کا کھانا پینا سب افیم ہے، بس معلوم ہوتا ہے اور معلوم کیا ہوتا ہے یہ جی علم کی بدولت

ہے جو ہم بتا رہے ہیں، ورنہ کوئی بڑے مولوی مولانا تو بتا نہیں سکتے۔ ان باتوں کو بتانا تو درکنار بڑی سستی ہے، توبہ توبہ کر کے کہتا ہوں منہ نہیں کھول سکتے ہمارے سامنے ہاں تو معلوم ہوتا ہے کہ اب کے اُدھر برسات نہیں ہوئی اور قحط پڑ گیا بس بولائے گھڑموہوں نے چڑھائی کر دی، ہندوستان ہوا، مانوہ ہوا، چین ماچین ہوا، یہ تو آپ جانیں کانیں ہیں افیم کی کانیں، یہاں سے بڑھ کے ہوتی ہی نہیں کسی ولایت میں، ہفت اقلیم میں یہیں سے ال جاتا ہے، تو اب دیکھیے کہ جب یہاں جواہرات کے مول ہو گئی تو وہاں کا کیا ٹھکانا، معاذ اللہ، بس جھلا کے انھیں نے چڑھائی کر دی یہ ملک ہمارا ہمیشہ کا دبو، لگے کھانچی پہ کھانچی پٹارے پہ پٹارا بھیجنے، لاحول ولاقوۃ لعنت ہے قسم قرآن کی اس بزدلے پن پہ، زوفشہ ہے واللہ! لے آنے تو دیا ہوتا ذری سرحد تک، پھر دیکھتے کہ کیا تگنی کا ناچ ناچتے ہیں یہ گھڑموہے اور سنیے یہ پردیسی چوٹٹے آکر ملک سے افیم لے جائیں اور ہم کنگال ہو کر دربدر مارے پھریں، ایک ایک کا منہ تکیں۔"

گیسوا:- بیچ میں "آپ کی بکواس میں یہ کہنا تو بھول ہی گیا کہ گھڑموہوں سے لڑنے کے لیے آدمی بھرتی ہو رہے ہیں، لال کرتی میں ایک صاحب آیا ہے وہ بھرتی کرتا ہے بڑا بھلا مانس ہے، حکم دیدیا کہ جو چاہے لام پر چلا جائے، آدھی چھٹانک افیم اور پاؤ بھر جواہر کے ہاں کی بالوشاہیاں اور سیر بھر دودھ اور شکر، چاہے چینی لیجے چاہے شہجہاں پور کی اور بالائی بیڑے، گرما گرم چاہ کی پیالی صبح شام ملے گی اس پر مفت، برتن کپڑے اپنے اپنے، اُلّو میاں۔۔۔۔۔۔"

مرزا:- بات کاٹ کر "بھئی غفور خاں، جو یہ سب سچ نکلے نا تو قسم قرآن کی کل ہی سے تم برطرف اور ہم رسالے میں، مالک ہزار ہزار شکر ہے تیرا پروردگار، وہ جو کہتے ہیں گھورے کے بھی بارہ برس بعد دن پھرتے ہیں، وہ مثل سچ ہو گئی، بس غفور خاں

خاں کل سب کا حساب کر ادو، اور بھائی" آبدیدہ ہو کر "خدا کے لئے تم کو پنجتن کا واسطہ ہمارا کہا سنا معاف کرنا، ہم تو چلے، بس قسم قرآن کی ایک ایک دم اب شاق ہے واللہ ہم پر، اور میاں سپاہی کی موت مرنا تو خدا ہر مسلمان کو نصیب کرے لڑیں گے اور یا تو مر ہی جائیں گے یا" گالی دے کر" ان گھڑموہوں کا قصہ ہمیشہ کے لئے پاک کر دیں گے۔"

گپھوا" ل میاں آپ میں ایک بڑا عیب ہے کہ کسی کی اپنے آگو سنتے نہیں اے حضور یہ سب کچھ ہوا۔ ایک بڑی ٹیڑھی کھیر ہے، وہ بھی تو سن لیجئے، وہاں تیس برس تک کے آدمی لے جائیں گے، باقی ندارد۔"

مرزا:۔" ہا کمبخت پھانس مارہ، تو ہر جگہ کانٹا مارتا ہے مردود، جا دور ہو سامنے سے ورنہ اس وقت طیش ہے قسم قرآن کی، ہات منہ چل گیا تو . . . ."

گپھوا:۔" قطع کلام کرکے" ہاں ہاں میاں ہات کا جواب تو خیرلات ہے، منہ نہ چلے نہیں تو میرے کون آدھی رات کو کپڑے وپڑے دھوتا پھرے گا، جاڑے کے مارے آپ ہی کچھ مرنکلا جارہا ہے۔"

مرزا:۔ ہنس کر" بڑا مسخرا ہے۔ ہر وقت دل لگی، ہر وقت دل لگی، مگر یار گپھو تم بھی ہمارے ساتھ چلے چلو، دیکھو تو قسم قرآن کی کیا جشن رہتے ہیں۔"

گپھوا:۔" پہلے اس بات کا تو ٹھیک کر لیجئے۔"

مرزا" واہ بے، ہم نے تیرے کہتے ہی وہ ترکیب دماغ سے اتاری ہے کہ بقراط کو بھی سن کر چکر آ ئے۔" کان میں" ابے خضاب لگا لیں گے کسی سے کہنا نہیں بھیڑ میں دیکھتا کون ہے، نکل چلیں گے، کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔"

گپھوا:۔" نہیں حضور، میں کہیں آپ کی آبرو کے پیچھے تھوڑی پڑا ہوں، ہنسی دل لگی میں اور بات ہے، آپ مالک ہی ٹھہرے۔"

مرزا:- "تو بھئی غفور خاں چلنا پڑے گا، اس کان سنو یا اس کان، میدان جنگ میں تمہارے آقا کے کیا کیا جوہر کھلتے ہیں، قسم قرآن کی ایک ایک گھڑ موہے کو چوزنگ نہ بنایا تو نام نہیں، بانک، بنوٹ، پٹا، تلوار، نیزہ آخر ہم سند کس کام ہیں ہیں ہاں ایک ذری گھوڑے کی سواری کا برسوں سے اتفاق نہیں ہوا ہے اور بھئی اصل تو یوں ہے کہ گھوڑا اور پانی، دو ہی چیزوں سے مرزا ذری ہچکتا بھی ہے۔"

گیوا:- حضور اس کی ترکیب غلام بتائے گا یہ جو مٹھوا دھوبی نہیں رہتا ہے اس کا گدھا حضور کے لئے مانگ دیں گے، دانہ چارہ ہمارا اور لڑائی کے بعد گدھا صحیح سلامت واپس:-

مرزا:- "حضور اس کی ترکیب غلام بتائے گا یہ جو مٹھوا دھوبی نہیں رہتا ہے اس کا گدھا حضور کے لئے مانگ دیں گے، دانہ چارہ ہمارا اور لڑائی کے بعد گدھا صحیح سلامت واپس:-

مرزا:- "کیوں صاحب اب ہم گدھے پہ چڑھیں گے، ٹھونک چلوں آپ ہی پہ، ہوا بدلگام تو"

گیوا" واہ میاں واہ، سچ ہے نیکی کر دریا میں ڈال، بھر پایا ہم نے، جائیے اب ہم بولیں گے ہی نہیں، اور نہیں تو"

مرزا" تلملا کر" لاحول ولا قوۃ، کتنے پاجی نوکر سے سابقہ پڑا ہے قسم قرآن کی، اچھا صاحب مانا کہ گدھا منظور بھی کر لیں تو مٹھوا کیوں منظور کرنے لگا، وہ ایک ٹرّا اوچھا آدمی ہے، روزگار کی بات ہے کہ دل لگی، اب کہو۔"

گیوا" یہ کہی ٹھکانے کی، اتنی دیر بعد یہ بے تنک کر کے ماننے کی بات ہے، اجی ہم کچھ دے دلا کر راضی کر لیں گے اس کو، آپ گدھے کو لے کر نام پہ چلے جائیے گا پھر کیا کرے گا، ہے کہ نہیں؟ لائیے پلاؤ کا لا ہاتھ کیسی کہی!"

مرزا" ہاتھ ملا کر" بھئی واللہ خوب سوجھی، آخر کس کی صحبت یافتہ ہو۔۔۔۔"

گیسوا" دہی گھس کھدے کے، کہئے ہوئی اب تو ؟"

مرزا:۔ ہندی اور بیچ کھیت ہوئی، مرتے وقت بھی خدا کو جان دینا ہے، ذری سی بات کے لئے ایمان نہ بیچیں گے۔"

گیسوا" تو سویرے اٹھ کر یکی کر لیجئے گا۔ ورنہ دس بجے مٹھوا گھاٹ پہ چلا جائیگا۔"

مرزا" یہ بھی کوئی بات ہے اور وہاں عرضی پرزہ تو نہیں لکھنا ہوگا، اجی خود ہی لکھ لیں گے کوئی دبتے ہیں اس میں ہم کسی سے۔"

گیسوا" دیکھئے ہم بتائیں، جیسے اٹھے، کہئے ہاں، کھا پی کے گدھا ٹھہرایا، پھر چلے ریل پہ ۔ ۔ ۔ ل میاں اکہ کرنا پڑے گا۔ پیدل نہیں چلا جائے گا، کالے کوسوں ریل گھر ہے، وہاں سے لوٹے تو چلے صاحب کے ہاں، چھٹی ہوئی، آئے گھر اور دوسرے تیسرے روز ہم اپنے گھر اور آپ جھنڈم واصل کیجئے فرصت ہوئی۔"

مرزا:۔ برافروختہ ہوکر" ہاں فرصت ہوئی، مگر یہ جھنڈم کیا معنی، ایں یہ جھنڈم کس چڑیا کا نام ہے" گالی دے کر" نالائق بارہ برس دلی میں رہے بھاڑ جھونکنا نہ آیا ابے جہنڈم نہیں، جہنم ہاں جہنم! کہہ جہنم، ایک دفعہ نہیں دس دفعہ، تب یاد ہوگا کمبخت کند ذہن۔"

گیسوا:۔ جہنم جہنم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دس بار کہہ کر" کہہ تو دیا کہ الف بے تک پڑھا ہے نا ہم نے، بس اس میں تو جہنڈم ائے تو یہ جہنم ہاہم کہیں آیا نہیں، یہ تو آپ سے پڑھے لکھے لوگوں کے لئے ہے میاں۔"

مرزا:۔ بھول کر" اور کیا تم سے کندہ ناتراش کے لئے، ابے ہم شعر کہتے ہیں۔"

گیسوا:۔ کہتے ہوگے، ئی میاں ابھی بلا دیکھا تھا تو کچھ نہ بنا سکے۔"

مرزا:۔ تم گدھے ہو۔"

گیسوا:۔ ئی آپ کے لئے میاں مٹھوا والا ہی آئے گا۔"

مرزا :- اماں ہاں۔ سنا بھئی۔ ذری تڑکے اٹھنا۔ خضاب بھی لگانا ہے۔"

گپوا :- تو اس میں جلدی کی کیا ضرورت ہے توے کی سیاہی میں ذری سا کڑوا تیل ملا دیں گے، بہت بڑھے، اور حضور کے مزاج میں ذری تکلف بھی ہے تو دھوئی تلی کا سہی، چلئے خضاب بن گیا، منہ کالا ہوگیا دیکھئے گا کیا کاگ ریزی ڈاڑھی نکھر کے آتی ہے، اب دو گنڈے کیوں بے فضول کو خراب کیجئے۔"

مرزا :- مسکرا کر" مذاق کرتا ہے بے، اچھا ایک حقہ اور بھر لو اور سونے کی ٹھیرے

گپوا :- ایں ایں یہ بد بہر بیزی۔ ابھی رات پڑی ہے اور یہاں نیند اپنے حساب کسی مردود کو آتی ہوگی، جب سے یہ سن لیا ہے کہ حضور کا وقت آگیا ما شئاللہ نیند بھوک کوسوں بھاگ گئی۔

مرزا :- ہاں بھئی یہ دنیا سرائے فانی ہے اول مرنا آخر مرنا۔"

گپوا :- آغا تقی کے باغ میں تو احلال ہے۔"

مرزا :- یہ کیا بے ؟"

گپوا :- آپ نے ابھی کہا نہ تھا کہ ہم شعر کہتے ہیں، آپ تو کہتے ہی رہے، ہم نے پڑے پڑے ایک جوڑ بھی دی۔ کیوں خداوند کیسی ہے ؟"

مرزا :- پاگل ! کیسی، نہیں، کیسا کہہ۔

گپوا :- ہم نہیں مانتے آپ اپنے ویسے کہئے ہم اپنے یوں کہتے ہیں، پھر اس میں آپ کا اجارہ، چلئے جھنجھٹ گیا۔"

مرزا :- اب تجھ سے کون جھک جھک کرے، حقہ تو اٹھ کے لا۔"

گپوا :- میاں کیسے، اس وخت تو آپ ہی بھر لیجئے، ذری دیر کو آپ ہی نوکر بن جائیے ہم کہیں "مرزا" آپ کہیں "جی" کبھی ناؤ گاڑی پہ کبھی گاڑی ناؤ پہ کہ نہیں

مرزا :- اب آہی گئی شامت تمہاری بچا۔ بالکل نہیں رہے حواس میں تم ــــ"

گیپوا:- بسور کر "حضور حواس کیونکر سے ٹھکانے رہیں، آپ تو لڑے مرنے جائیں اور میں بغلیں بجاؤں، مجھ سے تو یہ نمک حرامی نہ ہوگی "۔

مرزا:- شاباش جیتے رہو، اسی بات پہ وہاں سے لوٹ کر ہم تم کو کچھ دیں گے اچھا دیکھو بھئی یاد کر کے وہ ہمارا سبز گوٹ کا تو کیا ہوا انگرکھا ہے نا؟ وہ اور شہزادے صاحب والی مندیل اور ہاں کمر کا پٹکا، صندوق میں سے نکال رکھنا اور ہاں خوب یاد آیا قلم دوات کاغذ بھی کہیں سے تانگ لانا، کنکوے کا کاغذ ذری بار یک ہوتا ہے نہیں تو مزے سے اسی پہ عرضی تان دیتے "۔

گیپوا:- "جی بہت خوب، ل میاں . . . . "

مرزا:- ل کیا؟ صاف صاف کہو جی "۔

گیپوا:- سر کھجا کر "حضور یہ ہے کہ بنیہ تو کل سے گنگا نہانے کان پر گیا ہے، دس بجے کی ٹیم سے آئے گا تو کہیں نہا دھو، روٹی دوٹی کھا کر بارہ بجتے بجتے دکان کھولے گا، یوں جو حکم ہو "۔

مرزا:- "پھر باشد! بنیہ سے انگرکھے پیجامے کا کیا تعلق؟"

گیپوا "حضور کی جامہ دانی تو وہیں ہے نا!"

مرزا:- "خدا کی مار تجھ پر. ملاعون کے بچے، ابے کیا میرے کپڑے بھی گروی رکھدئے؟"

گیپوا:- "تو خداوند یہ چار پانچ سے چکوتیاں کہاں سے ہو رہی ہیں "۔

مرزا:- "پھر اب؟"

گیپوا:- "اب یہ کہ اس وخت تو ٹھنڈے ٹھنڈے سو رہیے، سویرے کوئی فکر کروں گا "۔

مرزا اپنی امیدوں کا یوں خون ہوتے دیکھ کر دم بخود رہ گئے. گیا حقہ اور کسی کا حقہ؟ اینسی آدمی، دو چار ہی کروٹیں بدلنے پائے تھے کہ نیند آگئی، گیپوا

اپنا مطلب حاصل کر، رزائی، سمیٹ گٹھری بن، مسٹنڈا مار کر جو لیٹا تو مردوں کے کان کاٹنے لگا۔

ہے ہے اکتا گئے ہو گے۔ چلو ایک انگڑائی لو، اور "مرزا" اور "گپو" دونوں کو بھول جاؤ، پچھلا پہر ہے، ہم بھی تھک گئے اور اب سوتے ہیں، زندگی شرط ہے، یاد آیا اور جی لہرایا تو اب کے "مرزا" کے ساتھ "اسٹیشن" اور "بھرتی والے" کے ہاں چلنے لگے

"جاگریم! جاگریم! کیا گرما گرم ہے! جاگریم! جاگریم!"

صبح ہی صبح کھرج کے سروں میں کسی کے بلغم آلود بھونڈے گلے سے یہ صدا نکل کر فضا میں تھرائی اور ایک خس پوش مکان کے اندر سننے والے تو یہ سونے والے کے دماغ میں جھنجھناتی ہوئی سارے جسم میں برقی رَو کی طرح لہرا گئی، رگ پٹھے کھچے ہاتھ پاؤں ہلے۔ حواس میں دھینگا مشتی۔ بیداری و خواب میں جوتی پیزار ہونے لگی۔

اتنے میں دیوار کے اُدھر سے ایک موٹے تازے المست جناوری نے لال لال چقندر سا منہ نکال کر نیچے جھانکا تو خالی میدان۔ آدمی نہ آدم زاد، ہو کا عالم، ناشتے کی فکر، کچھ سیمابیت کا تقاضا، نہ رہا گیا، بدن کو تول، کنگنی کو تھام لٹکا ہی تھا جو تڑسے ایک بڑا سا پپڑا اکھڑا۔ گرفت چھوٹ گئی اور منو میاں بوکھلا کر گرتے ہیں تو گھڑونچی پر اڑ اڑ دھم!

گر ہستی کا یہ کار آمد جز، ہنگی میں اپنا آپ ہی جواب، عالی ظرفی کہیے یا وضع کا پاس، کہ آج تک بھرے مٹکے کا ساتھ نباہ رہی تھی، اب وزن ہوا المضاعف لنگر نہ جھیل سکی، چولیں ڈھیلی، انجر پنجر الگ، چرچرا کے بیٹھ گئی، مٹکا ڈھیکلی کھاتا اپنے محور پہ آپ گردش کرتا، بھتیق بھتیق کہتا ہوا وہ گیا۔

چگنا گھڑا، غیرت کا پتلا، بنانے والے کے صدقے جایئے، چھوٹا تو نہیں بال

اور گھر سے نکلے تو سیدھے مٹھو کے ہاں۔ گلی کے نکڑ پہ تو گھر ہی تھا جاتے ہی کنڈی کھٹ کھٹائی۔ اندر سے "کون ہے ہجبت؟"

گپوا:۔ ہم ہیں بھائی اور کون ہے"

مٹھو:۔ دروازہ کھول کر " بندگی ارج ہے سرکار کہیے حکم"

گپوا:۔ حکم وکم نہیں۔ یہ لو اپنی دھلائی کے پیسے خبردار"

مٹھو:۔ پیسے لیکے" سلامت رہیے جلدی کیا تھی پھر آجاتے۔ چھ ڈبل کی بھی کوئی آبرو ہے"

گپوا:۔ نہیں ماں یہ کہنے کو نہ ہو کہ لے مار تھے۔ لے کے مزدوری چل دئے"

مٹھو:۔ کھیریت! یہ آج کیسی اکھڑی اکھڑی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ طبیعت تو نہیں ماندی کچھ؟ اب کے تو وہ جوڑی بکھار کی ہوا چلی ہے کہ ناج اللہ تین دن سے سبنتی کی اماں پڑی ہیں تو ہوس نہیں نا"

گپوا:۔ اماں جوڑی بخار جس" بہن کی گالی دے کر" کو آتا ہوگا اس کے تئیں آتا ہوگا یہاں اور ہوئی آزار لگا ہے"

مٹھوا:۔ منڈھیا دے کے" آئیے تو بیٹھ جائیے تسر بیچھ رکھئے، کھڑے کب تک رہیئے گا۔ حکا منگواؤں، مدریا ہے، سبنتی سبنتی بٹیا اٹھو، دن نکل آیا، جری گفور میاں کو حکا تو بھر دو"

گپوا:۔ بیٹھ کر۔" نالت بھیجو ماں حقے پر، یوں ہی ہنڈا سلگ رہا ہے حقہ کیا ہوگا"

مٹھو:۔ اے وہ مرجاجی آپ کے نہیں دکھائی پڑے کئی دن سے کیا کہیں باہر گئے ہیں"

گپوا:۔ برے تیوروں سے" ہٹاؤ تم بھی کس لنوڑھے کا نام لینے ہو سویرے سویرے روٹی بھی نہ ملے گی، ہمیں ان سے اب واسطہ کیا، جس کے دوارے

صحن بھر نینی تال ہو گیا)

ساتھ ہی بس کھٹیا کے جوف سے کسی نے آدھے دھڑ سے اٹھ کر پٹی تلے کچھ ٹٹولا۔ ہوا میں سناٹا ہوا اور کھنا ناتا گی۔۔۔۔آواز آتے ہی نگاہ جو اٹھتی ہے تو آہیں! سبحان اللہ! انگنئی میں مینا بازار لگا ہوا ہے! گرم مسالے کی پڑیا افیون کی ڈبیا، پیتل کی سرمہ دانی، جست کی سلائی۔ زنگ خوردہ سوئیاں ہاتھی دار پیچک کا ٹھٹھ کا کنگھا۔ ٹین کا آئینہ۔ پانوں کی صافی۔ کتھے چونے کی کلھیاں، چھالیہ کا چورا۔ تماکو کا قوام۔ چورن کی گولیاں۔ ان سب میں سربر آوردہ خود پانوں کی پٹاری اور اس بے ترتیبی کے ذمہ دار گودڑ میں لپٹے ہوئے میاں گپو!

گپو! "ابے اے! میں کہتا ہوں شامتوں نے تو نہیں گھیرا ہے باجی کی "ڈانٹ کر پھینک آئینہ، بڑے شوقین کی دم بنے ہیں بیٹا! کسی دن باندھ کے مشکیں حوالے کردوں گا مداری کے، ساری فیلسوفی نکل جائے گی۔"

جنا دری بھپکی دے کے جست جو کرتا ہے تو چھپر پہ اور وہاں سے ایک زقند میں آئینہ سمیت نو اور دو گیارہ، چلئے فیصلہ ہوا۔

گپو: "سبحئے یہ تو پیمبری وخت پڑا ہے گھر میں رونے کو آنسو تک نہیں، وہاں مفتی میں آٹا گیلا، اور ٹھک گئی بارہ ڈبل کی، یہ نہ لے گئے افیم کی ڈبیا سو نگھتے ہی ڈھیر ہو جاتے حیدڑا" "بآواز بلند" مرزا صاحب اے حضرت مرزا صاحب جواب نہ پاکر" اچھا ہی ہوا واللہ جو آنکھ نہیں کھلی، ہے ہے اگر جو کہیں پٹاری کی یہ گت دیکھ پاتے۔ توبہ ہے، پیچھے جھاڑ کے پیچھو ہی تو پڑ جاتے مرزا جی ہیں کہ ماذاللہ کی پناہ!"

یہ کہہ کر میاں گپو نے جلدی جلدی بکھری ہوئی دکان سمیٹی اور رزائی سے جھاڑ پونچھ کر پٹاری کو آراستہ کر دیا۔ اس سے فارغ ہو کر آگ سلگائی۔ نو اجمایا۔ حقہ پیا

نہ جائیے اس کے کوس گننے سے مطلب۔"

مٹھو:۔ یہ کیا میں سمجھا نہیں۔"

گپیوا:۔ ہمارا تو حساب ہو گیا نا۔"

مٹھو:۔ ہائیں یہ کیوں۔ کسم لے لیجئے جو ہم نے سنا بھی ہو، دیکھنے میں تو مرجا بڑے میاں آدمی نام دیتے ہیں ہاں اک جری جھلے بے سکت کر کے ہیں۔"

گپیوا:۔ جھلے سے جھلے! اور آدمی کی بھی ایک ہی کہی تم نے۔ ہاں انسانیت کے جامے میں ہوتے تو محلے بھر میں آج یہ حاسترات بھی برپا ہوتی۔"

مٹھو:۔ کیا مار کا ہوا کچھ کہئے تو؟"

گپیوا:۔" مار کا وار کا کچھ بھی نہیں، شیطان نے انگلی دکھا دی ہے۔ پچھلے پہر سے شیخ سدو کھیل رہے ہیں سر پہ، جی اور کیا۔"

مٹھو:۔ اچھی تو ہیں ہی، نسے باج آدمی۔"

گپیوا:۔ نشہ وشہ کچھ نہیں، مراق ہے، سودا ہو گیا ہے، کھا پکے اچھے خاصے سوئے، تین پونے تین بجے کا عمل ہوگا آنکھ کھلی، حقہ مانگا۔ اب یہ تو سردی دیکھے تو ڑ کا درخت اور ہمارا اٹھنا دیکھے، مل بھیا تابیداری تو بری شے ہے تم جانو اٹھے بھائی، حقہ بھر کے دیا تو لگے بکواس کرنے کان کھانے، پڑے پڑے ہوک جو اٹھی تو کیا کہتے ہیں تمہیں واللہ ہے مٹھو ذری سننے کی بات ہے کہ میاں غفور خاں سویرے تو چاند کی تیرہ تاریخ ہو گی، میں نے کہا کہ پھر باشد، تو فرماتے کیا ہیں، ہاں تم بڑے واہی۔۔۔۔۔ ہو بھول گئے ہماری سالگرہ کا دن ہے، اس پہ میں نے کہا کہ حضور تو بلے وحشت کی شہنائی بجاتے ہیں یہاں نیند میں اپنے حساب کس، بہن کی گالی دے کر کو کچھ یاد ہے، دن بھر کام کاج میں بجتے رہے، مار پلیتھن نکل گیا، آپ آدھی رات کو سالگرہ لے کے بیٹھے ہیں، کیوں بھئی

کچھ جھوٹ کہا میں نے ؟"

مٹھو :۔ لے اب ہم سے کوئی بات چھپی ہے ۔"

گپوا :۔ اے نم جو، بس میاں کہنے لگے جلسہ ہوگا ۔ کاشمیری ناچیں گے، یا۔ دوسوپ کے جمگھٹ رہیں گے، یہ ہوگا وہ ہوگا، اور ہاں بھئی غفور خاں شگن کی فکر تو ہوئی نہیں اب تک، اسی سوچ میں ہوں، بھئی تمہیں کو کرنا پڑے گی، کاشی ولیش کے ایک پنڈت جی مہاراج دھرم شالے میں آن کے ٹکے تھے وہ بخوم دیکھ کے بنا گئے ہیں کہ خبردار منگل کے دن سالگرہ پڑے تو دکھن رخ کھڑے ہوکر منھ پہ گلشن لیٹ کا رومال ڈال کے پہلے ایک گدھے کے درشن کرلینا تب گرہ لگانا، سال بھر سکھ چین سے کٹے گی، دوست آباد، دشمن بیری پامال میں بھک تو رہا ہی تھا، پڑا پڑا یہ سنتے ہی اور آگ لگ گئی تن بدن میں، اور شامت جو آوے بھائی مٹھو نا ؟ تو چھوٹتے ہی بھوٹے منھ سے نکل گیا کہ اس میں فکر کا ہیکی آپ منہ پہ رومال ڈال کے دکھن رخ کھڑے ہو جایئے گا، میں آئینا دکھا دونگا گدھے کی شکل نہ نظر آجائے تو چور کا حال سو ہمارا حال، اے حضرت اتنا سننا تھا کہ مرزا آپے میں نہ آئیں تو جائیں کہاں، پھر ہی تو پڑے لاکھوں، مادر پدر کی سنائیں، پاؤں کی پٹاری رکھی تھی جھانجھ میں وہ اٹھا کے کھینچ ماری، زن دینے، امام حسین قسم خالی نہ دوں تو بھیجا ہی نکل پڑے، جی اور کیا، غرضیکہ کہاں تک کہوں وہ تو تو میں میں ہوئی کہ پناہ بخدا، بکتے بکتے اب تھکے ہیں تو پست ہوکے پڑے ہیں۔"

مٹھو :۔ تو یہ کہیے بڑا جھنجھٹ ہوگیا، پھر اب ؟"

گپوا :۔ ہیں اب کیا، نہ وہ مالک نہ ہم نوکر، بھاری پتھر تھا چوم کے چھوڑ دیا، ہات پاؤں سلامت ہیں ہزار نوکری، رزق کیا ایک انفاس پہ موقوف ہے پہ دیکھ لینا مٹھوا اپنی آنکھوں سے، ہم تو نہ ہوں گے جو یہ مرزا کوڑی دکان نہ مانگتا پھرے

مٹھو:۔ "سچ ہے گریب کی آتما کا ستانا نہیں اچھا، وہ دیکھئے بھلا سا نام ہے انکا مصاحب گنج میں رہتے ہیں، بڑے بانکے بنتے ہیں، کپڑے لے کے جوان یاں آج تیسرا دن ہے جاتا ہوں تو کیا دیکھتا ہوں ایک ادھم ایک ادھم مالم ہوا کہ ماما کی کندی ہو رہی ہے اور ماما ہے کہ کلپ کلپ کے کوسنے دے رہی ہے، پانی بھری ڈیگچی لے کے چلی، چھلا تھا، رپٹ پڑی، یہ تھی ساری کتھا، بس بحبت میں تو کانپ گیا اور کان دبا کے چلا آیا، مجوری گئی اپنی ایسی تیسی میں، اب دیکھئے مالک کی سان، وہی بانکے جوئے میں دھرے گئے، ٹنڈیاں کسی گئیں منہ ڈھانپے تلنگے ساتھ کل چوک میں جا رہے تھے میں کیا کہوں"

گپھوا:۔ "پھر بیچا کیا ہے، سزا ہے بدت کی"

مٹھو:۔ "ل ایک بات ہے بحبت مرجاجی نے اسرا پہبیت نہیں برتی وہ جانیں آپ انکی برہ بری کیوں کریں، ہے کہ نہیں؟ کتے نے کاٹا اب کتے کا کون ٹھور کاٹے۔

گپھوا:۔ اور سنو بھائی کی باتیں، نا صاحب اب تو مرزا کی ہفتاد پشت بھی قبر سے اٹھ آئے تب بھی غفور خاں ان پہ پیشاب نہیں کرنے کے، نا بابا چیچ پی ہزار نعمت کھائی وہ آدمی ٹھیرے جھنجھٹی، ہمارے کون گدھا ڈھونڈتا گھومے گا انکے لئے"

مٹھو:۔ "اے گدھا بھی کوئی انمول چیج ہے منہ ہی تو دیکھنا ہے جری کے جری سو بھیا گفورے مرجا تو کیا ل تمہارے لئے بھجو دیا ہے، آگے تم جانو"

گپھوا:۔ دل میں خوش ہو کر "خوش رہو تم، تمہارے بال بچے جئیں، اتی بات تو کہی تم نے میاں اس کلجگ میں کون کسی کا یار ہوتا ہے"

مٹھو:۔ "وہی تو میں نے کہا کہ کیوں برس برس کے دن مرجاجی کا سگن بگڑے اور تم بھی رجگار سے کیوں جاؤ، بن نحک کو، نوکری آج کل بھیا ٹل پاس کو تو ملتی نہیں ہماری تمہاری کون حکیکت"

گیوا:۔ اب بھئی تم کہتے ہو تو اتنی مجال نہیں میری کہ تمہاری بات ٹال دوں اور تم بھی ہمارے ہی نفعے کی خاطر کہہ رہے ہو بیچارے مگر تمام عمر کے لئے تمھارا احسان ہوا ہماری گردن پہ ۔"

مٹھو:۔ واہ میاں کوئی بات ہے یہ بھی' دئیے سے دیا جلتا ہے بن تحک کانٹوں میں گھسیٹتے ہو گفور خاں" حقہ پی کر" لے ہجت میں تو جاتا ہوں گھاٹ پہ آج باتوں میں دیر ہو گئی تم آپ آگے لے جانا' نہیں سنتی بہو بخیا دے گی ۔"

گیوا:۔ واہ یہ تو وہی مثل ہوئی کہ لا دے لدا دے لا دن ہارا ساتھ دے میں آپ لئے جاتا ہوں پھر فرصت کسے ہو گی' الغاروں کام کرنا ہے' فرش فروش کرنا دعوت کا سرا جام' پھر لوگوں کو بلانے چلانے بھی جانا ہے ۔"

مٹھو:۔ اے ہاں گفور کھاں کون کون سے تا ہچے آئیں گے' جو ہریوں میں آج چار دن سے رہس ہو رہا ہے' متھرا والے آئے ہیں ان کو جرور کر کے بلوائیگا ان میں ایک لونڈا ہے تو کالا سا پن آواج وہ پائی ہے اپنے حساب کو تُلبیا کو کتی ہے' میں کیا کہوں ۔"

گیوا:۔ دو زنانے طائفے ہیں' حنا کو بھی کھچڑی گئی ہے مل ونا آتی نہیں دکھائی دیتیں' کاشمیریوں سے مرزاجی خود کہہ آئے ہیں اور ہمیں معلوم نہیں ۔"

مٹھو:۔ اور ڈومنیاں نہ آئیں گی کیا؟ مبارکباد کون گائے گا ہجت' یہ تو بھول ہی گئے ۔"

گیوا:۔ خوب یاد دلایا تم نے اس وخت مٹھو' دیکھو ابھی جا کے ان کو اٹھاتا ہوں اور ہاں تم اتنا مت لیئے نہ آؤ گے کیا' جلسہ بھی دیکھنا اور اپنا حق بھی لینا ۔"

مٹھو:۔ ہمارا تو دہرا حک ہوا نا؟ سلامت رہئے ۔"

گیوا:۔ گلے گلے پانی ۔"

گھر آکے دیکھا تو مرزا صاحب اکڑوں بیٹھے پینک کے مزے اڑا رہے ہیں، حقہ منہ سے لگا ہوا ہوا کے جھونکے کھا رہا ہے۔

گیندا:۔ مرزا صاحب مرزا صاحب "

مرزا:۔ ہوں ہوں "

گیندا:۔ اے اٹھئے قبلہ، سوا پہر دن چڑھنے آیا "

مرزا:۔ "پینک میں" تو جب ملکہ شمسہ تاجدار نے امیر باتوقیر کے ..... کے .... کے "

گیندا:۔ "اے لشے اللہ داستان اڑ رہی ہے، اہو ہو ہو " شانہ ہلا کر "مرزا صاحب مرزا صاحب "

مرزا گھبرا کے چونکے، حقے میں ٹھیس لگ گئی اور نیچا ل دو انگل ناک میں اتر گئی، چلم گرتی ہے تو رزائی پہ آگ ہی آگ۔

مرزا:۔ اماں جانی مرزا صاحب کہاں گئے؟ "

گیندا:۔ جانی مرزا اوانی مرزا گئے بھاڑ میں، نئی رزائی جل کے بھسمنت ہو گئی "

مرزا:۔ ادھر ادھر دیکھ کر "لاحول ولاقوۃ یہ کب؟ اور مردود تو کھڑا باتیں بنا رہا ہے یہ نہیں ہوتا کہ آکے بجھا دے۔

گیندا:۔ حقہ کا پانی رزائی پر چھڑک کر "یاد نہیں رہا میاں چوک ہو گئی، خطا ہوئی "

مرزا:۔ اور یہ تھے کہاں اتنی دیر سے آپ، آوازیں دیتے دیتے گلا بیٹھ گیا قسم قرآن کی۔ خود حقہ بھرنا پڑا "

گیندا:۔ سودے سلف کو گیا تھا اور کہاں تھا "

مرزا:۔ پھر لایا؟ "

گیندا:۔ لایا نہیں لائے کہیے، سبوں سبوں بدکلامی نہیں اچھی "

مرزا :۔ ہائے سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے پھر بھی نہ کہا کہ سودا آیا کہ نہیں "۔
گپوا :۔ جی نہیں "
مرزا :۔ بگڑ کر " اور رات کو ہم نے جو حکم دیا تھا وہ کچھ نہیں ' ناپوں گر دن اڑھ کے
گپوا :۔ آپ تو حق بے تحق کو تیز ہوئے چلے جاتے ہیں ' سودا لاتا کہاں سے ؟
بازار بھر سونا پڑا ہے ' کانی چڑیا تک تو ہے نہیں ' نانبائی کی دکان بند
حلوائی کی دکان بند ' بنیہ کی دکان بند "۔
مرزا :۔ آخر یہ سب کہاں مر گئے ہیضہ لے گیا یا طاعون کھا گیا ؟ "
گپوا :۔ دنیا جہاں کی آپ کو خبر تک تو ہے نہیں ' وہاں چار بجے رات سے
مخلوق ریل پہ ڈھل چلی جا رہی ہے روپے سواری کو تانگے والے دھتا بتا
رہے ہیں ' پانچ پانچ روپے کھیپ لو رہی ہے "۔
مرزا :۔ افوہ غفور خاں صاحب اب یاد آیا آج تو وہاں ابنم کا میلہ ہے نا؟ ہاں
تمہارے ندیدوں کی ایسی کی تیسی ' پانچ روپے سواری کر دی "۔
گپوا :۔ یہ بھی ہے اور لاٹ صاحب کی سواری بھی آ رہی ہے " !
مرزا :۔ متعجب ہو کر " ہائیں ! کون ؟ منور الدولہ بہادر کا جلوس نکلے گا تو یہ کیسے
بعد مدت کے آج آنکھیں سکیں گی ؟ "
گپوا :۔ کیا مشکل ہے ' ہم کہیں کھیت کی وہ نہیں کھریان کی ' اے حضور منورالدولہ
مرملتان پہنچے ' لاٹ صاحب ! لاٹ صاحب "۔
مرزا :۔ کلکتے والے کو کہتے ہو نا ؟ "
گپوا :۔ اب کلکتہ بمبئی تو آپ جانیں ' ہم نے تو سب سے یہی سنا کہ لاٹ صاحب
کی سواری نکلے گی "۔
مرزا :۔ " ہاں ہاں جی ہم کس کو نہیں جانتے تمہاری طرح جاہل نہیں ہیں بے

پڑھے ہم ۔"

گپوا:۔ تو اٹھے گا بھی یا کھٹیا پہ پڑے پڑے بڑیں ہانکے گا۔ ریل پہ چلنا ہے کہ نہیں، لال کرتی الگ جانا ہے، آج تو مار کا ہی کام ہے ۔"

مرزا:۔" اٹھ کر، مگر یا یہ تم نے بری سنائی کہ سواری نہ ملے گی، ہال اور لام کے لیے گدھا ؟"

گپوا:۔ آپ کاہل وجود ہیں تو دنیا تھوڑی اہدی ہے، یہاں تڑکے اٹھے جھاڑو بہاروکی، گھر سے نکلے، بنیہ ملا نہیں، سٹھانی کے ہات پاؤں جوڑ کے حضور کی جامدانی نکلوائی۔ بازدار مٹھوا کے گھر گیا، بامشکل اس کو راضی کیا تب کہیں آٹھ آنے بھیٹے پہ گدھا ملا، اتنی تو محنت کی ہم نے اور انام ملا یہ کہ فضول بے فضول کو آپ نے الٹی صلواتی سنائیں اور کہہ لیجیے، دو چار دن پھر ہم کہاں اور آپ کہاں ۔"

مرزا:۔" سچ ہے ع جدائی کی گھڑی سر پہ کھڑی ہے، مگر بھئی گدھا لات وات تو نہیں مارتا ۔"

گپوا:۔" اے حضور وہ ٹھمک ٹھمک چلتا ہے کہ لوگ تماشا دیکھتے ہیں گدھے پر نہ بیٹھے اپنے حساب اڑن کھٹولے پر بیٹھے، جی اور کیا ۔"

مرزا:۔" مگر یہ سمجھ میں نہ آیا کہ اتنی سی جگہ بھری انگنی میں یہ نہ جانے کہاں اور کھائیں گے ۔"

گپوا:۔ پھر تو آپ برا مانتے ہیں جو آپ سے کوئی گستاخی کرتا ہے، مگر ہے یہ کہ حضور ہیں نرے بودم۔ ہم سے سنئے وہ ترکیب بتائیں جو آپ کے دادا نانا کو بھی نہ سوجھی ہوگی ۔"

مرزا:۔ کیوں بے یہ نانا دادا کیا ؟ ابے یہ نانا دادا کے کیا معنی ؟ آگیا رذیل

اپنی ذات پر، کیجئے، توبہ اسی میں خیر ہے کہ آئندہ یہ حرکت نہ ہو گی۔"

گیوا:۔ "واہ ری دنیا! کیا قدر دانی کی ہے سے حضور پہلے تو سن لیجئے۔ پھر توبہ تلا کیا ہے گا،...... سنئے حضور نے پوچھا سندھے گا کہاں، غلام عرض کرتا ہے کانجی ہوز میں، کھائے گا کیا؟ کہئے سرکار کے سر"۔

مرزا:۔ اچھل کر" بھئی سچ کہتے ہو قسم قرآن کی سچ کہتے ہو، واللہ نانا دادا کیا معنے ہماری چھتیس پشت کو بھی یہ ترکیب نہ سوجھی ہو گی، پھر خانصاحب پہنچا دیا ہوتا ان کو وہیں"۔

گیوا:۔ نہ میاں غلام سے یہ نہ ہو گا، رات سے گھومتے گھومتے یہ وخت آیا ہے حضور خود تکلیف کریں، چار قدم پہ تو کانجی ہوز ہے" اپنی رزائی دے کر" یہ اوڑھ لیجئے، اور رسی پکڑے نالے نالے چلے جائیے، لوگ سمجھیں گے کوڑا دوڑ اڈ اسنے بھنبر آیا ہو گا یا نالی صاف کرتا ہو گا ـــ "

مرزا:۔ گردن ہلا کر" کیوں حضت تو اب ہم حلال خور ٹھہرے؟ اصل یہ ہے کہ غفور خاں تم اس قابل ہو کہ توپ دم کرا دئے جاؤ، قسم قرآن کی"۔

گیوا:۔" حلال خور نہ سہی حرام خور سہی، اب خوش؟"

مرزا:۔ کیوں صاحب حرام خور کس طرح، غفور خاں ثابت کرنا پڑے گا" ہم کو جو نہ ہوا تو یاد رکھنا کہ گولی مار دوں گا ابھی واللہ"۔

گیوا:۔ اچھا بھلا بتائیے حضور، زہر کھانا کیسا؟"

مرزا:۔ حرام قطعی حرام"۔

گیوا:۔ اور افیم؟"

مرزا:۔ زہر قاتل، سنکھیا، ہلاہل"۔

گیوا:۔ اور آپ؟"

مرزا:۔ کھاتے ہیں اور پیچ کھیت کھاتے ہیں۔"

گپو:۔ اب بتائیے آپ کے دشمن کیا ہوئے؟ نہ کہیے گا کیسا باغیچہ کھایا۔

مرزا:۔ جھینپ کر" ایں استغفراللہ، میاں خاں صاحب تم جیتے ہم ہارے۔"

گپو:۔ کہہ دیا سمجھا دیا کہ یاروں سے نہ بل کی لیا کیجیے وہ ہیں کہ نہیں سنتے نہیں مانتے

مرزا:۔ اچھا تو بھئی لاؤ پہنچا دوں، ابھی تڑکا ہے۔"

گپو:۔ اور غلام اتنی دیر سے کیا جھک مار رہا تھا، مگر سنتے جائیے منشی پوچھے تو کہیں اپنا نام نہ لکھا بیٹھئے گا ہاں آپ تو ٹھنڈے ٹھنڈے لام پہ سدھاریں یہاں ہم دھرے جائیں خواہ مخواں کی اسیٹھ ہو، سٹھو کا نام لے دیجئے گا۔"

مرزا:۔ ہنس کر" بڑا حرفتی ہے، بڑا حرفتی ہے۔"

گپو:۔" تسلیم۔"

مرزا نے گپو کی رزائی لی، گدھے کو چمکارا اور نالے نالے چلے تو کانجی ہوز گدھا داخل دفتر اور تھوڑی دیر میں خوشی خوشی مرزا واپس ہوئے تو پھر وہی گپو۔

مرزا:۔ چار پیسے ہلیتے" ارماں غفور خاں خضاب تیار ہے۔"

گپو:۔ حضور بڑی دیر سے آپ چار پی کے کوٹھڑی میں چلئے میں لایا۔"

مرزا:۔ عجب نامعقول ہے قسم قرآن کی ابے دھوپ یہاں ہے یا کوٹھری میں"

گپو:۔ حضور تو جب دیکھیے گھوڑے گدھے پہ اتر آتے ہیں، ابھی قائل اقول ہو چکے ہیں، اے صاحب روشنی میں رنگ شرمائے گا کہ نہیں اب آپ سے کون کہے۔"

مرزا:۔ رو سہنے تو ٹھیک ہو بھئی۔"

کوٹھری میں آچلے گئے اور بیٹھے ہی تھے کہ گپو مٹی کے تیل کی کپی لیے آپہنچا۔

مرزا:۔ یہ کیا! خضاب کی پیالی اور چمچی کہاں ہے؟"

گپو ا :۔ "کپی جلا کے" پیالی ڈیالی کیا ہوگی، آپ اک ذری پاؤں لٹکا کے آرام سے بیٹھ جائیے، میں نیچے سے لَو دکھا دوں، لمحے بھر میں تو داڑھی گجراتی ہے اور سے ذری سا مغز کدو کا تیل مل دیں گے، چمک اٹھے گی "۔

مرزا :۔ گپو کا کان پکڑ کے "کیوں بے الو کے پٹھے جان لینے کی ٹھکری تھی اور سنئے بدذات نابکار کی، اور جو ذری بالوں کو لپک چھو جاتی تو ؟"

گپو ا :۔ ہمیوں کو فرصت ہو جاتی "۔

مرزا :۔ کان چھوڑ کر "دور ہو کمبخت سامنے سے "۔

گپو ا :۔ میں نے کیا بے جا کیا، انصاف تو چھو نہیں گیا آپ کے، دس بج چکے ہیں دو کوس زمین ناپنے کو پڑی ہے، خضاب لگانے دھوتے بارہ بجتے کہ نہیں "۔

مرزا :۔ بخشیں آپ، ہم درگذرے ایسے خضاب سے قسم قرآن کی، اچھا ہماری جامدانی لاؤ "۔

کپڑوں کی بقچی آئی اور گپو گیا ۔

مرزا :۔ اماں غفور خاں یہاں تو آنا ذری "۔

گپو ا :۔ کہئے حاضر "۔

مرزا :۔ یہ دوشالا بھی دیکھا تم نے ؟ "۔

گپو ا :۔ لے حضور کی بھی کیا باتیں ہیں، غریبوں کی نگہ سے ایسی نادرات چیزیں گزر سکتی ہیں بھلا، مل حضور ہات چوم لے کاریگر کے، کیا جھنجھریاں رکھی ہیں، موقع سے واہ وا، جاڑے گرمی دونوں کے کام کی "۔

مرزا :۔ جی جناب آپ کیا سمجھتے ہیں، یہ خاص حضرت سلطانِ عالم محمد امجد علی شاہ بادشاہ غازی کے اوڑھنے کا ہے "۔

گپو ا:۔ بجا ہے۔ عاقبتی جوڑے پر کا ہو گا۔"

مرزا :۔ شال پھینک کر" ہائے نہیں ملتی نہیں ملتی جو ایک ہی وار میں مردک کا قصہ پاک کر دوں، کیوں جناب یہ ہم مردوں کا مال پہنتے ہیں، ایں گستاخ بے ادب "

گپو ا:۔ حضور بھی پورے زاغلول ہیں، میں نے یہ کہا کہ حضور پہنتے ہیں یہ تو بڑے مرزا صاحب مرحوم کو ملا ہو گا"

مرزا :۔ اور نہیں کیا ہم کو۔ پہلے ہی کیوں نہ کہہ دیا تھا "

گپو ا:۔ بندہ بشر ہی تو ہم ہو گئی بھول،

مرزا صاحب نے پوشاک بدلی۔ کھلی مہری کا زرد مشروع کا پیجامہ، سیاہ دبیز کا اد چی چولی کا انگرکھا۔ سر پہ سرخ مندیل۔

مرزا :۔ گپو ذری لانا تو آئینہ "

گپو ا:۔ آئینا دیکھ کے کیا کیجئے گا، ہمیں تو حضور عین مین . . . . . "

مرزا :۔ گرم ہو کر" ہاں کیا عین مین، گدی سے زبان کھینچ لوں گا جو ذرا بھی اس وقت گستاخی کی تو نے ! "

گپو ا:۔ جی سن تو لیجئے، میں کہتا تھا کہ حضور عین مین اپنے والد معلوم ہوتے ہیں اس وقت وہی سج دھج، وہی ٹھاٹ ہیں بالکل، بس ایک اُس کی کسر ہے"

مرزا :۔ تیکھے چتون سے" جی کاہے کی۔ منہ کو ذرا لگام دیئے ہوئے کہہ دیا ہے"۔

گپو ا:۔ ولائتی کی "

مرزا :۔ میں سمجھا دم کی "

گپو ا:۔ چ چ ! ایسا نہ کہئے والد تھے آپ کے "!

مرزا :۔ پیچ و تاب کھا کے" کیوں بے یہ تو نے ان کو کب دیکھا تھا، ہمیں تو نصیب

ہوئی نہیں ان کی زیارت خیر سے "۔

گپوا:۔ مسکرا کے " حضور دیکھا تو بے شک کبھی نہیں، ہاں سنا ضرور ہے لوگوں کی زبانی کہ ایک آپ کے والد تھے اور کیا حضور ان کے سامنے پیدا نہیں ہوئے تھے ؟ "

مرزا:۔ ٹھنڈی سانس لے کر " نہیں میاں ہم ان کی وفات شریف کے بعد تولد ہوئے تھے "۔

. . . .

. . . .

. . . .

گپوا:۔ سوکھے منہ سے: " یہ حضور کتنے دن بعد ؟ "

مرزا:۔ جھنجھلا کر " ابے یاد کس کو ہے، کوئی آج کی بات ہے احمق، اچھا باتیں نہ بناؤ، پٹاری میں سے آئینہ نکال کے لاؤ "۔

گپوا:۔ کنپٹی کھجا کر " حضور . . . . . وہ . . . . . وہ . . . . . "

مرزا:۔ ایں ایں، ابے، حضور وہ، کیا یہ " حضور وہ حضور وہ، کس جانور کا نام ہے ؟ "

گپوا:۔ ڈرتے ڈرتے " حضور وہ تو میں نے خدا کی راہ پہ دیدیا "۔

مرزا:۔ گرج کر " کون ! آئینہ ؟ خبیث، ملاعون، پاجی کے بچے کسے دیدیا "۔

گپوا:۔ زیر لب " گھسیٹن بھیٹاری کو "۔

مرزا:۔ کیوں ؟ "

گپوا:۔ حضور منہ دیکھنے کو ترستی تھی غریب، کہنے لگی بھیا تو ٹا پھوٹا ہی دیدو

نہیں دیدو۔ میں نے کہا ثواب کا کام ہے اور حضور کا نام بھی ہوگا پٹاری سے نکال کر دیدیا، خطا ہوئی ۔"

مرزا:۔ خدا کے بچے۔ خیر اسی میں ہے کہ جا کے آئینہ لاؤ، نہیں تو یاد رکھنا قسم قرآن کی۔ لاش نکلے گی تمہاری اس ڈیوڑھی سے آج کے دن، بوٹیاں بو دوں گا واللہ بوٹیاں اور سنئے ہتھنی کی گھسیٹن اماں کو آئینہ پکڑا دیا۔ والدہ شریفہ تھیں نادہ انکی منہ دیکھنے کو ترستی تھیں، ہونہہ! صورت چڑیل کی مزاج پریوں کا، اور تو نے تو گھر اگھر کا گھر خاک کر دیا ہمارا، بس کہہ تو دیا خیر سلا اسی میں ہے کہ آئینہ لا کے دیجے، چپکے سے ۔"

گیندا گھسیٹن کے ہاں پہنچے، بی بھٹیاری موٹے موٹے شیشوں کی عینک لگائے بیٹھی ہوئی چھینٹ کے لہنگے میں گوٹ لگا رہی تھیں۔

گھسیٹن :۔ اللہ غفور خاں آج کہاں بھول پڑے، جانو تو اچھے ہیں، تم تو عید کا چاند ہوگئے ۔"

گیندا :۔ کیا پوچھتی ہو بوا، ایسے بد کے پالے پڑے ہیں کہ سر کھجانے کی مہلت نہیں ملتی، سر کھجانے کی ۔"

گھسیٹن :۔ چل بے مروت بہانے خور، وہ دنیا سے اوپر ایسا کیا کام ہے تمہاری سرکار میں ہم بھی سنیں، جو لمحے بھر کو چھٹی نہیں ملتی ۔"

گیندا :۔ سچ پوچھو تو کام اتنا نہیں جتنی الجھن ہے، اور جس روز سے مرزا صاحب نے پردیس کی ٹھانی ہے تب سے تو اور بھی ناک میں دم ہے ۔"

گھسیٹن :۔ ہے ہے یہ کب، یہ کہو کہ پڑوس ویران ہوتا ہے۔ کب تک اصل خیر سے لوٹیں گے ۔"

گیندا :۔ [illegible] اپنے سدھارتے ہیں اور دیکھئے لوٹنے کا خدا

ہی حافظ ہے "

گھسیٹن :۔ کیا کربلا جاتے ہیں زیارت کو خدا وہ دن لائے جو گھسیٹن لونڈی کو بھی آقا یاد کریں، روضے کی زیارت نصیب ہو اور وہیں مٹی عزیز ہو جائے "

گپوا :۔ اے کچھ خواب تو نہیں دیکھ رہی ہو، بھلا حج زیارت کو جائیں گے، وہ لام پہ جا رہے ہیں "

گھسیٹن :۔ اری لام پہ، جہاں تروار چلتی ہے؟ چل مردوئے ٹھٹھولی کرتا ہے بڑھیا سے خدا نہ کرے جوان کے دشمن مدعی لام پہ جائیں۔

گپوا :۔ جوانی قسم وہ لام پہ جا رہے ہیں، اسباب وسباب بھی بندھ گیا، ایک تو تھا ہی کیا خاک، گھڑی بھر بعد سوار ہوا چاہتے ہیں، یہاں سے کراچی بندر تک ریل پہ، بازدال آگنبوٹ پہ سرحد، کوئی ایسے ہی ہیں اللہ جانے کون لوگ ہیں انھیں نے دھاوا بول دیا ہے، بڑا رن پڑنے والا ہے ہیں لے تو حضرت اپنے چلتے بہت سمجھایا، گرم جانو اس عمر میں آدمی تو الو کی جون میں آجاتا ہے، کون سنتا ہے۔

گھسیٹن :۔ یا میرے اللہ، اے میں کہتی ہوں بھیا گھوڑے سٹران ہی ہیں مرزا تمہارے جو مٹی پلید کرانے جا رہے ہیں وہاں، یہ دن اللہ اللہ کرنے کے ہیں یا خدائی خوار گھومنے کے نا بھیا گھسیٹن بندی کو تو سونے کے سوا لاکھ ٹکے بھی کوئی دے تب بھی اس ملک کا نام نہ لے" آہستہ سے "کسی نے جادو وادو تو نہیں کرا دیا ہے اللہ مارے پہ؟ ہاں، میں تو جانوں کسی اگھوری دگھوری کا پھیر ہے "

گپوا :۔ جی نشان خاطر رہے، وہ آپ دنیا بھر کے اگھوری ہیں اور ہو گا جی، اپنے تئیں کیا "

گھسیٹن :۔ دیکھو بھیا جوانی پہ رحم کھانا۔ تم نہ کہیں ان کے ساتھ ہو لینا "

گپوا :۔ توبہ کرو میری کوئی مت کٹ گئی ہے [illegible]

یہاں پہلے ہی اپنا حساب کرا لیا، کہتے تھے جیتا پھرا تو پھر بلا لوں گا، اچھا ہوا جاتے ہیں بندگی نا۔"

گھسیٹن :- ہائے گوری تو کھاتے جاؤ، نگوڑا کتنے دن باد تو آئے تھے، مگر تمھیں علی کی سوگند ایسا نہ کیجو غفور کہ پھر ادھر کا نام نہ لو، ہاں تم جانو پڑوس کا بڑا سہارا تھا اور ہاں "ایک پیسہ کپڑے میں لپیٹ کر" بھیا کیسے یہ لئے جاؤ، میری طرف سے امام ضامن باندھ دینا اور بندگی کے بعد کہہ دینا کیا کہ وں مرزا جی گھر اکیلا ہے، وہ بخشو مردہ بھی ہیں نا، نہیں تو میں خود آتی، اچھا بھیا یاد کر کے جاؤ، وہی مچھلی کا شگن۔"

گپو :- بندگی۔"

مرزا :- لایا بے؟"

گپو :- کیا خاک لاتا، وہ نکلی ہی نہیں ٹاپے سے، بڑی مشکل سے اتا قبولی ہیں کہ شام کو آکے لے جانا۔"

مرزا :- کیا کہا، ہمارا مال ہضم کر کے قطامہ اب حیلے حوالے کرتی ہے بالے بتے بتاتی ہے، لانا تو میرا ڈنڈا ذری۔"

گپو :- اے نہیں حضور رحم کیجئے، درجن بھر انڈے پھوٹ جائیں گے۔"

مرزا :- یہ کیا، اس کے کیا معنی؟"

گپو :- حضور وہ تو آج دس بارہ روز سے کڑک ہیں نا، انڈے لئے ٹاپے میں دکھیا بیٹھی ہے۔"

مرزا :- کڑک! کیا بکتا ہے بے، جو سن لے گی تو بچا مارے گالیوں کے فشار کر دیگی تمہارا، یہ کیا بدتہذیبی ہے، جو بات ہے لغو۔"

گپو :- اب ہماری بڑی مشکل ہے، حضور کو یقین نہیں آتا۔ اس کا میاں کمسریٹ

والے صاحب کے ہاں ہانڈی روٹی پہ ہے کہ نہیں' وہ لایا ہے یہ ترکیب اڑا کے کمسٹریٹ سے' جی چاہے لوٹ کے دیکھ لیجیے گا' کوئی ڈھکی چھپی بات ہے محلے بھر میں تو ما شور ہے۔"

مرزا:۔ کمال حیرت زدہ ہو کر" ایں واللہ تمہیں قسم قرآن کی بھئی غفور حیرت ہو گئی حیرت' بھٹیاری ہو کے گھاگس مرغی کا کام دے' کیا ترکیب نکالی ہے قسم قرآن کی' اچھا ایک بات بتا دو تو ہم قائل ہو جائیں اس کے' بھلا چوزے ہوتے تو مرغ ہی کے شکل کے ہیں یا کچھ اور ؟"

گپو:۔ حضور تو بچوں کی سی باتیں کرتے ہیں' اے قبلہ مرغ کے نہیں تو کیا میری آپ کی شکل کے ہوتے ہیں' اصل کرڈک نا تھا' مگر آپ تو بے فضول باتوں میں دیر کر رہے ہیں' گیارہ بج چکے ہیں پھر مجھے نہ الہنا دیجیے گا۔"

مرزا:۔ ہاں بھئی چلنے میں اب منت کیا ہے' تم اتنے میں گلوریاں بناؤ' میں استخارہ دیکھ لوں۔"

گپو:۔ استخارہ؟ کون؟ میں حضور استخارہ قیامت تک نہ دیکھنے دوں گا تو وجہ کیا' اس دن خط بنواتے وخت استخارہ دیکھا تھا پھر کیا نتیجہ ہوا۔ استرا چنپ دبیے گلے میں اتر گیا' خونا خون ہو گئے' ار آپ جیسے کوئی بکرا حلال کر کے ڈال دے۔ آگو آپ مالک ہیں' ہم نے کہنا تھا کہہ دیا۔"

مرزا:۔" غفور خاں صاحب' بھئی تمہاری نمک حلالی میں اب شک کرنیوالے بہن کی گالی دے کر" کے تئیں کافر کہتا ہوں قسم قرآن کی' اچھا گلوری تو کھلا دو اور ہاں بھئی ڈنڈا یاد کر کے لے لینا بڑا وقت کہہ کے نہیں آتا۔"

الغرض مرزا الہٰی خبر صاحب بصد خرابی دولت کدے سے برآمد ہوئے گپو نے ڈیوڑھی معمور کی' قفل لگایا اور اسٹیشن کی راہ لی۔

مرزا:۔ ایک بات ہے "

گپوا:۔ یا اللہ! وہ بھی کہہ ڈالیے"

مرزا:۔ رستے میں جو کوئی پوچھ بیٹھا کہ یہ کون صاحب ہیں تو کیا کہوگے؟"

گپوا:۔ کہہ دوں گا لال بیگیوں کے گرو ہیں"

مرزا:۔ لال پیلے ہو کر "کیوں پاجی نہیں چوکتا بدمعاشی سے۔ ابے یہ نہیں یوں کہنا کہ رسلدار صاحب ہیں، وہ کہے کہاں جاتے ہیں؟ کہنا لاٹ صاحب نے بلایا ہے ملاقات کو، خبردار"

گپوا:۔ اے ہم سے کہیے ہم کنڈیل صاحب حنبڈیل صاحب کہہ دیں، رسلدار صاحب "گالی دے کر "کیا مال ہیں، ل ایک بات ہے رستے میں جھلے پن کی نہ لیجیے گا آج، نہیں تو بے گی نہیں ہماری آپ کی"

مرزا:۔ کیوں حضت ہم جھلے ہیں؟ کر خوب یاد آیا، ارے گھامڑ اتنا نہیں سمجھتا کہ سپاہی کے پوت اتنے تڑوے بھی نہ ہوئے تو کس کام کے"

گپوا:۔ برا ماننے کی بات نہیں حضور، ہم نے تو اسیوں کو پٹتے ہی سنا، سنا کیا معنی آنکھوں سے دیکھا، پرسوں دوپہر ہی کو سبزی منڈی میں اس پہاڑی کو شرفو نے وہ بے بیونت ماردی ہے کہ ماذ اللہ کی پناہ، ماننا ہی نہ تھا ماننا ہی نہ تھا کسو طرح، کہے گیارہ ڈبل کا بمبئی تجھ کو تین ڈبل میں کس طرح دیدے، ابھی یہ اکڑے اور شرفو کے ٹھوکر جڑ دی بونٹیڈ جوتے کی، بس حضرت پھر تو شرفو لے دہ کلے ہا کلے چانٹے رسید کیے ہیں کہ خون تھکوا دیا بیٹا کو، دہرا ہی رہا سورما پن، جی اور کیا!"

اتنے میں دور سے اسٹیشن کا چوبدا ہا دکھائی دیا، مرزا صاحب رک گئے۔

مرزا:۔ لو بھئی گپو تیار ہو جاؤ، منزل آگئی، بولو اب تم آگے بڑھوگے یا ہم چلیں ساتھ"

مخلوق میں ذلیل کرنا ہے، اول تو میں ان پڑھ جاہل ٹھیرا، پھر لاکھ ہیں لاکھ ہیں آپ آقا ہیں میں نوکر ہوں تابعدار۔"

مرزا:۔ "کہتے تو سچ ہو، لاٹ صاحب کی نظر ادھر پڑ گئی اور وہ کچھ پوچھ گچھ بیٹھے تو بھئی غفور خاں تم تو سٹ پٹا جاؤ گے۔"

گپوا:۔ "حاکم کا رعاب بھی کوئی شے ہے آخر، اور ہم لاکھ پڑھ جائیں رہیں گے تو ہاتی ٹکے کے پیادے۔"

مرزا صاحب نے کمر سے چادر کھول کر ہاتھ پاؤں کی گرد جھاڑی، مونچھوں کو تاؤ دیا، اور نادِ علیاً مظہر العجائب، کہہ کر چند قدم ہی بڑھے ہوں گے جو کسی نے ڈانٹ کر آواز دی "ہلٹ! ہکم سدر۔"

مرزا صاحب اچھل پڑے، دیکھا تو سامنے وردی ڈانٹے بندوق لئے پولیس کا سپاہی، پیچھے مڑ کر دیکھتے ہیں تو گپوا غائب۔

سپاہی:۔ "ٹھار رہیو، آگے نہ بڑھیو، مر یہوں گولی ٹھائیں دے، تو تن کریجا کے پارے نکسیہے، پھر لیئن سُنتا چل دیہے سا سر سڑ سٹر کرے۔"

آپ جانیں پولیس کا جوان، اس پہ جاٹ کی ذات، جاہل گنوار کا لٹھ، کڑوا کریلا دوسرے نیم چڑھا، مرزا ٹھٹکے، ڈانٹ پڑی تو سر سے پاؤں تک پسینے میں غرق اوپر کی سانس اوپر نیچے کی سانس نیچے۔

مرزا:۔ دبی زبان سے "کیا وقت پہ داغ دیا ہے نمک حرام نے۔ اسی لئے پھٹ پہ ہم کو رکھ دیا تھا، ابے او نمک حرام کے بچے گپوا کہاں مرگیا ہائے کیا ضیق میں جان ہے اس پاجی کے مارے قسم قرآن کی۔"

گپوا:۔ "کہئے کہئے کیا آفت ٹوٹ پڑی، بڑھے ناٹھٹک کیوں گئے، ذری پیشاب کرنے بیٹھ گیا تھا آپ نے نے کے گا لیوں کا دونگڑا برسا دیا۔"

مرزا :- دانت پیس کر " ابے حرام زادے دیکھ وہ سامنے باپ کھڑا ہے تیرا "
گپوا :- پھر باشد، مخلوق آتی جاتی ہے، ایک آپ ہی کے لئے ہوا ہے، چلئے تو سہی "

مرزا :- ہمت کر کے دور سے " آداب بجا لاتا ہوں جمعدار صاحب "
سپاہی :- کا بجت ہے رے ؟ تم دیکھو ہمکا، کے ؟ دیکھوں سنگین، پیاٹ پھاٹ جائی، دھر لین پگیا کھڑی پہ، بڑ کے لاگی پھاسی سار، مانو بڑے منشی لالہ ہیں، کا کہی "

مرزا :- ابے بولتا نہیں گپوا بے ایمان "
گپوا :- اماں بھائی جوان گالیاں نہ دو، سلدار صاحب ہیں "
سپاہی :- گاری ؟ ہم بروبر گر یاب، پولس ہن کر دگی باجی، یو سار رسلدار ہے ؟ ہمار جان بھر پیا ہس "

مرزا :- کیا کہتے ہیں "
گپوا :- کہتا ہے یہ رسلدار نہیں بہروپیے ہیں "
مرزا :- ہم تو غریب پرور ریل پہ جا رہے ہیں، افیم کی کھانچیاں دیکھنے حضور نے بھی تو سنا ہوگا لام پہ افیم لدرہی ہے "
سپاہی :- کا اپھین اپھین کے رہا ہے، ہونہہ چانڈو باز سار نسا کر کے ٹیسن پہ آئے لاگے، گمبری ہوئے جیسے کو دن کوؤ چلان ہوئے جائی، چلو رستہ لیئو، لاٹ صاحب ادبا ہیں، بڑے بڑے افسرن کا جائے کا ہکم نا ہیں، سار بہروپیں کا کو؟"
مرزا :- غریب پرور، ہمارے لئے آپ ہی لاٹ صاحب ہیں" چپکے سے مٹھی میں پیسے دے کے " حکم ہو تو ہاں پیڑ تلے ہم بھی ٹک جائیں ذری کے ذری کو،

خاطر آپ کی بدولت لاٹ صاحب کی سواری ہم بھی دیکھ لیں گے۔"

سپاہی:- پیسے لیکر" لے اب کس کس اپاڈ کری ہو، آگے جائیکا حکم ناہیں، گورن کا پہرا ہے، ساہب لوگ نیم لوگ جائے پاوت ہیں، ہیں دو چار رہیس بنا بو مدا اورے کا جاجت ناہیں ہے، بور یو چاریونا۔ چپائیں بیٹھے رہیو، بت کھاڑ نہ ہووئے پاوے"۔

مرزا کی جان میں جان آئی، چپکے سے ایک درخت تلے چادر بچھا کے بیٹھ گئے

گپوا:- آج تو بچ گئے حضور، پٹتے پٹتے!"

مرزا:- کیا مجال کسی کی جو ٹیڑھی نگاہ سے دیکھ سکے، تم تو تھے نہیں" آہستہ سے اس مردک زندیق نے بندوق جو چھتیائی نا، بس قسم ہے قرآن کی، وہیں پینترا بدل کے کھڑا ہو گیا اور میں نے کہا اصل جاٹ کا ہے تو مار گولی، آ میدان میں، دیکھ تو واللہ کیسی کاٹتا ہوں، دیکھا نہیں تھا اس وقت میرے کیا تیور تھے؟"

گپوا:- جی ہاں خوب، دیکھا تھا مردے کے تیور تھے!!"

مرزا:- اماں خاں صاحب ذری نظر جما کے تم تو دیکھنا وہ کرسیوں پہ سامنے کون لوگ ڈٹے ہوئے ہیں؟"

گپوا:- اے حضور صاحب لوگ ہیں اور میمیں ہیں، ہوں گی دو ڈھائی سے"

مرزا:- اے بھئی واللہ ہم نے پہچانا نہیں اتنی دیر سے، اور دو ڈہائی سے کہتے ہو۔ ان کو ڈہائی ہزار نہیں کہتے، یہ بھئی وہ ایک بگھی اور آئی، کیا سرنگ جوڑی ہے کہ واہ وا، لے وہ اتری، میا ہے، میا اور دیکھے گورنٹ کا چھاتا لگائے ہے مگر بٹا دُ بھئی عفور خاں، حسن ان لوگوں میں نہیں ہوتا، حسن ہے اور کچھ بنگالہ دیں قسم قرآن کی، لے اب اتنی بیٹھی ہیں چربی کی تپلیاں، کوئی بھی نوک پلک کی درست

ہے پھیکا شلجم قسم قرآن کی۔" کچھ دیکھا ان غفور خاں دیکھنا وہ سینٹ ٹیکے شہزادہ کیوں ان جاہ بہادر تو کھڑے ہیں۔ واللہ وہی ہیں، کوئی دو سو روپے گز کی ہمین شربتی کا انگرکھا پہنے ہوں گے اس وقت اور دیکھنا بھئی افوہ! تاج کلاہ کے موتی کیا دمک رہے ہیں، آنکھ نہیں ٹھہرتی۔"

گیبوا:- اے مانئے اللہ رہیں کی آنکھ کا کیا کہنا، موتی مونگے ہی دکھائی دیتے ہیں مل وہ ادہر نگڑ والا کھڑا ہے اور اس سے آگو بڑے صاحب کا خانساماں لگتا ہے ہم کو تو۔"

مرزا:- انگلی سے اشارہ کرکے" ابے وہ نہیں وہ، وہ تنبو کے نیچے دیکھ"

اتنے میں توپ چلی دَن سے، ایک اور 'دنانا نا' دوسری اور دنانا نا!!

مرزا:- یا علی یا علی، خداوندا خیر، یہ ازغیبی گولہ کہاں سے آیا، جمعدار صاحب

جمعدار صاحب، اے حضرت یہ آسمان کہاں پھٹا، یہ دنانا کیسی؟"

سپاہی:- ہلا نہ کرو، توپیں دگ رہی ہیں، لاٹ ساہیب جان پڑتا ہے آئے گئے۔"

مرزا:- ایں آگئے اور ہم کو خبر بھی نہ ہوئی، کیوں بھئی یہ توپیں تو مجھی بھولنا ہیں چل رہی ہوں گی۔"

گیبوا:- توبہ ہے بس آپ سے، آنکھ کے نیچے ناک سوجھے کیا خاک، وہ دیکھے وہ گورے چلا رہے ہیں۔"

مرزا:- اخاہ بھئی دیکھنا کلن خاں توپچی بھی ہیں کہیں، ہمارے بڑے یار ہیں کیا گولا اتارتا ہے بھئی قسم قرآن کی، مگر ہے استاد یہ کہ بلے عمل کئے نشست نہیں بیٹھتی ان کی، ادھر جھنگی پی ادہر قلعہ اڑا یا بھئی دکھائی پڑیں تو ذری پکار کے کہہ دینا کہ مرزا صاحب بھی ادہر ڈٹے ہوئے ہیں مگر گیبو توپ کا منہ کدہر ہے

گپھوا :- دکھائی تو کچھ ادہر ہی دیتا ہے۔"

مرزا :- گھبرا کے " اور مردود تو اطمینان سے دیکھ رہا ہے اور کہتا بھی نہیں، نصیب اعدا جو ایک آدھ گولہ ادہر آ پڑے تو ؟ "

گپھوا :- نشا خاطر رہیے بن ٹہوں زدیں آپ ہی ہیں۔"

مرزا :- متوحش ہو کر " کیوں جمعدار صاحب یہ تو ہیں بھری چل رہی ہیں؟ "

سپاہی :- ناہیں ہو' کھالی واگت ہیں باروت بھر بھر کے' پھر ہیا سار کا جانے سلامی ہوئے رہی ہے"

مرزا :- شکر ہے اس معبود کریم دگار کا' میرے تو حواس ہی گئے تھے قسم قرآن کی

گپھوا :- اس پہ تو لام پہ جانے کے داعیے ہیں' وہاں تو آٹھ پہر یہی آتشبازی چلے گی۔"

مرزا :- اماں سنتے میں سنتا کون ہے' توپ کدھر چلی' آسمان کدھر پھٹا۔"

گپھوا :- جی بجا ہے۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔"

مرزا :- غفور خاں' سنا تم نے جیسے انگریزی باجہ کہیں بجتا ہو۔"

گپھوا :- ہم تو عاری آگے بتاتے بتاتے پیر و مرشد۔ وہ دیکھئے میری آنکھوں سے گورے بجا رہے ہیں' کتابیں سامنے لگی ہیں' بیچ میں ایک گورا کھڑا بتا رہا ہے۔"

مرزا :- اہو ہو ہو! اب دیکھا بھئی کیا مست باجہ ہے' مانتا ہوں قسم قرآن کی... فرنگیوں نے کیا شے نکالی ہے واہ وا!"

گپھوا :- اس میں انوکھی کیا بات ہے' شہر میں سینکڑوں بھنگی ہی جو بجاتے ہیں۔"

مرزا :- آپ گدھے ہیں' یہ اور شے ہے' یہ دلبند یزی ہیں بجاتے ہیں' وہ ٹھپہ ٹھمری دادرا اڑاتے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں یہ سوار نہیں ہوئے لاٹ صاحب اب تک۔"

گپو ا :۔ اے اسباب وسباب اترواد رہے ہوں گے "۔

مرزا :۔ بیشک یہی وجہ ہے، خوب پہنچے غفور تم، شہر میں آج کہار تھوڑا ہی بچا ہوگا کوئی، ہزاروں ہنگی اسباب اترا ہوگا ہزاروں کا مگر یہ شہدے کہاں رہ گئے روپے پیسے کون لوٹے گا"

گپو ا :۔ حضور ان میں بھی شہدے ہوتے ہوں گے "۔

مرزا :۔ کیوں، نہ ہونے کی وجہ ؟ آپ بھی واللہ عجیب بے تکے ہیں قسم قرآن کی، میاں ساتوں ذاتیں ان کے ملک میں ہوتی ہیں، اتنا ہے کہ حضر پانی سب کا ایک ہے چھوت چھات نہیں نا اور ایک بات ہے کہ ہمارے ہاں طبلے سارنگی پر کاشمیری گاتے بجاتے ہیں ان کے ہاں وہ ایک ہوتا ہے بھلا سا نام ہے اس پر ناچتے گاتے ہیں "۔

گپو ا :۔ ہرمنیا "

مرزا :۔ جیتے رہو خوب یاد رکھا بھئی قسم قرآن کی، ہرمنیا ہرمنیا ایک فردوس مکانی کی سرکار میں بھی تھا، ہمیں تو سچ پوچھئے کچھ جنچا نہیں، غزل وزل بجا لیجئے پر راگ کجا، یہ کمال تو میاں کچھ اس کاٹھ کے باجے ہی میں دیکھا "

گپو ا :۔ " کاٹھ کا باجہ کیا ؟ غلام نہ سمجھا "۔

مرزا :۔ تم کیا جانو عطائی، اماں سارنگی سورنگی کا نام نہیں سنا ؟ "

گپو ا :۔ دیکھئے حضور اب مجھے بگڑنے دیجئے، کیوں میاں ڈوم ڈھاری سمجھا ہے آپ نے ہم کو، یہ نائکی آپ ہی کو مبارک "۔

مرزا :۔ چپ مردود، بدزبان، کان اینٹھوں گا بچا کے "۔

گپو ا :۔ دیکھا جائے گا، لیجئے سنبھلئے، وہ صاحب لوگوں میں غدر مچا کسو نکلنے کو ہے معلوم دیتا ہے "۔

مرزا:۔ سنو غفور خاں، لاٹ صاحب کا واسطہ ہے، بھئی ایسا نہ ہو کہ شکوے شکایت کا موقع ملے اور وہ کہیں کہ بڑے گو کھے تھے، تم تو خیر، مگر ہم نے شاہی دربار برتے ہیں، دیکھو جب شاہی سواری برابر سے نکلے نا، تب تو قدم گن کے پیچھے ہٹنا اور پھر کھڑے ہو کے سات دفعہ مجرا بجا لانا، اور زنوئزا ہات باندھ کے پیچھے آنا، تب میں بڑھوں گا اور ہاں آنکھ سے آنکھ نہ لڑے خبردار، اور ہاں چھینک بھی نہ آنے پائے۔"

گیوا:۔ حضور یہ قواعد تو ہمارے باپ سے بھی نہیں ہونے کی اور ادھر سے نکلیں گے ہی نہیں، آپ کے پیٹ میں بن نخت کو درد ہو رہا ہے، وہ ادھر سے جائیں گے جدھر گوروں کا پہرہ ہے۔"

مرزا:۔ ہشت رئیس کے مزاج کا کیا ٹھیک، گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ اور جو انہیں نے حکم دے دیا کہ ادھر سے نہیں ادھر سے چلو تو آپ روکیں گے جان کے ان کو، ایں؟ وہی بے ڈھنگی جاہلوں کی باتیں، میاں ان آنکھوں نے لاکھوں ہزاروں جلوس دیکھ ڈالے ہم سے پوچھے کوئی ——— سواری کے ٹھاٹھ، سب سے پہلے سنتے ہونگے، کم سن کمسن، برس سولہ سولہ اٹھارہ اٹھارہ کے شالباف کی لنگیاں، تاش بادلے کے شلوکے، کاندھے پہ چھوٹے چھوٹے مشکیزے، چاندی کے فوارے ہزارے دہانے پر چڑھے ہوئے، گلاب کیوڑے کا چھڑکاؤ ہوتا ہوا، پھر نشان کا ہاتی ہوگا، ایک ذرا مست جھومتا ہوا، مستک پہ طلا کار جھومر، بھسونڈے پہ سیندور کے گل بوٹے، مغرق کارچوبی جھول، پاؤں میں چوڑے کڑے چھڑے جھانجن، ٹن ٹن کی صدا کو سوں جائے، فیل بان ڈاڑھی چڑھائے، موچھوں کو تاؤ دے، سرخ رومی بانات، چکن، سر پہ ترچھی بتی باندھے، ہاتھ میں فولاد کا آنکس، میل...

بری، دھت، دھت، کہتا ہوا، ہاتی پر نشان بردار، نشان کا پرچم کھلا ہوا، اب سانڈنی سوار آئے، کوئی سوا سو سانڈنیاں، دو دو ہزار کوس کے دم کی، مور کی طرح گردن اٹھائے ہوئے، رنگولے بجتے ہوئے کجاوے کسے ہوئے، زرد لال پچرنگی پوششیں پڑی ہوئی، ان پر ایک ایک سوار ایک ہات ہیں ریشم کی مہار، دوسرے ہیں ننگی تلوار چھم چھم کرتی ہوئی، پھر کوتل گھوڑے، مُشکی، سبزے، نقرے، سمند سیہ زانو، شرغنے، کمیت ہر کھیت کے، کاٹھیاواڑ، عرب، ترکی، دیلے، ہر گھوڑا دلہن بنا ہوا، زرزیور سے آراستہ، مخمل کے زین، زربفت کے زین پوش، پھر بلم بردار، عصا بردار، چوب دار، گنگا جمنی عصے، وردیاں پہنے، تغمے لگائے، پھر ماہی مراتب سونے کی مچھلی، روپے کے چاند سورج، پھر نقیب کا کڑکا، بلیش ملاحظہ نگہ رو بردباادب، سواری باد بہاری خاقان کجکلاہ، خسرو گیتی پناہ اعلحضرت سلطان عالم میرزا محمد واجد علی شاہ بہادر بادشاہ غازی . . . ."

گپو ا:- بات کاٹ کر " خدا جانے آپ کیا بے تکی ہانک رہے ہیں، وہ بگی سواری لاٹ صاحب کی وہ جا رہے ہیں، آگو ننگی تلواریں لئے گھوڑے پہ گورے ہیں، پیچھو پیچھو چار گھوڑوں کی بگھی پہ خود بادولت ہیں۔ دونوں ہاتھوں سے دعا سلام کرتے جاتے ہیں"

مرزا:- کھڑے ہو کر "۔ ایں لاحول ولا قوۃ، استغفراللہ، گئے گزرے تھے پیچھے ہٹ کر اور سات تسلیمیں بجا کر " غفور غفور دیکھنا خواصی میں صاحب عالم شہزادے برجیس قدر بہادر ولی عہد مورچھل کر رہے ہیں ؟ "

گپو ا:- حضور کی بھی کیا باتیں ہیں، ادا صی خواصی میں کوئی نہیں، ہاں سامنے ایک بڑا صاحب بیٹھا ہے، لال بنات کی کرتی پہنے ہے اور مار تغمے ہی تغمے

لٹکائے، بڑا ڈبلو"۔

مرزا:۔ پہچانا یہ کون ہیں؟ ارے نادان یہ حضور عالم وزیر السلطان، نواب علی نقی خاں بہادر ہیں مبارک محل جو جہاں پناہ کی ملکہ ہیں نا، وہ انہی کے بطن سے ہیں، آج تو دیکھ لیا جلوس تم نے بھی غفور خاں؟"

گپو:۔ ایں یہ جلوس تھا؟ مشکل سے دس بارہ گھوڑے اور بگھی ہیں کالے کپڑے لاٹ صاحب!"

مرزا:۔ غصہ ہو کر" چپ مردک گستاخ بجوڑے، بادشاہوں کی جناب میں بے ادبی، کوئی محرم ہے جو ماتمی ملبوس پہنے ہیں، ابے اندھے سولہ سے روپیہ گز کی جامدانی ہوگی جس کی پوشاک پہنے لب معشوق سے شغل فرماتے ہوئے بیٹھے ہوں گے"۔

گپو:۔ جی پٹو کو جامدانی حضور ہی کے منہ سنا"۔

مرزا:۔ ایں، پھوٹی تقدیر کے، اونگھ گیا نامردک، یہ نشان کا دیو پیکر ہاتی یہ چھم چھم کرتی سانڈنیاں، یہ ترچھے رسالے کے جوانوں کا پرا اور جلو میں انیس الدولہ جلیس الدولہ اہتمام کرتے ہوئے تو نے نہیں دیکھے؟ کیوں بے؟"

اتنے میں صاحب لوگوں اور میموں نے تالیاں بجائیں۔

مرزا:۔ اب کہہ دینا کہ ولایتی شہدے بھی ہیں ـــ نے نہیں دیکھے، وہ دیکھ کیسے تالیاں بجا بجا کر تصدق مانگ رہے ہیں، اور برق الدولہ وہ اینیاں چونیاں نچھاور کر رہے ہیں"۔

سواری نکل گئی۔

سپاہی:۔" چاندو باج۔ ارے او چاندو باج، اب جھوک نا ہیں ـــ؟ چو رہے پہ گدر مچائے کھاتر پوڑھے ہو، دیکھ لیو لاٹ صاحب کا اب جابت ہو کہ نا ہیں

پھر ہم کُد یاب، ہکّا نہ تماکھو سرو چپائے رہے ہیں ہلا ڈارے ہیں۔"

مرزا:۔" بہت اچھا خداوند، سلامت رہیے، آپ کی بدولت مجرا ہو گیا لاٹ صاحب کو۔"

سپاہی:۔" کاسر و میٹر یولائے رہو سنگ ماں؟"

گپو:۔ بھیجے مبارک حضور بہروپئے سے میر شکار بنے۔"

مرزا:۔ چپ رہو یار، نکل چلو آدمی ذرا بنیڈا ہے۔" دور پہونچ کر" ہاں خواہ مخواہ دو ایک ڈنڈے چکھا دوں گا ساری شیخی کرکری ہو جائے گی، پولس کے سپاہی نہ ہوئے اپنے حساب فرعون ہو گئے، میاں غفور خاں تم لپک کر پٹاروں کی خبر لے آؤ، ہم یہاں کھڑے ہیں، موقع ہو تو ہم بھی چل کے دیکھ لیں، پھر چلیں لال کرتی، اور ہاں یہ لو دو آنے کی امرتیاں میلے سے لیتے آنا، آج خدا جانے کیا بات ہے جو ابھی تک عمل نہیں ہوا ہے، مارے بات پاؤں ٹوٹ رہے ہیں۔"

گپو امئے پیسے لے کر اپنے ڈب میں رکھے، اور دس منٹ کے بعد اِدھر اُدھر گھوم کے لوٹے خالی ہات، منہ لٹکائے ہوئے پژمردہ۔

مرزا:۔ کیوں بھئی چلیں؟"

گپو:۔" کہیں نام بھی نہ لیجے گا، وہاں گزر نہیں ہے، افیمی سا افیمی آیا ہے جمگھٹ ہے کہ ماذ اللہ کی پناہ! پھاٹک پہ چپراسی کی خوشامد درآمد کی آٹھ ڈ بھینٹ چڑھائے دہ کھاتے ہیں، تب کہیں بہ مشکل جھانکنے بھر کی اجازت

مرزا:۔ باچھیں کھل گئیں "مالک بے نیاز شکر ہے تیرا معبود۔ بھئی قسم ہے کی روح تازہ کر دی تم نے غفور خاں، یہ مژدہ سنا کے۔ شکر کرو شکر کہ ابھی شہر میں ماشاء اللہ سے افیمی کا توڑا نہیں ہے۔ ہائے واللہ نہ پوچھو اس

کا عالم - ہم تو رو ہی بیٹھے تھے اس دن جب سنا کہ پچاس روپے سیر کا بھاؤ ہوگیا - بارے ہزار ہزار احسان ہے اس پالسن بارکا - کیوں ماں ہوگا کوئی دو ہزار افیمی ؟"

گپوا :- "کوستے ہیں آپ اے قبلہ دو لاکھ کہیے تو کم ہے"

مرزا :- "بات ل کر" ہا تقدیر ! یار غفور خاں بڑی علت ہوگئی - اماں کسی بابو ناؤ کو دو چار آنے دیئے کیے ہوتے ہمیں بھی زیارت ہو جاتی پٹاروں کی"

گپوا :- "ہہ ! جیسے بابو لوگ اپنے ہوش میں ہی تو تھے اے حضور بابو خانے میں بھیروں ناچ رہا ہے - چار دن تالے پڑے ہوئے ہیں پہرہ لگا ہے بابو لوگ پینک کے مزے اڑائیں یا آپ کے چار چھ گھنٹے پیسے لیں"

مرزا :- بادل سرد "خیر یا قسمت یا نصیب. آج نہیں دس دن بعد سہی سرحد پہ تو افیم ہی افیم ہوگی - ہم اپنے گھوڑہ موہونکے ڈیروں پہ جاکے دیکھ آئیں گے"

(لال کرتی کی تیاریاں)

مرزا :- یکہ والے سے "اماں چلو گے بھئی"

یکہ والا :- مالک اس لئے تو چار پہر سے جتے کھڑے ہیں، کہاں چلئے گا چوک نخاس ؟"

مرزا :- "نہیں، لال کرتی، صاحب کے ہاں"

یکہ والا :- ایک اٹھنی ہوگی خداوند دونوں سواریوں کی - کم نہ زیادہ - میرا یکہ بھی آندھی کی مثال جاتا ہے . طبیعت خوش ہو جائے تب دام دیجئے گا اور کیا"

چلے اور دس منٹ میں لال کرتی - یکہ والے کو پیسے دیئے اور اب حیران کہ کہاں جائیں .

مرزا :- ابے آخر کہاں رہتا ہے وہ بھتی والا ؟" ایک راہگیر سے "کہاں

حضنت بھرتی والے کا مکان کہاں ہے ؟"

راہ گیر :۔ "وہ کیا ہے سامنے ۔ مگر اس وقت نازی نہ ملیں گی آپ کو۔"

مرزا :۔ "کیا اوندھی کھوپڑی کا ہے واللہ۔ ہم کہتے ہیں بھرتی والا وہ سنتے ہیں برفی والا"

اتنے میں ایک صاحب نے کہا کہ سڑک سڑک چلے جائیے، آگے صاحب لوگ رہتے ہیں، تختہ لگا ہے، پڑھ لیجئے گا۔ مرزا صاحب چلے۔ ایک بنگلہ آیا پھاٹک پہ چپراسی بیٹھا تھا۔

مرزا "کیوں بھئی، صاحب کا یہی بنگلہ ہے ؟"

چپراسی :۔ "ہاں جائیے"

مرزا اندر پہنچے ۔ سامنے برآمدے میں ایک لحیم شحیم بنگالی۔ کالی رنگت کوٹ پتلون پہنے ٹہل رہا تھا۔

مرزا :۔ ٹھٹک کر غفور سے "کیوں بے تو نے تو کہا تھا کہ بھرتی والا صاحب ہے"

گپوا :۔ "پھر میں نے کیا جھوٹ کہا۔ صاحب لوگ دونوں رنگ کے ہوتے ہیں، جو کالے ہیں وہ کالٹین صاحب، جو گورے ہیں وہ گڈ امیر صاحب، سمجھے حضور"

مرزا :۔ بڑھ کے "آداب عرض ہے جناب کالٹین صاحب قبلہ"

بنگالی :۔ "کیا منگتا ؟"

مرزا :۔ "حضور ہم منگتے نہیں اشراف ہیں"

بنگالی :۔ "آدمی بنگلہ دیس کا مانس، ہندوستانی کا جبان نہیں بولنا منگتا"

مرزا :۔ "سبحان اللہ کیا بنگالی زندہ مردہ ہے۔ اے صاحب ہم بھرتی ہونا چاہتے ہیں [illegible] سے لڑائی چھڑی ہے نا، سرحد پہ، وہاں جائیں گے لام پہ"

بنگالی :۔ "ادھر [illegible] جانے منگتا ؟"

مرزا :- غفور سے "قسم قرآن کی کیا منگتا ہے" بنگالی سے "جی ہاں وہ جو سرحد ہے نا پہاڑوں کے اس پار۔ میں اس کو کہتا ہوں جہاں افیم کے پٹارے جارہے ہیں "

بنگالی :- "اوپھیم اوپھیم ! کیا گول مال ۔ ہمرا کا سامج میں نہیں آنے منگتا۔ آپ تم جانے منگتا "

گپوا :- چلئے بھی یہ تو ہمیں کوئی حبب بجالیا سا لگتا ہے "

مرزا رخصت ہوئے ۔

مرزا :- "کیا خوب منگتا۔ جو بات ہے سو منگتا "

گپوا :- چلے چلئے کہیں نہ کہیں تو تختہ ملے گا "

مرزا :- تو کیا یہاں تختہ نہ تھا "؟

گپوا :- "حضور یہی تو چوک ہو گئی ۔ بن تخت کو بڑا اٹھائی ۔ تختہ ہی تو نہ تھا ــــــ"

الغرض آگے بڑھے ' ایک اور بنگلہ آیا ۔

مرزا :- "میاں دیکھو اس پر تختہ لگا ہے ' یہ ہوگا " بھشتی سے "کیوں بھئی گلکٹا میر صاحب یہیں رہتے ہیں ؟ "

بھشتی :- "دور سے" جی ہاں ۔ وہ کیا سبزے پہ میز کرسی لگائے پڑھ رہے ہیں "

مرزا نے جھانکا اور غفور کو آواز دی :-

مرزا :- "ارمان تقدیر میں دنیا چکر ہی بدا تھا ۔ دیکھو وہ یہاں نکلے "

گپوا :- "گویا پہچان کر" اخاہ یہی تو ہیں ۔ شکر ہے حضور سے شرمندگی نہیں ہوئی "

مرزا ڈرتے ڈرتے بنگلے میں گئے اب سنئے کہ یہاں پارسی ناٹک کمپنی کے لوگ ٹکے ہوئے تھے اور یہ گورا چٹا شخص اس کا مالک تھا ۔

پارسی :۔ مرزا کو دیکھ کر " شوں چھے ؟ "
مرزا :۔ غفور سے زیر لب " یہ شوں شاں کیسی ؟ اس کے کیا معنی ؟ " پارسی سے " حضور ہم بھرتی ہونا چاہتے ہیں آپ کے بیڑے میں "
پارسی نے اپنے منشی کو بلا کر کہا ان سے دریافت کرو کیا کہتے ہیں منشی نے مرزا سے پوچھ کر کہا کہ حضور نوکری کو آئے ہیں پارسی نے ان کی وضع سے سمجھا کہ طبلہ بجاتے ہیں ۔
پارسی :۔ منشی سے اپنی زبان میں " پوچھو تنخواہ کیا لوگے ؟ "
منشی :۔ بمبئی کی طرف کے ۔ واجبی ہی واجبی اردو بولنے والے " تم کو بگھار کیا ہونا ؟ "
مرزا :۔ ہمارے ہاں تو لہسن پیاز دونوں کا بگھار دیتے ہیں ' اب چاہے قورمہ ہو چاہے بریانی یا مونگ کی بھنی کھچڑی "
منشی :۔ " تکو مہینے پیچھے تم کیا ہونا ؟ "
مرزا :۔ " تنخواہ کہیے تنخواہ ۔ جو آپ کے ہاں شرح ہو وہی دیجیے گا ' مگر افیم دینا پڑے گی ضرور "
منشی :۔ پارسی سے کہہ کر " سیٹھ بولتے تم طبلہ کہاں سیکا ؟ "
مرزا :۔ ایں طبلہ ؟ یہ طبلہ کیسا ' ہم رسلداریاں کمیدانیاں جانتے ہیں یا طبلہ بجانا "
پارسی نے منشی سے کچھ کہا ۔
منشی :۔ " سیٹھ بولتے تم چھاکٹا ہے ۔ نکل جائے کمپونڈ سے ہم ہتھکڑی ڈلوا دیگا "
مرزا صاحب یہاں سے بھی رخصت ہوئے
گیسو :۔ " میں تو دور کھڑا تھا کہیے ' کیا باتیں ہوئیں "

مرزا:- اماں یہ تو تماشے والے ہیں۔"

گپوا:- ایں تماشے والے۔ گلابو تستابو کا تماشا! مگر بڑی حیرت ہے یہ لوگ اب بنگلے میں رہنے لگے۔"

مرزا:- ابے گلابو تستابو نہیں۔ ناٹک ناٹک۔ راجہ ہوں ہیں قوم کا اندر میرا نام سنا ہے کہ نہیں؟ جس میں سبز پری شہزادے گلفام پہ عاشق ہوتی ہے وہ ہے یہ۔"

گپوا:- آخر پھر انھیں نے کیا کہا۔ ہماری جان تو آپ لام وام پہ نالت بھیجئے مزے سے یہیں ناٹک میں دندنائیے لال دیو کا پاٹ آپ پہ خوب کھلیگا۔"

مرزا:- نہیں بھئی یہاں پہلے سہیلیوں میں نکلنا پڑے گا لال دیو کا پاٹ پہلے پہل نہیں مل سکتا" ایک کوٹھی کی طرف انگلی سے بتا کے" وہ لال لال کیا۔"

گپوا:- تختہ ہے۔"

مرزا:- لاؤ بھئی اسے بھی دیکھتے چلیں۔ بے ایمان نے استخارہ اس وقت نہ کرنے دیا۔ مفت کی تھکن ہوئی۔"

گپوا:- ٹھیرئیے پہلے مجھے دیکھ لینے دیجئے آپ جہاں جاتے ہیں قدموں کی برکت ساتھ لے جاتے ہیں۔" پھاٹک میں جاکے اور مرزا صاحب کو اشارہ کرکے لے یہاں آئیے، ہیں آپ قسمت کے بڑے دھنی۔۔ دیکھئے وہ کیا ہو رہا ہے۔"

مرزا:- ایں اوہ! اب لگی محنت ٹھکانے۔ جب مرمٹے ہم تم دونوں۔ یہ بھرتی والے کا بنگلہ ہے اور ہزاروں میں ہے۔ قواعد جو ہو رہی ہے۔ وہ صاحب کھڑا بولی بول رہا ہے۔ گمان یہی معلوم ہوتا ہے۔"

گپوا:- جی ہاں۔ ہلی دیکھئے رنگروٹ پینتاک کی ترنگ میں کیا بھونڈے پینترے ڈال رہے ہیں۔"

مرزا:۔ تو بے صلاح جاؤں"
گپوا:۔ بسم اللہ کیجئے۔ شام ہونے آئی"

مرزا صاحب بڑھے۔ دلگی سنئے کہ یہ مشن اسکول تھا، پادری صاحب لکڑی کے سہارے ٹکے ہوئے قواعد کرا رہے تھے، ان کی نظر جو مرزا صاحب پر پڑی سمجھے کوئی شہر کا رئیس ہے۔ اشارہ جو کرتے ہیں تو لونڈے تتر بتر ادھر سے پادری صاحب بڑھے ادھر سے مرزا صاحب چلے۔

مرزا:۔ زمین دوز ہو کر" کورنش عرض کرتا ہوں پیر و مرشد"
پادری:۔ او گڈ ایوننگ۔ ہوڈو یو ڈو؟"
مرزا:۔ غلام عیسائی نہیں ہے"
پادری:۔ آئی سی۔ آپ کا مزاج اچھا ہے"
مرزا:۔ حضور کے اقبال سے اچھا ہوں"
پادری:۔ بیرا۔ بیرا"
بیرا:۔ حاضر حضور"

پادری نے کرسیاں منگوائیں۔

پادری:۔ اور آپ بیٹھے"
مرزا:۔ حضور تشریف رکھیں غلام کی مجال ہے آقا کے سامنے بے ادبی کی"
پادری:۔ مرزا کو بٹھا کے" موسم بہت اچھا ہے آج کل"
مرزا:۔ جی ہاں حضور جاڑوں کی کیا بات ہے، اچھے سے اچھا پہنئے، اچھے سے اچھا کھائیے۔ حضور میں دیکھتا ہوں بہت نحیف ہو رہے ہیں، ماء اللحم نوش فرمایا کریں، پانچ تولے صبح پانچ تولے شام ہمراہ شربت بزوری معتدل"
پادری:۔ مرزا کی بات نہ سمجھ کر" ویل ہم آپ کا کوئی کام کرنے کی امید کرتا ہے"

مرزا :۔ یہ بھی حضور کے فرمانے کی بات ہے خدا حضور کو کمانیر سے لاٹ صاحب کرے، میں اس وقت ایک ضرورت سے حاضر ہوا ہوں، وہ یہ کہ غلام کو اپنے بیڑے میں بھرتی کر لیجئے، مہربانی ہوگی۔"

پادری :۔ دل میں خوش ہو کر کہ اچھا پھانسا "کھڈاوند کے ٹکڈیس ہو۔ ہمارا ٹکڈس باپ آپ کا مدد کرے گا۔"

مرزا :۔ انھیں تکلیف کیوں دیجئے، اس ضعیفی میں ذری سے بات کے لئے۔"

پادری :۔ نہیں مبارک ہیں وے لوگ جو اس کے گلے میں آئے، مبارک ہیں وے لوگ جن کے ڈلوں میں روح الکڈس کا روشنی چمکا۔"

مرزا :۔ جی ہاں کیا عرض کروں بیٹھے بیٹھے دل میں ترنگ آئی کہ چل کے بھرتی ہو جاؤ۔ سر بھی ان شیطانوں نے بہت اٹھایا ہے۔"

پادری :۔ جھرجھری لیکر "سیٹن اد سیٹن! وہ انسان کا ڈسمن ہے، وہ کھڈاوند کا ڈسمن ہے، وہ تاریکی کا باڈشاہ ہے، جہنم میں اس کا حکومٹ ہے۔"

مرزا :۔ دیکھئے گا حضور میدان میں کشتوں کے پشتے نہ لگا دئے ہوں، غلام کے والد شاہی میں رسالدار تھے۔"

پادری :۔ پھر کیا وہ مرگیا؟"

مرزا :۔ جی ہاں۔"

پادری :۔ وہ نیک بیٹے کا باپ تھا اس کو نجاتِ ابدی ملا۔"

مرزا :۔ جی نہیں حضور کسی حنیل خور نے آپ سے جڑا ہوگا قسم قرآن کی ان کے پاس آبادی وابادی کوئی نہیں تھی، وہ اس رنگ کے آدمی ہی نہ تھے۔"

پادری :۔ او جس بیٹے کے ڈل میں روح الکڈس اترا اس کا باپ آڈمی نہیں ہو سکتا وہ فرسٹا تھا۔"

مرزا :۔" جوان تو برابر بھرتی ہو رہے ہوں گے حضور میں نے گنا نہیں اس وقت کوئی دو ڈھائی سے ۔"

پادری :۔ نجات کا دروازہ کھلا ہے خداوند کا مقدس کام جاری ہے ۔"

مرزا :۔ ادھر ہمارا رسالہ مورچے پر پہنچا اور گھوڑ موہوں سے نجات ملی ۔"

پادری :۔" وہ آپ کو برکت دے گا ۔"

مرزا :۔" جی اور ایم بھی قبلہ عالم۔ کیوں خداوند آپ بھی عمل کرتے ہیں ۔"

پادری :۔ بیگ یور پارڈن ۔"

مرزا :۔ حضور یہ نہیں بلکہ تریاق تریاق ۔ اگر وقت آگیا ہو تو حاضر کروں جمائیاں آیا ہی چاہتی ہیں مجھے تو معلوم ہوتا ہے ۔" یہ کہہ کر ڈبیہ نکالی اور ایک گولی ہتھیلی پر رکھ کر دور سے دکھائی ۔

پادری :۔ اولکسیٹو پلز ۔"

مرزا :۔ جی ہاں ولندیزی میں ان کا یہی نام ہے ۔ بڑی نایاب شے ہے خداوند ۔"

پادری :۔ اولیس ۔"

مرزا :۔ تو اب فدوی کس دن حاضر ہو ۔"

پادری :۔ سوچ کر " آپ کل آٹھ بجے آئیے گا ۔"

مرزا :۔ تو اب تخفیف تصدیعہ کرتا ہوں تسلیمات عرض ہے ۔"

مرزا صاحب بنگلہ سے نکلے گپو سے ملاقات ہوئی ۔

گپو :۔ افوہ بڑی دیر لگائی آپ نے میں تو سمجھا کہ پیا صاحب نے ٹیٹوا اور بہ سایا منیٹر ۔"

مرزا :۔ گپو ۔ تم برطرف ۔ ابھی برطرف ۔ سوا گلے درازی کے اور کچھ ہے ہی نہیں نمک حرام کے پاس ۔"

گپوا:- ایں ایں، ذری حواس میں، میں نے یہ کہا کہ سچ مچ پٹ گئے آپ میں نے تو شاید کر کے کہا ۔"

مرزا:- ہاں تو یوں کہو نا قسم قرآن کی جو میں نے سنا ہو ۔ اماں صاحب تو بڑے رنگیلے نکلے غفور خاں، عمل کرتے ہیں اور کہنے کو ہیں ولایتی مگر بڑے اشراف

گپوا" اجی گڈا مرہے پورا ۔ کہیں اس کے بھروسے نہ رہئے گا، کہیں بہلا پھسلا کے وہ اپنے مذہب پر نہ لے آئے آپ کو، جی اور کیا، پاوڑی ہے۔"

مرزا:- چل بے الو کی دم فاختہ ۔ اب کل آ کر ہم بھرتی ہوئے جاتے ہیں، راوی چین لکھتا ہے غفور خاں، دیکھو سر میں خاک ڈال کے روؤ گے چلے چلو لام پہ ۔"

گپوا:- ہٹائیے ہم نالت بھیجتے ہیں ۔ آپ کو تو کچھ گھوڑے کی چڑھی ہے، اب گھر بھی چلئے گا یا رات کو یہیں پیڑوں پہ بسیرا کیجئے گا ۔"

مرزا:- گپو دیکھو بھئی اس میں گالی کا پہلو نکلتا ہے ہم ٹھونک چلیں گے "

العرض آقا اور نوکر کو تو گھر کا راستہ لینے دیجئے اور یہ سنئے کہ مرزا صاحب کے جاتے ہی گھسیٹن ۔نے محلے بھر میں پھونک دیا کہ مرزا لام پہ چلے گئے یہ خبر شدہ شدہ بی اجلی کے کان میں پڑی اور وہ" ہائے میرا بیس روپے کا گدھا" کہہ کر پیٹنے لگی ۔ بسنتی فوراً گھاٹ پر دوڑائی گئی ۔ مٹھو گالیاں دیتا ہوا آیا، پتہ چلا یا کہ مرزا اسٹیشن گئے ہیں، غرض صلاح مشورہ ہوا اور ایک بجتے بجتے مٹھوا نے بڑے صاحب کے اجلاس پر عرضی تان دی ۔

.. ..

مرزا اور گپو باتیں کرتے چوک میں چلے آ رہے ہیں ۔

مرزا:- ہاں بھئی تو پھر نان بائی کی ٹھیری ۔"

گپوا:- جی اور کیا۔ اب آدہی رات کو میرے کون چولھا جھونکتا پھرے گا۔ یہ پیچھے دکان بھی آگئی آپ چل کے کھانا نکلوا ئیے ہیں لپک کے بالائی لے لوں"

گپوا چلدیا۔

مرزا صاحب دکان کی طرف بڑھے ہی تھے کہ کسی نے چپکے سے کہا "دیکھو وہ ہیں وہ ہیں، جانے نہ پائیں" اور ساتھ ہی آواز آئی "رک جاؤ"

مرزا:- ٹھٹک کر" الٰہی خیر"

چپراسی:- ہاں الٰہی خیر کے نام کا سمن ہے"

مرزا:- سراسیمہ ہو کر" ایں سمن!"

یہ کہا اور تیورا کے گرے تو دھڑ سے نالی میں!!

زندگی شرط ہے۔ ابکے کچہری میں اڑے گی۔

اکتوبر ۱۹۳۸ء کے "ساقی" میں اڑی تھی، یا چشم بد دور، آج پورے سو تین برس کے بعد جنوری ۱۹۴۲ء میں اڑ رہی ہے،

آوارگی اور پابندی میں دور کا بھی ناتا ہوتا تو یہ خاکسار اپنے لئے نفرت، ملامت، یا آپ کی پسند کے اور کسی بھاری بھرکم ووٹ کی ضرورت سفارش کرتا،

شر، پارہ اور خیال اگر قائم ہو سکتے ہیں تو آوارہ بھی حبس دوام کے لئے بسر و چشم تیار ہے، ورنہ یہی اس کا عذر گناہ ہے اور شاید اسی پردے میں اعتراف گناہ بھی مضمر۔۔۔۔۔۔۔۔ اب "بے پرکی"

جاڑوں کی شبنمی رات، آٹھ کے گجر سے پہلے، سبزی منڈی میں ایک قدیم وضع کے مکان کی سرد اور خاموش فضا طبلے کی "چکنم چہ کنم" اور ستار کی "جھن نن جھن نن" سے گرما رہی ہے، صحن دالان میں پٹاپٹ کے پینی پردوں کے پیچھے، مردنگ کی پھیکی روشنی میں، میلی چاندنی پر ایک بڈھا ستاریا اپنے سے دونے ناپ کی کہنیوں پر مسکی ہوئی، بوٹے دار اطلس کی اچکن پہنے، روپے میں ساڑھے سولہ آنے سلمہ جھڑی زردوزی کی قدچیا ٹوپی کانوں تک منڈھے بلاول ٹھاٹھ کی ایک گت پر سر سے ٹیپ اور ٹیپ سے سر تک مچل مچل کر کچھ اس طرح ہچکولے کھا رہا ہے کہ ڈر ہو کہیں سم تک پہنچتے پہنچتے گردن کا ڈورا بیچ ہی میں نہ ٹوٹ جائے، اور سم کے ساتھ سر بھی نہ ہات سے جاتا رہے،

اس سے ذرا ہٹ کر موچھیں چڑھائے، گل مچھے بڑھائے کم کسے کا لاریٹھا طبلیا کندے تول تول کر اس دم خم سے گت کا مزاج بجا رہا ہے کہ معلوم ہوتا ہے یا ہو کا جوڑا چھوٹا ہوا ہے،

سامنے غالیچے پر کمر لوٹتے گاؤ تکیے کے سہارے، چوپڑ کے مشروع کا غرارے دار پیجامہ، نینوں کے کرتے پر شمعی رنگ کے مخمل کا نسلو کہ پہنے صاحب خانہ ساز کے ہر بول پر ریشہ خطمی ہو رہے ہیں، ان کے برابر ہی اور ایک بزرگوار بیٹھے ہیں، گورا ولایتی رنگ، ترمتی سامنہ، دانتوں میں مسی، پتلی پتلی بتی سی موچھیں، کٹی ڈاڑھی، قبہ دار ٹوپی، سنجاف لگا روئی کا دگلہ، چار باغ سہ گزا شالی رومال گلے سے لپیٹے، صاحب خانہ کی واد میں داد بھی ملائے جاتے ہیں، اور بے کیف آنکھوں سے مراد آبادی بھالی میں سجے ہوئے چاندی کے لوازمے، اگر مرٹ، ٹھاک اور نگالی کی اطرف

دیکھ دیکھ کر جماہیاں بھی ضبط کرتے جاتے ہیں،

اتنے میں ستار۔ یئے نے استائی کا دھرم کرم دکھا کے انترے کی سیر کی اور چوگن تک ایک ایک سر کو خوب روشن کر کے جو سمٹا تو منیڈوں کی مشکلات" کو پانی کرتا ہو اپھر استائی کا رنگ بلمپت میں جمار ہا تھا جو بندھے ہوئے مکھڑے کے تیسرے "دھا" پر طبلے کی تھاپ پڑی، ساتھ ہی... مضراب کی جھنگار سے گت کے آخری بول فضا میں گھل مل گئے۔

تعریف کے پل بندھ گئے،

صاحب خانہ اور کون جانی مرزا،" اے سبحان اللہ! کیا کہنے ہیں، استاد کان پاک کر دیئے تم نے، بجا رہے تھے کہ پور پور سے رس کے دریا بہا رہے تھے اور بھئی واللہ ہے کیا سچا نقشہ کھینچا ہے راگ کا کہ ابھی تک معلوم ہوتا ہے بلاول ہات باندھے سامنے کھڑا ہے، سبحان اللہ! واہ وا"

استاد، تسلیمن بجا کر" ذرہ نوازی ہے، ورنہ سچ پوچھئے تو ابھی غلام تیور کومل کا فرق نہیں جانتا، چڑھے اترے سے بے خبر ہے"

جانی مرزا۔" یہ تمھاری انکساری ہے، واللہ، اس وقت تو ایک ایک سرتی کو تم نے اس خوبصورتی سے نکھارا ہے کہ باید و شاید، منہ سے بولنے لگی"

استاد۔ پھر تسلیمیں بجا کر" قربان جاؤں، یہ نہیں فرماتے کہ ہفت نظر خود حضور ما۔شیے اللہ سے بلا کے کن رس ہیں، اور حضور مزا بھی تب کا ہے کہ محفل میں سمجھ دار بیٹھے ہوں، کوڑھ مغز نہ ہوں جو بہاگ اور بھیر و یں میں تمیز نہ کریں، (طبلئے سے) ہے کہ نہیں نا چھجو خاں "؟

چھجو خاں۔" اس میں کیا جھوٹ ہے استاد، دیکھ لیجئے نا کہ ابھی ابھی آپ نے لہرا کے جو ساز پہ ہگن کا دباؤ ڈالا اور پھر چلانگ میں تو اتنے میں نہ جانے

مچھر نے ڈسا کہ بغل میں کھٹمل رینگا' پل کے پل دھیان بٹ گیا اور سم ایک بال برابر دب گیا' دب گیا کیا معنی' ضرب ذری میٹھی لگی تھی جو حضور آنکھوں ہی آنکھوں مسکرائے اور ہمرے جگر ہیں جیسے کسی نے چٹکی لی' بس قائل ہو گیا استاد' اور کیا معنی کہ قسم پروردگار کی میں نے دل میں کہا' دیکھ چھجو بندے کان کی روشن ضمیری اس کو کہتے ہیں"

جانی مرزا ۔ لجا کر ۔" اماں نہیں کن رس ون رس تو کیا' اتنا ہے کہ آپ لوگوں کو سنتے سنتے "کان اک ذری ہنج گئے ہیں"

چھجو خاں ۔" اور حضور یہ استاد بھی کیا معنی کہ اپنے وقت کے گندھرپ ہیں' پھانسا ہی تھا آج تاروں کے جال میں' وہ تو کھئے ہات پہ مرشدوں کا سایہ ہے' جو بنپ گیا خداوند! اور جیوٹ پہ نے سئے کو سادھے رہا کیا معنی کہ بڑا اکٹ حساب آکے پڑھا تھا' دانتوں پسینہ آگیا"

استاد ۔" واہ کیا بات ہے خاں صاحب' آخر کے تئیں استاد ابن استاد ہو (جانی مرزا سے) ان کو پہچانا نہیں حضور نے شائت؟ اے اللہ بخشے (کان کو ہات لگا کر) سدھار خانجی کے خاص الخاص پوتے ہیں' اس موئی کھال کو آبرو تو انہی کے گھر سے ملی ہے"

جانی مرزا ۔" اخاہ یہ کہئے' جبھی ماشے' اللہ سے ہات آشنا سکھی اور رسیلا ہے اس پہ لے داری' بولوں کی صفائی! اے سبحان اللہ! میں دیکھ رہا تھا' ایک ایک فقرہ پرکار سے ناپ ناپ کے جیسے قینچی سے کتر رہے ہوں' اور میاں' تم لوگوں نے فقط نام سنا ہے سدھار خاں کا' ہم نے تو برسوں انھیں برتا ہے' پکھاوجی بھوانی داس سے ان کے ڈانڈے بنڈے تھے' اُس سے زک دینے کے لئے طبلہ بنایا' اور بول بانٹ کرکے دو

قلعہ بجائیے تو چھکے چھوٹ گئے لالہ بھوانی کے، دھرے رہ گئے مکھڑے اور پرنیں، جہاں پناہ نے بھی تو سن کے طبلے کا منہ ہیرے موتی سے بھروا دیا تھا، اور رہے کے تو شہنشاہ تھے وہ، ہائے واللہ، یقین مانو استاد، ان آنکھوں نے دیکھا ہے کہ گھر سے نکلے ہیں کسی کام کو، عالم یہ ہے کہ کبھی آڑے چوتالے میں چل رہے ہیں، کبھی سول فاختہ میں قدم پڑ رہا ہے چھپے چھپے تو فی غیرت یاد آ گیا، اب جو قدم اٹھتا ہے تو واللہ نفشوں نے نشان سے حساب لگا لیجیے کہ خاں صاحب ورت کے ہیں گئے ہیں یا دھ ہیں" ہم نشین ہے، کیوں قبلہ حکیم صاحب آپ نے بھی تو اس کو چے کی خوب خاک چھانی ہے؟ خلاف تو نہیں اس میں"

حکیم صاحب، میر فدا حسین عرف فدن صاحب، طب سے آشنا فارسی داں، عربی خواں، "اے معاذ اللہ، مومن پہ بدگمانی مرزا صاحب کسی کافر زندیق کا کام ہوگا، آثم تو زائر کربلا، حاجی حرمین ہے، آپ کے قول راسخ پر کیوں کر تعریض کر سکتا ہے"

چھجو خاں: "جد امجد کے بعد تلن اور مکھو نے بھی کیا معنی کہ کچھ کم نام نہیں کمایا، وہ بجایا، وہ بجایا کہ ہاروت ماروت کی آبرو پانی ہو گئی، کنوئیں جھانکنے لگے۔ جی اور کیا پیر و مرشد"

استاد۔ اس میں کیا شک ہے، قربان جاؤں، پر اتنا ہے کہ یوں تو استاد مکھو کے ہات میں بجلیاں تڑپتی تھیں، پر تلن کے مقابلے میں ذری گھٹ کے تھے، آدھا پاؤ پانڑا کبھی کبھی چبا جاتے تھے!!

جانی مرزا: "فدن صاحب، وہ شہزادہ فغفور مرزا کے ہاں کے جگہ بھی یاد ہیں؟ مسند پہ متمکن ہیں، لب معشوق سے شغل ہے، سامنے بی

گنگوتری اور کیا نام کہ بنگلہ والی رادھا بارہ ابرن سولہہ سنگار کئے بیٹھی بلبل کی طرح چہک رہی ہیں، طنبورے ایک تو ہیں سندھے ہوئے میٹھی میٹھی آنس دے رہے ہیں، ادھر میاں روشن علی خاں بین کا رڈے ہوئے ہیں، چسکی چل رہی ہے، سُر جمے ہیں، آنکھوں سے شہاب ہے کہ ٹپکا پڑتا ہے، پہلو میں بین کیا دھری ہے معلوم ہوتا ہے کوہ قاف کی نیلم پری ہے، ہائے واللہ کیا جھمگڑے تھے کیا جھمگڑے تھے!!"

فدن صاحب۔ ٹھنڈی سانس لے کر "جانی مرزا صاحب، سب کچھ یاد ہے، اور ایسا یاد ہے کہ آج بھی خیال آتا ہے تو قسم ہے حضرتِ حسین کی کلیجے پہ سانپ لوٹ جاتا ہے" آہستہ سے، "شمو سے تو آخر میں اس نحیف سے واسطہ ہو گیا تھا نا؟"

جانی مرزا۔ مسکرا کے "جیسے میں نہیں جانتا، اے ڈورے تو شہزادہ صاحب کی محفلوں ہی سے پڑنے لگے تھے، معلوم نہیں جیتی بھی ہیں یا گزر گئیں"

استاد۔ بات کاٹ کے "گزر گئیں! خداوندا! آج پٹنہ عظیم آباد میں بی شمیم آرا کے نام کی دوہائی پٹ رہی ہے۔ اچھے اچھے پونڈوں نے تماشبین رئیسوں کو کنگال کر کے لنگوٹی کو محتاج کر دیا۔"

فدن صاحب، باچھیں کھل گئیں "کیوں نہ ہوتی ہی، وہ ایسی ناظورۂ ملا فریب، غارتگرِ صبر و شکیب، کہ اس کی ایک گردش چشم کے لئے اگر زاہد صد سالہ اپنی متاع ایمان وقف نہ کر دے تو واللہ ہے کہ مجھے اس کی بخشائش میں شک ہے"

جانی مرزا: "میاں روشن علی کو تو کیا سنا ہو گا تم نے؟ شانوں سے سر نکلتے

بجتے ان کے، واللہ شالوں سے، دلی والے میر ناصر علی نائک کے نام لیواؤں میں تھے"

استاد:"قربان جاؤں سنا ہوگا کیا معنی، غلام کو اس در سے فیض پہنچا ہے، جگ جگ رہے نام ان کا، یہ جو غلام کچھ ٹوں ٹاں کر لیتا ہے انہی کی جوتیوں کا تصدق ہے، کسی دن حکم ہو بین پہ دو گتیں عرض کروں اور منٹ بھر میں وہ ہنر دکھاؤں کہ معلوم ہو کوئی بھنورا کے پینگ دے رہا ہے، میاں کی ملہار، اور کانہڑا اس لطف سے گاؤں کہ کوئی محمد شاہ پیا کی سواری چلی آرہی ہے' قربان جاؤ استاد کے جوڑے کی تیاری اس بلا کی ہے کہ بجاتے بجاتے ہات سیدھا کہ دو تین معلوم ہو پھرکی گھوم رہی ہے، وہ مزا ملے کہ نیند آنے لگے جیسے کان میں کوئی بھڑ بھڑا کر رہا ہے"

جانی مرزا:"ضرور ضرور، یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے، جس دن مزاج چاہے گھر تمہارا ہے، مگر یہ کہنا کہ ذری پہلے سے کہلا بھیجنا، چار چھ تولے قوام اور منگوا لیں گے، یہ نہ ہو کہ جانی مرزا کے ہاں آؤ، اور بھی پیاسی آتما لے جاؤ"

استاد کھل گئے:"اے اللہ سلامت رکھے، دیکھا ماں چھجو خاں صاحب، کیا جوہرات ہے تولنے لائق کا مجاز پایا ہے ہمارے سرکار لے سمجھ گئے کہ ادھر استاد نے تمہارے چار چھینٹے زیادہ لئے، اور دوڑا رگوں میں کالی مائی کا ناگ، اودھر نس نس سے سرسوتی جی بولنے لگیں"

چھجو خاں:"ایسی نادرات محفل میں غریب کو نہ بھولئے گا آپ کے طفیل میں رلی "دورلی" انھی کے حقدار ہم بھی ہیں"

فدن صاحب:"لے ہاں جانی مرزا صاحب، باتوں باتوں میں یہ دقت

ہوگیا، اور جاگتی جوت کے خداوند ہیں کہ ابھی تک خاموش پڑے ہیں، قبلہ اٹھئے، لمپ وسپ روشن کیجئے، اور دو چھینٹے لیجئے، یہاں جماہیوں کی ڈاک لگی ہوئی ہے، جسم کا جوڑ جوڑ کھلا جارہا ہے، لعنت ہے واللہ اس شیطان رجیم پر کہ مغربین بھی نہ ادا کرنے دی اور ڈریا کے یہاں لے آیا۔"

جانی مرزا۔" ایں واللہ چھینٹوں میں اب کیا منت ہے، آج حکم سے پروردگار کے قوام بھی وہ بنا ہے کہ باید و شاید، لبوں تک نگالی آئی نہیں کہ دھت ہوئے نہیں۔"

یہ کہہ کر جانی مرزا صاحب نے نہایت نفاست کے ساتھ چانڈو کا نفشہ جمایا، شالبافت کے غلاف سے نگالی نکالی، گرمٹ کے سوراخ میں سلائی پھرا کے اچھی کار وا جھٹکا، اور نگالی میں جوڑ کے لمپ روشن کیا۔

فدن صاحب۔ نگالی کو الٹ پلٹ کر" کتنی سبک ہے واللہ اور گرمٹ کا تناسب! اے سبحان اللہ شاخ گل پہ گویا بلبل کو بٹھایا ہے، حق تو یہ ہے کہ جانی مرزا صاحب جب نکالی آپ نے عجوبہ سی ہی نکالی"

جانی مرزا" یہ جوہر شناسی ہے آپ کی واللہ، ورنہ یہ گدائے بینوا کس قابل ہے، قبلہ یہ وہی رانا در بجے سنگھ کی مشہور" ناگن" ہے جس کے پیچھے بجے پر والے سے تا بہ لندھن مقدمہ لڑا تھا اور آخر میں لیلام پہ چڑھ کے شہزادہ بیدار بخت بہادر کے نام سترہ سے میں چھوٹی تھی۔ صاحب عالم رانگشت شہادت اور بیچ کی انگلی پہ انگوٹھا رگڑ کے، اس چٹکی کی چسکی پر آپ جانتے ہیں ہزار جان سے فدا تھے، ایک روز گھول کر جو پیش کرتا ہوں تو اتنی پر تاثیر کہ نیتوے سے یہ قدر انتک بلبل ہی اتری ہوگی جو کیف ہی آ گئے!

ترنگ میں بنگالی خادم کو بخش دی، میں نے ڈرتے ڈرتے عرض بھی کیا کہ صاحب عالم مزاج شاہی کسی دن چانڈو کی طرف مائل ہوا تو؟ فرمایا "بھئی جانی مرزا بڑے نادان ہو، اماں رزاق عالم کے خزانے میں ایک یہی بنگالی تھی؟ نیت بخیر چاہیے، ایک دو بنگا غیب سے دیکھنا ستر ملیں گی"۔ قائل ہو گیا فدن صاحب اور مجرا عرض کرکے نذر دکھائی، ایک معمولی سی کرامات عرض کرتا ہوں اس کی، خالی دو دم کھینچیے پورا عمل لیجے"

اس گفتگو کے بعد چار دن شوقینوں نے گل تکے سنبھالے اور فرش پر دراز ہو، باری باری سے چانڈو نوش کیا، دو دو چھچے بالائی اور ورق چڑھی برفی کی ایک ایک ڈلی گزک کھائے دس بجتے بجتے عمل میں شرابور ہو گئے۔

استاد۔ جو غیب ہو چلے تھے "قربان جاؤں خداوند، یوں تو چانڈو افیم غلام کو میراث میں ملے ہیں، پر قسم لے لیجیے جو آج تک غلام پہ یہ طلسم کھلا ہو کہ آخر کے تئیں اس کا اور چھور کیا ہے، اس کی پہل کس بندہ خدا نے کی۔

جانی مرزا: "بھئی اس گھر میں ہم بند ہیں، یہ حصہ حکیم فدن صاحب کا ہے"۔

فدن صاحب۔ سنجیدہ تیوروں سے لیاقت گھمار کے "جانی مرزا صاحب، عوام پر رموز طبیہ کا انکشاف اگرچہ سلف کے نزدیک ممنوع قرار دیا گیا ہے، مگر بہ مجوائے الامر فوق الادب، اس ہیچمیرز بے بساط کم سواد کو علوم صدریہ سے جو حصہ بقدر جثہ عطا ہوا ہے اس میں سے مشتے

راوی آفتاب قدیمہ میں ثقات سے مروی ہے کہ جب سہراب یل نوجوان رستم داستان کے گرز گاؤسر کی ضربت کھا کر میدان نبرد میں گرد برد ہوا اور باپ نے بیٹے کو پہچانا، اس وقت رستم نے کیکاؤس سے جو تریاک مانگا یہی افیون، لبن الخشخاش، یا بہ زبانِ سریانی دیملیاجی تھا، نتیجہ بدیہی کہ کیکاؤس افیمی اور خود رستم سیستاں تریاق اسود کے افعال و خواص سے واقف،

جمہور یونانیان اس کو یاردیابس یدرجۂ رابع مانتے ہیں، اور متاخرین اطبا ہند حار یابس، اور یہ خاکسار حکما مرکب القویٰ کہتا ہے، یعنی اس کا ایک جز حار لطیف ہوائی، دوسرا بارد کثیف ارضی"

جانی مرزا۔" سبحان اللہ فدن صاحب کیا وضاحت فرمائی ہے، سماں بندھ گیا"

استاد۔" قربان جاؤں اتنا اور معلوم ہو جاتا کہ کیکاؤس نے رستم کو افیم دی کہ نہیں"

فدن صاحب" تاریخ اس باب میں ساکت ہے، مگر قرائن سے شہادت ملتی ہے کہ نہیں دی، یا دی بھی تو اتنی دیر سے کہ سہراب کا واقعہ ہو چکا تھا"

استاد۔ آنکھیں پھاڑ کے" یعنی سہراب کے دشمنوں کا انتقال ہو گیا ہائے واللہ کیا کڑیل رنچ ہتا۔ جوان تھا" ستار پہ ہات رکھ کے" ساز کی قسم خداوند، رستم کی جگہ غلام ہوتا تو پکڑ کے ڈانڈوہ تان کے کدو سر پہ دیتا کہ میاں کیکاؤس کی آنکھوں تلے تارے چھٹک جاتے، غضب خدا کا برادری کا بچہ دم توڑے، اور یہ جنی برابر افیم سے دریغ کرے، آدمی تھا کہ جنور؟

چھچھا خالی" لیجیے حکیم صاحب کی بدولت آج معلوم ہوا کہ افیم جانور

صدیوں پہلے ایجاد ہو چکے تھے' کیا معنی کہ اگلے رئیس نواب بھی ان کے قدرداں تھے' اور استاد یہ کیا کہا آپ نے' ایک سے ایک گرا پڑا ہوا کر دنیا میں' کسی فسائی وسائی کا لونڈا ہوگا یہ کیکا ؤس"

جانی مرزا۔" اب طبیعتیں کڑوی کرنے سے فائدہ؟ جی قبلہ' آگے چلئے"

فدن صاحب" ہاں تو میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ اس کے افعال وخواص پر بھی دو لفظیں سن لیجئے' جہلا کا خیال ہے کہ معاذ اللہ معاذ اللہ افیوں نشہ کرتی ہے' یہ غلط انعام کی ایک روشن مثال ہے' اصلاً اس کا فعل حذر یعنی سن کرنا ہے' اور کچھ نہیں' قابض ہے' اور سدے پیدا کرتی ہے"

چھجو خاں۔" کیا خدا لگتی بات کہی ہے حضور نے' جب ہی تو فدوی کیا معنی کہ گھنٹوں جو جھتا ہے تب کہیں فراغت ہوتی ہے' ایک دفعے مجرا بجانے رات کی گاڑی سے کان پر چلا' ریل حاجت معلوم ہوئی' گیا اور طہارت کر کے جو نکلتا ہوں تو آئیں! اتڑ کا ہو گیا' الہ آباد کا اسٹیشن ہے اور گاڑی کھڑی ہے! کیا معنی کہ سدوں ہی سدوں میں دو اڑھائی سے کوس سرک گئے"

فدن صاحب" اور یہ اور مرکبات میں اگر قدرے افیوں شریک کر دی جائے تو ان کو سڑنے گلنے سے باز رکھتی ہے"

استاد۔" یہ ترکیب اچھی بات آئی۔ غلام بچپن سے شیر برنج کا عادی ہے' اگر مینوں میں خداوندا ادھر قلفی جمائی ادھر بلبلے اٹھے' ٹھیرتی ہی نہیں ظالم اب کیا ہے' ادھر ہانڈی اتری اور حسکی سے بچا کر' نہیں تو ذری سال مل کے ڈال دیں چند بوندیں' اور مزے سے ہفتوں کو فرصت"

فدن صاحب ۔ "گولی کھائیے، چسکی پیجیے، چانڈو اڑائیے، بہر حال غصہ فرو ہو۔ طبیعت میں انکسار آئے، اخلاق وسیع ہوں......"

حکمت مآب کا لمڈورا چھینٹوں کے زور پہ خدا جانے کہاں تک بڑھتا جو کسی کی آہٹ نے چلتی گاڑی میں روڑا اٹکا دیا،

آواز ۔ "لوگو ہم بھی آ سکتے۔ زنانہ ومانہ تو نہیں نا ؟

جانی مرزا ۔ آواز پہچان کر۔ "کون مرزا صاحب ؟ آئے آئیے نا آپ سے کس کا پردہ"

آنے والے نے پردہ ہٹایا، اب جو دیکھتے ہیں تو ہمارے داستان کے مرد میداں پادشِ بخیر مرزا الٰہی خیر، اگردبیں اٹے ہوئے، منہ پہ ہوائیاں کمزور آواز سے "تسلیمات عرض ہے، کون فدن صاحب ؟ مجرا قبول ہو، اُف اُف !!"

جانی مرزا ۔ "کیوں خیر تو ہے مرزا۔ یہ سر سے پا تک ہونق کیوں بنے ہوئے ہو" ؟

فدن صاحب ۔ "ذری نبض تو دیجیے گا، چہرہ مبارک سے زبولِ قلب کی علامت ہویدا ہیں، دوا ر المسک بارد تجویز کروں گا"

استاد ۔ "سلامتی سے پیشانی پہ پسینہ کی بوندیں، قربان جاؤں جیسے موتی جڑے ہیں"

مرزا ۔ طیش کے عالم میں ۔ "لعنت ہے اس میونسپلٹی کی ہفتاد پشت پہ واللہ ہزار بار لعنت ہے، بجھی ہوئی اندھی لالٹینیں، سڑکوں پہ کمر کمر دلدل، قدم قدم پہ بلا ئون لنیڈی بچوں کی عف عف، ایسے میں کہئے کوئی بھلا مانس چل پھر سکتا ہے ؟ معاذ اللہ، بس نہیں چلتا ورنہ چن چن کے ان

(صیغۂ جمع میں بہن کی گالی دے کر) کو توپ دم کرا دینا قسم قرآن کی"

جانی مرزا ۔" کچھ کہئے گا بھی یا بنکارتے ہی رہئے گا، چھکے ہوئے آئے ہو یا دوں اک دو چھنیٹے، اب مدے ہو رہے ہو، بنگالی کبھی پکوڑیہ ہی"

مرزا ۔" چھکے ہوئے کی بھی ایک کہی واللہ، آج فجر سے یہ وقت ہونے آیا، عمل کیا ہو تو اولاد دشمن سے ہو، چراغ جلے پالے نالہ پہ اعنٰ صاحب کے ہاں ذری سے ذری ٹکا تھا، قسمیں دے کے کہنے لگے، بانکے چسکی پے جاؤ، تیار ہے، سوئر حرام کے برابر جو ایک قطرے سے بھی علق بھگو یا ہو"

یہ کہ مرزا صاحب نے ہات پاؤں کی گرہ دھنکی، اور جانی مرزا کی فرداور کہ ذری گرہ اے بتے کہ بنگالی گرہ دش میں آگئی، تولہ بھر قوام گے ہو بیٹھے کے لب سوز کشمیری چائے کی پیالی چڑھائی، ٹکڑا باقرخانی کا کھایا، تب جاکے دم میں دم آیا، استاد اور چھجو خاں بھی خوب رچ کے رخصت ہوئے اور ڈیوڑھی معمور ہوگئی ۔

رات بھیگ چلی ہے، جانی مرزا، فدن صاحب اور ہمارے مرزا الہٰی جو دور سے خمیرے کے دھواں دھار کش، بسے ہوئے حقہ کی میٹھی میٹھی گڑگڑا بی چنیا بیگم کے مسلسل جھونکوں کے مزے لیتے ہوئے آج کی افتاد اور کل مقدمہ پہ گفتگو کر رہے ہیں،

جانی مرزا ۔" ہم بتائیں فدن صاحب یوں کیجئے، ان کو تو رہنے دیجئے یہیں، اور بہ نیت شب بخیر صبح گجر دم عمل سے فراغت کر کے، چائے و پی کے چلے چلئے اور لیکن صاحب بالسٹر کو چکا لیجئے اور پان سات بج دے کے پلٹئے تو کچہری، آج شہر میں دوسرا ڈبلوا نکے جوڑ کا نہیں ہے، بو

بڑے حاکم اور افسر لوگ بڈھے سے پچکتے ہیں"

فدن صاحب - " آپ کو واللہ، متر لیکن صاحب پان سات روپلے میں ایسا سنگین مقدمہ لڑیں گے "!

جانی مرزا - " نہ سہی پان سات، دس بارہ سہی، مقدمہ کی سنگینیت کو دیکھئے یا اپنے جیب کے ہلکے پن کو"

فدن صاحب :- " جیب ہلکی ہے تو قبلہ بیسرا بھاری سمجھئے، غضب خدا سرقہ ایک، دغا دو، خیانت مجرمانہ تین، تلبیس شخصی چار، حبس بے جا پانچ تحویل جائز سے لے بھاگنا چھ، اور کہیں گدھا نابالغ قرار پایا تو سات، داد رسی میں جو نکلیں وہ نفع میں، فی جرم سال سال بھر کے حساب سے بھی ٹھونکی تو ان بچارے کی ہڈیاں فاتحہ درود کو نہ ملیں گی "!

جانی مرزا - " یہ سمجھے تو واللہ کچھ نہ سمجھے، اماں کوئی تو نکتہ رکھ کے ہم نے یہ بات کہی ہوگی" اماں ڈبلو تو محض کے لئے ہے ورنہ مقدمہ کی ساری بحث تو بندۂ پروردگار کے ناخن میں ہے قبلہ، جی اور کیا، بڑے صاحب کے دادا جان نہ بھنا جائیں تو جانی مرزا کو چنگیز خاں کا پوتا نہ کہیے گا کسی الفتے کا جایا کہیے گا، عمر بھر کچہری دربار کا گزرے گزری ہے، فوجداری گیا، دیوانی گیا ابتدائی سے لے کر سشن تک ساری عدالتیں روندی پڑی ہیں اس مقدمہ میں دھرا ہی کیا ہے، تل کی اوٹ پہاڑ اک ذری سی باریکی ہے آپ سے کیا راز (آہستہ سے) ثابت یہ کرنا ہے کہ جرم کیا اور ڈنکے کی چوٹ کیا مگر واللہ کہ نیت بخیر رکھ کے کیا، اب فرمایئے مقدمہ چت کہ پٹ"؟

فدن صاحب - اچھل کر " چت اور ہزار میں چت لاکھ میں چت قبلہ، مار لی قدم لے آپ کا، یہ تو افلاطون ... بقراط کو بھی ... " مرزا

الٰہی خیر سے۔" اماں اونگھ گئے مرزا صاحب، بے حضت مٹھائی کھلوایئے اب تو یہ دکھائی دیتا ہے کہ الٹا ہرجانہ لیں گے اس شتی مٹھوا سے، سچ ہے الاعمال بالنیات، جانی صاحب اب یہ کیجئے کہ تکین صاحب دنکبین صاحب کو مایئے گولی اور روپے بارہ آنے ہیں کسی ٹٹ پونجیے، وکیل کو ٹھیرا کے اصل مقدمہ لڑا ایئے آپ، کیوں مرزا صاحب" ؟

مرزا۔" وہی تو میں بھی کہتا ہوں، اِن کے تعلقے کے آگے وہ بھڑوا نکین کیا کرے گا قسم قرآن کی"۔

اس گتھی کو سلجھا کے تینوں حضرات اوڑھ لپیٹ کے لیٹے اور چشم زدن میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے۔

دن ہے، اور جاڑوں کا ٹھنڈا سورج کہر کی ملگجی سفید چادر میں لپٹا ہوا خاصا بلند ہو چکا ہے، رات بھر کے ٹھٹھرے ہوئے ہو شہر کے ہات پاؤں کھل چلے ہیں، اور کاروبار جو دن چڑھے تک رزائی، لحاف، دگلے اور فرغلوں میں دبکا دبکا پڑا تھا، ناک اور منہ سے گرم گرم بھاپیں چھوڑتا ہوا ہر گلی کوچے میں سوں سوں کرتا پھرتا ہے،

دس بجنے کو ہیں، بڑے صاحب کی کچہری میں آج روز سے زیادہ گھاگھمی ہے، صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر سنر کرچین کے اجلاس پر" گدھے کی چوری" کا وہ مقدمہ پیش ہونے والا ہے جس کی خبر کل ہی بجلی کی طرح چانڈو خانے دوڑ چکی ہے، اور اس وقت سے اب تک بی چینیا بیگم کے نام لیواؤں میں موضوع فکر بنی ہوئی ہے،

کچہری کے سامنے والے میدان میں، ایک حشر برپا ہے،
چلتے پھرتے کھڑے بیٹھے جدھر دیکھیے بھانت بھانت کے آدمی دکھائی دیتے ہیں، پیپل، برگد، آم کے چھتنارے درختوں کے سائے میں ٹاٹ کے فرش پر عرائض نویس صاحب کان پر قلم رکھے عرضی سوال لکھانے والوں کے انتظار میں جمائیاں لیتے، انگلیاں چٹخاتے بھوکے گدھ کی طرح مردار کے فراق میں، اللہ بھیج اللہ بھیج کرتے بیٹھے ہیں، زمینداروں کے مختار، پیروکار سر پہ گول پگڑی، بغل میں بستہ، انگرکھے پیجامہ سے لیس ادھر ادھر گھوم رہے ہیں، اِکے، ٹٹوؤں کا تانتا بندھا ہوا ہے، دیہات سے ٹھاکر صاحب رتھ میں آئے ہیں، ناگوری بیلوں کی جوڑی بھوسا کھا رہی ہے، ٹھاکر صاحب چھینٹ کی روئی دار مرزئی پہنے، میلی دھوتی باندھے کمبل پہ بیٹھے کلی پی رہے ہیں، وکالت خانہ میں تخت پڑے ہیں، دری قالین پر محرر صاحب قلمدان کھولے تعزیرات ضابطہ فوجداری کی ورق گردانی کر رہے ہیں یا موکلوں سے محنتانہ طلبانہ کا حساب کتاب کر رہے ہیں، خود وکیل صاحب کالی جھول اوڑھے، بینی کی نوک پہ عینک رکھے، اپنی جرح اور بحث کا سکہ جما رہے ہیں" ان کے نام کا وکالت نامہ دیکھتے ہی بڑے صاحب فریق مخالف کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں، دیہی پاسی پھانسی پہ لٹک چکا تھا، وکیل صاحب تار پہ اپیل اڑائے، تختے پر سے اتروا لیا، مولا بھانڈ نے جورو کی ناک صاف کر دی تھی، رویت کی شہادت، ملزم کا قلم نہ اٹھ سکا بری کرتے ہی بنی"
مجمع سے ہٹ کر، مین کے سائبان میں حلوائی کی دوکان ہے، کڑھا چڑھا ہوا ہے، پکوان ہو رہا ہے، موٹا حلوائی کچھی دھوتی باندھے، ننگی

بدن، جنیو ڈالے سودا دینے پر تلا ہوا ہے، گرم گرم پوری کچوری، آلو کی
ترکاری، کدو کی بھجیا، چٹنی اچار، لڈو پیڑے، برفی جلیبی، کے دونے پہ
دونے چل رہے ہیں، برہمن دیوتا دھلے منجے لوہے کے ڈول لئے گڑا
بجاتے ہوئے "جل پلائے" رہے ہیں، وہ سامنے چھپر تلے نانبائی کی دکان
ہے، انگاکوں سے زیادہ مکھیاں بھن بھنا رہی ہیں، بدقلعی دیگچے میں نیلا
شوروا، ڈھب ڈھب قلیہ، باسی کباب، لسی ہوئی خمیریاں، دو آنہ کی خوراک ہے۔
ایک جگہ زمین پہ چادر بچھی ہے، اس پہ طرح طرح کی رنگ برنگی سفوف
کی پڑیاں، ثیلی کی گھو پڑی، سیہی کے کانٹے، کمر لوٹے سانڈے، سوکھے
ہوئے گیجوے ہیر بہوٹیاں، شیر کی چربی، عاصل کا تیل، سرمہ دافع بصارت
دنداں شکن منجن کی بیچ میں دوکان پھیلی ہے، کالی کفنی پہنے، گلے میں موٹے
موٹے منکوں کی تسبیحیں ڈالے، عینک، سرمہ سے درست، ایک لمبے
تڑنگے پورے دور کا بے شاہ جی آنکھیں چمکاتے، کاکلیں لہراتے موت
کا تریاق، جادو کا زور، کرامات کا شور، فقیر کے چٹکلے، مرشد کے عطیے
آدھ آنہ میں بار بر دے رہے ہیں،
اسی ہر بونگ میں سب سے الگ تھلگ ایک چرمہ یا ڈولی بھی نظر آتی ہے
شالباف کا لال پردہ پڑا ہے، ایک کہار پاس بیٹھا جال بن رہا ہے، دو
ہات کی گھونگھی بنائے اس میں چلم دبائے سلفے کے دم لگا رہا ہے، یارا
طریقت کی نگاہیں، بار بار ڈولی پر پڑ رہی ہیں، اور طرح طرح کی چہ میگوئیاں
ہو رہی ہیں، کسی نے کہا "ظہور گگڑ والے کی عورت ہے، ایک لکا نہ ان
بھر کی شفتل! مرد کے مرتے ہی ہات پاؤں نکالے، گھر میں پھر جمتا تھا نعل
بھی، محلہ بھر کھو کھلا کر دیا، آخر کے تئیں مخبری ہو گئی، دھری گئیں، آج پیشی

دوسرے نے کہا "اماں نہیں ہم جانتے ہیں، وہ نہیں بلکن نواب گھسیٹا کی بہو ہیں، مہاجن نے بیچاری کے وثیقہ کا تالبقہ کرالیا ہے، بڑے صاحب کے پاس داد فریاد کے لیے آئی ہیں"

تیسرا بولا "آپ بھی کمال کرتے ہیں، واللہ میں کہاروں پہچانتا ہوں، مچھنی والی بارہ دری کے پیچھے ہی تو اڈا ہے، ہو نہ ہو مشہور آگرہ والی بیڑن ہو جو پچھلی برسات میں آگرہ بسی تھی، کیا تیکھا معشوق ہے، ڈھنگ اچھے نہ تھے، ذری کملین پرست تھی، رات سنا کسی دل جلے نے چھاتی پہ چڑھ کے چوٹی کاٹ لی، ناک پوچھنے والا تھا جو شور وغل سے محلے میں جاگ ہوگئی اور کرنے والا ادھورا کام چھوڑ کے فرار ہوگیا"

یہ ہو ہی رہا تھا جو بڑے صاحب کے اجلاس کے چپراسی کی گرجتی ہوئی آواز نے مجمع میں ہلچل ڈال دی،

"مٹھو دھوبی، مرزا الہٰی خیر مرزا کوئی حاضر ہے؟" لمحہ بھر بعد "مٹھو مدعی، الہٰی خیر مدعا علیہ —— کوئی حاضر ہے"؟

تیسری پکار پر سب نے دیکھا کہ دو بزرگوار مجمع سے چھنٹ کر ڈلی کی طرف لپکے، پردہ ہٹا، اندر سے گگّر والے کی عورت، نواب گھسیٹا کی بہو یا آگرہ کی بیڑن کے بجائے مرزا الہٰی خیر صاحب "ہلتے کانپتے، برآمد اور ناد علی پڑھتے ہوئے جانی مرزا اور حکیم غدن صاحب کی معیت میں بڑے صاحب کے اجلاس پر پہنچ کر ملزم کے کٹھرے میں کھڑے ہو گئے،

نکتہ چین صاحب ڈپٹی کمشنر، پرانی چال کے سیدھے سپاٹ ولایتی، قانونی واقفیت واجبی واجبی، گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ قسم کے حاکم ہیں، سرکار

کا اقبال اور منشی جال پا پرشاد کا سیٹھ سکینہ کی سررشتہ داری شامل حال
ہے کہ ضلع کی سب سے اونچی کرسی پر مزے سے دندنا رہے ہیں!

لکھتے لکھتے صاحب نے دفعتاً سر اٹھایا، نیلی نظروں سے اجلاس
کا جائزہ لیا، اور پیپر کے قلم سے سررشتہ دار صاحب کی طرف اشارہ کرتے
حکم دیا کہ مقدمہ پیش کیا جائے۔

صاحب: "ول منشی، مڈئی، مڈالیہ کا کیل لوگ ہاضر ہے؟"

سررشتہ دار۔ فریقین کے کٹہروں کی طرف دیکھ کے "حضور مدعی مسمی مٹھو
در منظر ہے کہ دعویٰ بر سبیلِ استعجال داخل ہوا، وکیل ہمدست نہ ہو سکا
اب سرکار ہی مادر پدر ہیں، مدعا علیہ مرزا الٰہی خیر مقادم مغل کی جانب
بابو کریم بخش وکیل درجہ سوم عدالت ہائے دیوانی و فوجداری بمشورہ
وکاران مدعا علیہ مسمیان جانی مرزا قوم ترکمان و میر فدا حسین عرف فدن
پیشہ حکیمائیت حاضر عدالت ہیں"

صاحب۔ "ٹیک ہے جانے ڈیو"

سررشتہ دار صاحب نے مٹھو کی درخواست سنانا شروع کی:

"بہ اجلاس حضور پر نور فیض گنجور عالی جناب فیض مآب مسٹر
صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر دام اقبالہ"

مسمی مٹھو ولد سنگٹو قوم گھاذر ساکن محلہ تالاب بخشی رنگیت را
پیشہ کپڑے دھونا ــــ مدعی مستغیث، بنام مسمی الٰہی خیر ولد نا معلوم
مرزا، ساکن محلہ جھنڈے تلے، پیشہ حال چنڈو بازی و افیم نوشی سابق
در سلداری دگلے والی پلٹن ــــ مدعا علیہ ملزم،
دعویٰ واسطے دلا پانے یک زنجیر خرِ نر، عمر دو دانت . . .

صاحب۔ دخل دے کر۔ "وَل یک زن والا بات کھیا ہے؟"

سررشتہ دار۔ "حضور' یک زنجیر" فارسی کا محاورہ ہے' جیسے مبلغ ایک روپیہ' اور خرِ نر" سے مراد ہے "مرد گدھا"

حضور:" اس کا اوَرٹ لوگ کَون ہے"؟

سررشتہ دار۔ "حضور" گدھی" یہ قاعدہ ہے کہ مرد کے آگے چھوٹی "ی" جوڑ دیں تو عورت بن جاتا ہے جیسے حضور' بھٹیارہ سے بھٹیاری' مرغا سے مرغی"

صاحب۔ مطمئن ہو کر۔" ٹھیک ہے جانے ڈیو"

سررشتہ دار۔ "عمر دو دانت' سبزہ رنگ' آہو چشم' کبک رفتار' شیریں گفتار' ۔ یہ حضور گدھے کا حلیہ ہے"

صاحب۔" مالُم ہے' جانے ڈیو"

سررشتہ دار۔" قیمتی مبلغ بست روپیہ کہ نصفش دہ روپیہ می باشد سکہ سرکار کمپنی بہادر"

غریب پرور سلامت' فدوی مدعی مستغیث عرض پرداز ہے کہ (۱) بتاریخ دیروزہ مدعا علیہ ملزم نے بوقت نواخت چھ بجے منہ اندھیرے اپنے خدمت گار مسمی عبدالغفور خاں صاحب کے ہات فدوی کا گدھا بچارنے کے لیے طلب کیا۔ ہرچند کہ فدوی مدعی کی بائیں آنکھ پھڑکی اور چھینک بھی پڑی' مگر بہ لحاظ پڑوس بطور دستگرداں دے دیا۔

(۲) بعد گزرنے دو گھنٹے کے فدوی مدعی کو معتبر ذریعہ یعنی بی گھسیٹن بھٹیاری ساکن چاول والی گلی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "

صاحب۔" وَل منشی' بٹیاری اور گدٹے کا اورٹ لوگ بالکل ایک یا فرق ہے؟"

سررشتہ دار۔" جی حضور بالکل ایک' اصلاً فرق نہیں' بجز اس کے

کہ بھٹیاری آدمی ہوتی ہے اور گدھی جانور"

صاحب "اوٹیک ہے، ٹیک ہے، جانے ڈبو"

سررشتہ دار۔ "ساکن چاول والی گلی کے منہ سنا گیا کہ مدعا علیہ ملزم نے جھوٹ باور کرا کے گدھا حاصل کیا، اور بہ نیت دغا و ضرر پہنچانے اس مدعی مستغیث کے داخل کانجی ہوز حبس بے جا کرا دیا، اور خود بہ ارادۂ روپوشی گھڑ موہنوں سے لڑنے لام پہ بھاگنے کو تھا کہ بہ قضائے الٰہی چوک میں پکڑا گیا ......"

صاحب۔ لال پیلے ہو کر۔ "ول لڑائی ہوا، پولس نے چالان نہیں کیا، سوتا تھا، ایک ڈم بے کانون ہے، ہم سب کو جہنڈم بھیجیں گا"

سررشتہ دار۔ "حکم ہو تو فدوی آگے چلے" (صاحب کے اشارے پر)

"(۳) فدوی مدعی مستغیث شہادت پیش کرے گا۔ لہٰذا استدعا ہے کہ فدوی کا گدھا دلوایا جاوے، مدعا علیہ ملزم کو جرائم کی پاداش میں قید بامشقت صادر ہو، اور کوئی دادرسی جو مدعی مستغیث کے حق میں مفید ہو فرمائی جاوے، زیادہ حد ادب فقط مکرر آنکہ الٰہی آفتاب عمر و دولت و اقبال دائماں درخشاں ہو جیو فقط عرضی فدوی منھو گاذر ساکن محلہ تالاب بخشی رنگیت رائے، مورخہ ۱۲ ماہ جون ۱۹۶۵ء بقلم منشی ڈال چند عرائض نویس تحریر یافت، نافع باد برب العباد"

صاحب۔ درخواست سن کر مدعا علیہ کے وکیل سے۔ "ول بابو کریم بکس آپ کچھ کہنے سکتا ہے"؟

بابو کریم بخش۔ "غریب پرور پہلے میرے موکل کا بیان قلم بند فرمالیں کمترین کی جرح اور بحث محفوظ ہے"

صاحب۔ سررشتہ دار سے۔ "ڈیکھو منشی ہم ڈالبہ کا بیان لینگا، تم لکھتا جائے"

منشی جالپا پرشاد نے کاغذ قلم سنبھالا، اور مرزا الٰہی خیر کا بیان شروع ہو گیا،

صاحب "وَل تمارا نام ؟"

مرزا۔" خداوند، مرزا الٰہی خیر"

صاحب" باپ کا نام ؟"

مرزا۔" سنا ہے کہ والد مرحوم میرزا اُلغ بیگ بونک زنی کے نام سے مشہور تھے"

صاحب۔" تم مٹو کا گدا اڑو کا ڈے کمر لیا" ؟

مرزا۔" قسم قرآن کی جو فدوی نے دھوکا دیا ہو، غلام تو گھڑموہوں سے لڑنے سرحد پہ جا رہا تھا، سواری کے لئے منگوایا بیشک کر کے، مگر خداوند نعمت فدوی کی نیت بخیر تھی، یعنی سوچا یہ تھا کہ رن میں کھیت رہا تو دام ورنہ گدھا صحیح سلامت واپس"

صاحب۔" منشی ول گڑ موال کھون لوگ ہے، مڈالیہ سے لڑائی کا کھیا بات ہے ؟"

سررشتہ دار۔" حضور یہ مدعا علیہ کی برادری کے آپس کے جھگڑے ہیں، یہ مرزا قوم بڑی اودھم ہوتی ہے، خداوند، دیوانی، فوجداری کرتی ہی رہتی ہے، پولس کا بڑا ناک میں دم ہے ان سے"

صاحب۔" ٹیک ہے" مرزا سے" جانے ڈیو"

مرزا" میں تو حضور جانے ہی دیتا، اس مٹھوا نے لانس جڑ دی اور فدوی کو حق ناحق کچہری دربار چڑھنا پڑا"

سررشتہ دار۔" یہ نہیں، حضور کا مطلب ہے، آگے چلو"

مرزا۔" بس یہ ہوا حضور، کہ غلام خوگیر ڈال کے، ابھی چال کی بانگی بھی نہ دیکھنے پایا تھا جو خداوند اس ملاعون کے بچے نے مجھ غریب یتیم یسیر پہ یہ ستم

ضور انگنئی میں کیاری بھر پوستہ بویا تھا' بونڈے بھی نہ چھٹے پائے
کے جڑوں سمیت کیاری کی کیاری کھا گیا' ٹھونٹھ تک نہ چھوڑے
ان کی' اصل مالوے کا بیج تھا خداوند' آگ لگ گئی تن بدن میں
لنا ہاتو ہے' نہیں فدوی' ہفتاد پشت کا سپاہی زادہ ہے جھلا کے
ں بودوں کاٹ کر پاجی کی' پہ ترس کھا کے رسی پکڑے چلا گیا
ں بھر دیا۔"

" وَل منشی یہ کانون کا بات ہے؟"

ستہ دار۔" حضور۔ دفعہ پان سے بہتر ضابطہ فوجداری کے حاشیہ
نظیر بھی ہو چکی ہے۔"

. مرزا سے۔" نڈالیہ آگے مت جانے ڈیو"

حب اور جانی مرزا کے اشارے پر مرزا الٰہی خیر نے بڑے صاحب
م کیا اور خاموش ہو گئے'

حب۔ آہستہ سے۔" خالی مرزا صاحب مانتا ہوں واللہ' کیا موقع
ہے فرنگی کو"

ا" تسلیم۔ یہی پھبتیاں تو ہیں مقدمہ بازی کی۔"

ب۔ مٹھو سے۔" وَل اپنا گواہ لائے"

ات جوڑ کے۔" ان داتا سب موجود ہیں' کانجی ہوج کے منسی جی
بائے' جو کلام جھونٹ بولا ہو"

س کے منشی جی پکارے گئے' ان بچارے نے خواب میں بھی
ں کی صورت نہیں دیکھی تھی' اجلاس پر آئے تو بوکھلا گئے"

. عدالتی لہجے میں حلف دے کر" کہو جو کچھ کہوں گا خدا کو حاضر ناظر

جان کر کہوں گا"
منشی جی۔ اوسان جا
ابعدار کا اتنیجا خطا ہو جا
صاحب:" اوٹمار اکو چھ
سررشتہ دار۔ ڈرتے ڈر
کر لئے اجلاس کے باہر جا
صاحب۔ بگڑ کے" نہیں
سب کا جرورٹ کا اجازت
ناچار دوبارہ حلف دیا گ
صاحب۔ وَل نام؟
منشی۔" خداوند شیخ
صاحب:" باپ کا نام"
منشی:" شیخ خیراتی
صاحب:" اس کذمہ
منشی۔" جو صاحب کا حکم
صاحب۔ سررشتہ دار
کانون ہے؟"
سررشتہ دار:" حضور کی
صاحب" ٹیک ہے۔ جا
اجلاس پر گزر ہے"؟
شی پریشان ہو کر" ح

جان کر کہوں گا"

منشی جی۔ اوسان جاتے رہے۔" جو کچھ ہے سو خدا ہے، ...... حضور تابعدار کا استنجا خطا ہو اجاتا ہے، ذرا ڈھیلا سکھا کے حاضر ہوتا ہے"

صاحب"۔ اوٹمارا کوچھ کھٹا نین ہے، سیڈا سیڈا باٹ بولو"

سررشتہ دار۔ ڈرتے ڈرتے۔" حضور گواہ منظہر ہے کہ اس کو ضرورت کے لئے اجلاس کے باہر جانے کی اجازت دی جائے"

صاحب۔ بگڑ کے" نین ہونے سکتا ہے، ایک ڈم بیان دینا ہوگا، سرکار سب کا جرورٹ کا اجازٹ نین ڈینے سکٹے، کانون ایسا ہے؟"

ناچار دوبارہ حلف دیا گیا، اور اظہار شروع ہوا،

صاحب۔ وَل نام؟

منشی۔" خداوند شیخ نفاق"

صاحب۔" باپ کا نام"؟

منشی۔" شیخ خیراتی"

صاحب۔" اس مکڈمہ میں ٹم کیا جانتا ہے"؟

منشی۔" جو صاحب کا حکم ہو"

صاحب۔ سررشتہ دار سے۔" وَل منشی ہم کوئی ہکم ڈینے سکتا ہے" کانون ہے؟"

سررشتہ دار۔" حضور کی زبان قانون ہے، جو حکم ہو وہی بیان میں لکھا جائے"

صاحب" ٹیک ہے۔ جانے ڈیو" منشی سے، مدالیہ کو ٹم جانتا ہے، وہ اجلاس پر کِدر ہے"؟

منشی۔ پریشان ہوکر۔" حضور یعنی ...... یہ جو ...... یہ جو اسنے

جتنے یہاں کھڑے ہیں، ان میں سے کوئی نہ کوئی ضرور ہوگا (بابو کریم بخش کی طرف دیکھ کے) فدوی کے اندازے سے یہ جو کالا چغہ پہنے کھڑے ہیں یہی ہیں شائد"

صاحب مسکرائے، بابو کریم بخش وکیل درجہ سوئم چپ کھڑے تھے فدن صاحب نے جانی مرزا سے کچھ کہا، جانی مرزا نے وکیل صاحب سے کچھ کہا،

وکیل۔ عدالت سے۔" عدالت ملاحظہ کرے گواہ مدعی نے مدعاعلیہ کے وکیل کو مدعا علیہ بتایا، کمترین کی جرح اور بحث محفوظ ہے"

عدالت نے لکھ لیا،

جانی مرزا۔" سبحان اللہ فدن صاحب، کیا بات سجھائی ہے وکیل صاحب کو، اسے کہتے ہیں، پیروکاری"

فدن صاحب۔" واللہ یہ آپ کے فیضان صحبت سے القا ہوا اس وقت ورنہ من آنم کہ من دانم"

صاحب۔" کانجی ہوس میں گدڑا کھون لائے؟"

منشی۔" حضور محلہ کا مہتر تھا، چھٹی رزائی اوڑھے آیا تھا"

مرزا۔ عدالت سے۔" حضور اس مردک کو روکیں، نہیں تو چھاتی پہ چڑھ کے خون پی لوں گا اس وقت، غلام کو مہتر کہتا ہے"

وکیل۔" عدالت ملاحظہ کرے، گواہ اپنے بیان میں اشتعال انگیز جملے کمترین کے موکل پہ کر رہا ہے، کمترین کی جرح اور بحث محفوظ ہے"

صاحب۔ منھوئے۔ ڈوسرا گواہ کھون ہے؟ ہاذر کرو" بی گھسیٹن بھٹیاری لہنگا پھڑکانی کنگھی چوٹی سرمہ مسی سے چست حاضر ہوئیں، بڑی لیاقت

سے صاحب کو جھک کے سلام کیا، چپراسی نے حلف دیا،

صاحب ۔" اورٹ لوگ ہے؟ تمارا نام"

گھسیٹن ۔" سرکار کی سلامتی ہیں، بندی کو گھسیٹن کہتے ہیں"

صاحب ۔" تم مڈالیہ کو جانتا ہے؟"

گھسیٹن ۔" حضور کوئی آج سے، جوانی سے جانتی ہوں، ان کی اللہ رکھے مسیں بھیگتی تھیں، اور باندی بھی (ٹھنڈی سانس لے کے) خیر آدمی کا بچہ تھا"

صاحب "مڈالیہ نے گدڑے کا چوری کیا؟"

گھسیٹن ۔" اے نوج خدا نہ کرے حضور، ان کے دشمن چوری کریں، گھر میں اللہ کا لیا دیا سب کچھ ہے، ابم کی جگہ افیم، چنڈو کی جگہ چنڈو، نگوڑے سے لام پے جاتے جاتے ادھر کیسے پلٹ پڑے، ہولا خبطا تو ہیں ہی"

صاحب ۔" اچا تم جاؤ" (مٹھو سے) اور کھوں گواہ ہے؟"

مٹھو ۔" بڑی اسیٹھ ہو گئی گسیاں، عبدالغفور کہاں! اور ہیں سو کچا لے جائیں،

عبدالغفور خاں عرف گپو کا نام سنتے ہی ہمارے مرزا الٰہی خیر چونکے ہوئے، مگر کچہری کا موقع تھا، خون پی کر رہ گئے،

صاحب ۔" ول تم ابڈل گفور ہے؟"

گپو ۔" جی حضور اور خاں بھی"

صاحب ۔" ول ڈیکو تم مڈالیہ کے لئے مٹو اکا گدڑا لایا؟"

گپو ۔" بیشک کر کے لایا"

صاحب ۔" پھر کھیا ہوا؟"

گپوا ۔" ہوا کیا خداوند! بڑا ذلیل جنور نکلا، پنج عیب شرعی"

صاحب ۔" تم مٹو کو ڈو کا ڈے کر گڈا لائے" ؟

گپو ۔" دھوکا دے کر لایا حضور یا پیشگی کی چہرہ شاہی اٹھنی دے کر سامنے کھڑے ہیں نا' ہات ہیں گنگا جلی دے کر صاحب پوچھ لیں "

مٹھو ۔ زیر لب ۔" اے رام رام جھونٹ کی بھی حد ہو گئی "

صاحب ۔" تم مڈالیہ کا نوکری کس واسطے چھوڑا ؟ "

گپو ۔" حضور یہ بڑے جھلے لڑاکا آدمی ہیں' لام پہ لڑنے جارہے تھے مج سے کہا تم بھی چلو' ہم ٹھیرا حضور بال بچے دار آدمی' ہیں نے ٹھنڈے ٹھنڈے اپنا حساب کرا لیا ۔"

صاحب ۔" پھر گڈا کا بچی ہوس کیسے گیا ؟ "

گپو ۔" وہ بڑا حرفتی ہے حضور' کہنے کو جنور ہے' پُن حضور ہم سے آپ سے زیادہ چرتر باز ہے' گھر میں گولی بارود کی بُو پاتے ہی تاڑ گیا کہ لدے بیٹا لام پہ' بس حضور رسی تڑا کے جو بھاگا تو سیدھا مہتر کی جھوپڑی میں گھس گیا' مہتر کو غصہ آ گیا' ان نے اٹھا کے کا بچی ہوز میں سنگوا دیا "

صاحب " اچھا اب تم جانے سکتا ہے" وکیل سے' وَل بابو کریم باکس اب آپ بولنے سکتا ہے "

وکیل ۔" کمترین اب کیا عرض ہے' عدالت خود روشن ضمیر ہے' کمترین کی جرح اور بحث محفوظ ہے' یوں کہ اگر عدالت کمترین کے موکل کو جیل یا جرمانہ یا ہر دو کر دیا تو اپیل لڑے گا' آج عدالت کا وقت خراب کرنے سے فائدہ ؟ مدعی کے گواہوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ کمترین کا موکل مرد سپاہی پیشہ ہے' ۔ نیتی سپاہی کا دھرم نہایں ہے' مدعی نے عرضی دعوے بیں کمترین کے موکل پر جو الزامات لگائے ہیں' وہ اگر سچ بھی ہوں' تاہم

اتنے الجھاکر کے لگائے گئے ہیں کہ عدالت کی سمجھ کر بالاتر ہیں، عدالت کی یہ کھلی تحقیر ہے اور مدعی کی بدنیتی پر دلالت کرتی ہے، پس استدعا ہے کہ کمترین کا موکل عزت کے ساتھ بری فرمایا جائے"

یہ کہہ کر بابو کریم بخش وکیل درجہ سوم نے پیشانی کا پسینہ پونچھا اور اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"یہ بہت گول مال مکڈمہ ہے" مسٹر گرچین صاحب ڈپٹی کمشنر نے گدھے کی چوری کے مشہور مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہوئے لکھا،

"اس مکڈمہ میں متو ڈوبی ایک فریک ہے، اور دوسرا فریک مرزا الٰہی کھیر ہے، متو ڈوبی کا اُزر ہے کے ڈاوا جلڈی میں ڈاکھل ہوا، وکیل کر نہیں سکا،

دوسرے فریک کا وکیل بابو کریم باکس تھرڈ کلاس وکیل ہے، واسطے ڈلاپانے ایک مرڈ گدڈے کے ڈاوا ہے،

یہ ڈاوا ڈیوانی کی اڈالٹ میں ہوئے تو کانون کا بلکل مافک ہوئے فریکین کی کھسی کا بات ہے، اس اڈالٹ میں ڈاٹر کرے تو بی کچھ پروا کا بات نہیں ہے"

مکڈمہ کیسے چالو ہوئے، وہ اڈالٹ کے ڈیکنے کا بات ہے، مڈالیہ سولجر لوگ کا کھانڈان ہے، ایک ڈم لڑائی کرنے منگٹا، اس کے کھانڈان میں اگر موال لوگ بہت بڈماش اور گنڈا ہے، مڈالیہ ان سے لڑائی کرنے مانگا، اس کا کِڈ مڈگار ابڈل گفور کھان مڈی کا گدڈا آٹ آنے دینے کر لائے، گڈا لوگ بالکل بے وکوف کا مافک آدمی ہوتا ہے، لڑائی سے

باگتا ہے، مڈئی کا گڈا ابی باگ گیا، اس کو مہتر لوگ پکڑ کے کانجی ہوس میں ڈالے
ابی وہ اڈر ہے،

مڈئی کا گواہ نمبر (۱)، کانجی ہوس کا کلارک ہے اور ایک ڈم پاگل ہے
مڈالیہ کے وکیل بابو کریم باکس کو مڈالیہ بتاتا ہے، اور مڈالیہ کو مہتر بولتا ہے
اس پر ۱۹۳ تا زیرات کا مکدمہ چلنے سکتا ہے"

کسیٹن ہٹیاری اورٹ لوگ مڈئی کا گواہ نمبر (۲)، ہے، یہ بہت سول
ہے، ہم اس کو ڈیاپ کر بہت کھس ہوا، وہ مڈالیہ کو کھوب جانتا ہے، مڈالیہ
چوری نہیں کیا بولتا ہے، یہ بات بالکل برابر ہے لیڈی لوگ جوٹ نہیں سکتا

مڈئی کا گواہ نمبر (۳) ابدل گفور کھان ہے، یہ مڈالیہ کا کڈ مڈگار ہے،
لڑائی پر جانے نہیں منگتا، نوکری بی کرنے نہیں منگتا، گڈا لایا، وہ سرارٹ
کیا، اور باگ گیا، مڈالیہ کیا کرنے سکتا ہے،

اتنا بات کے واسطے مڈئی بہت گول مال کیا، بس
ہکم دیا جاتا ہے کہ مٹو مڈئی کا ڈاواڈسمس، مڈالیہ میرزا کھیر بری کیا جائے
مڈئی مکدمہ کا کھرچا ادا کرے، گڈے کو کانجی ہوس میں سات دن کا کیڈ
بامسکت، اور تین دن کا کال کوٹھری دیا جائے،

ہم بابو کریم باکس تھرڈ کلاس پلیڈر سے بہت کھش ہے، اس نے
اڈالت کا وکت کھراب نہیں کیا، ہسن ڈاکھل دفتر ہو"

دستخط پی ٹی مکرجین

مار ہی ڈالتا، قسم قرآن کی، جو بھولے سے ایک لفظ بھی خلاف میں سن
پاتا، اور سنیے، کل سے جو نابکار نے مون کھینچی تو آج مٹھو اکی گواہی دینے

آیا تھا مردک " مرزا نے کہا،

" غلام نہ ہوتا تو گدھے کی سنگت آج کال کوٹھری میں لکھی رکھی تھی "

گپو بولا

" بے پر کی " اڑ گئی !!

سید وصی اشرف چشتی مالک کتب خانہ علم و ادب دہلی نے
علیمی پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا